مؤلفہٗ

الفاضل الشہیر السید سبط الحسن الہنسوی دام ظلہٗ

قیمت پانچ روپے -/5

منہاج نہج البلاغہ

تالیف

فاضل الشہیر
السید سبط الحسن الہنسوی

عضو منتدی النشر (نجف اشرف)
کارمند انجمن تبلیغات اسلامی (تہران)
ممبر اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی
ناظم دار النشر للمعارف الاسلامیہ (لکھنؤ)

تہدیہ

انتہائی خلوص کے ساتھ میں اپنی اس کوشش کے
اجر و ثواب کو حضرت **سید رضی** رضوان اللہ علیہ
کی "روحِ پُر فتوح" کو ہدیہ کرتا ہوں، جس نے نہج البلاغہ کو
ہمارے سامنے پیش کیا ـــــــــ اللّٰھمّ تقبّل منّا!

سبط الحسن

باسمہٖ سبحانہٗ

پیش گفت

الحمد للّٰہ الذی ھدانا الی نھج الکمال والصلوٰۃ علی محمد وآلہ الذین بلاغتہم ارشدنا الی خیر مآل

تالیف کتاب کا اصل سبب

عرصہ کی بات ہے کہ ڈاکٹر زبید احمد پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی نے اپنی تالیف "ادب العرب" دیکھنے کے لیے مجھے دی، میں نے اس کتاب [illegible] ڈاکٹر صاحب موصوف نے سید رضی علیہ الرحمہ کو بجائے جامع نہج البلاغہ کے اس کتاب کا واضع و مصنف قرار دے کر لکھا ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ حضرت علیؑ کی طرف اس کتاب کی نسبت غلط ہے، میں نے ڈاکٹر صاحب سے اس موضوع پر تبادلۂ خیال کیا اور بعض شواہد ان کے سامنے پیش کیے کہ نہج البلاغہ امیر المومنین علیہ السلام ہی کا کلام بلاغت نظام ہے، یہ کتاب اس زمانے میں امتحان عالم (الہ آباد) کے نصاب میں داخل تھی اور شیعہ طلبا کو بھی تاریخ ادب کی حیثیت سے "ادب العرب" کو پڑھنے کے لیے مجبور تھے، میں نے اس کے خلاف ڈیپارٹمنٹ کو متوجہ بھی کیا، جس کے نتیجے میں یہ کتاب اس زمانے میں نصاب [illegible] خارج کردی گئی، یہ سب کچھ ہوا لیکن دل یہ چاہتا تھا کہ اس موضوع پر کوئی کتاب لکھی جائے جس میں نہج البلاغہ کے کلام امیر المومنینؑ ہونے کا ثبوت فراہم کردیا جائے، اگرچہ میں اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتا تھا کہ اس پر کچھ لکھ سکوں لیکن جب یہ دیکھا کہ کوئی اس طرف متوجہ نہیں ہے تو کچھ نہ کچھ لکھنے کے لیے طے کرلیا۔

سمند ناز کو اک اور تازیانہ ہوا

میرا یہ ارادہ ابھی عمل کی صورت نہیں اختیار کرنے پایا تھا کہ کچھ ایسے حالات [illegible] کہ الہ آباد کو مجھے خیرباد کہنا پڑا اور مختلف مقامات پر [illegible] اور کچھ دنوں بعد ریاست محمود آباد کے متوسلین میں میرا شمار ہو گیا، الہ آباد کا متذکرہ واقعہ بھی بھول گیا [illegible] کرنا چاہتا تھا کہ دفعتہً میری نگاہ کے سامنے ڈاکٹر ایس اے خلوصی عراقی پی ایچ ڈی لکچرر لندن یونیورسٹی کا مضمون "THE ANTHENTICITY OF NAHJ AL BALAGHA" آیا، جو اسلامک ریویو ماہ اکتوبر ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا تھا [illegible] مضمون کو دیکھ کر میرے تحت الشعور میں جو بھولا بسرا الہ آباد کا واقعہ تھا وہ تازہ ہو گیا اور [illegible] خدا کا نام لے کر اس کتاب کو لکھنا شروع کیا جو اس وقت آپ کے سامنے ہے، رات دن کی لگاتار محنت [illegible] نتیجہ ہوا کہ بہت جلد میں اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہو گیا۔

تالیف کتاب کے بعد اشاعت کی فکر

تالیف کے بعد جب سکون کے لمحات نصیب ہوئے تو میں نے اپنے احباب سے اس کا ذکر کیا اور بعض علما و افاضل کو [illegible]

مقامات سے سنایا بھی، سنانے کا مقصد یہ تھا کہ شاید کوئی متوجہ ہو جاوے اور اپنے اثرات سے اس کے طبع کرانے کا انتظام کرے، احباب کو میرے مقصد کو سمجھنے میں اس لیے دشواری تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ میں ذاتی محمود آباد کے سرمائے سے بآسانی شائع کرا سکتا ہوں، لیکن میرے لیے جو دشواریاں حائل تھیں وہ کسی کے پیش نظر نہ تھیں، اتفاق سے جناب مستطاب معلی القاب رکن الارکان وعین الاعیان مہاراجکمار محمد امیر حیدر خاں بہادر بالقابہ نے خلوصی کے مضمون کا تذکرہ فرمایا، عرض کیا کہ اس کا جواب بہت ہی تفصیل کے ساتھ میں نے لکھا ہے، بعد میں بعض مقامات کو حضور ممدوح کو سُنایا، سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں انگریزی ترجمہ کر کے اس کو شائع کر دوں گا، ترجمے کے لیے آپ اس کو میرے پاس چھوڑ دیجئے، میں نے عرض کیا کہ مناسب یہ ہوگا کہ اصل کتاب پہلے شائع ہو جاوے اس کے بعد انگریزی میں ترجمہ شائع ہو، کیونکہ ترجمہ ہونا اور پھر طبع ہونا اس کے لیے کافی وقت چاہیے علاوہ ازیں میرے پیش نظر یہ بھی تھا کہ خلوصی کے مضمون کی اشاعت پاکستان میں خاص طور سے ہوئی ہے اور اردو میں اُس کا ترجمہ بھی وہاں کے بعض رسائل میں شائع ہو چکا ہے جس کا اثر یہ ہوا کہ شیعی دل و دماغ بھی اُس سے متاثر ہوئے اور لکھنؤ کے قومی اخبار "سرفراز" میں خلوصی کی تائید ان الفاظ کے ذریعہ سے ہوئی :-

"البتہ نہج البلاغہ کے بارے میں فاضل موصوف (مؤلف ادب العرب) کی رائے صحیح ہے کہ بعض منسوبات بھی شامل ہیں جس کو الگ کرنے کی ضرورت ہے لیکن عثمانی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ ایمانداری سے۔"

(اخبار سرفراز مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۵۱ء نمبر ۹۴ صفحہ ۲ کالم ۲)

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

بعض حالات کی بنا پر جب مدرسۃ الواعظین سے اصل کتاب کے شائع ہونے سے میں مایوس ہو گیا تو میں امیرالمومنین صلوات اللہ علیہ سے متوسل ہوا، جس کا اثر یہ ہوا کہ برٹش افریقہ سے ایک جلیل القدر عالم دین حفظہ اللہ (جن کے نام کو ظاہر کرنے سے مجھے روکا گیا ہے) کا مکتوب گرامی بعض علمائے لکھنؤ کے پاس آیا کہ "خلوصی کے جواب کی سخت ضرورت ہے اور اگر ہو سکے تو فاضل سنسوی سے اس کا جواب لکھایا جائے۔" موصوف کو اس کی اطلاع دی گئی کہ جواب لکھا جا چکا ہے لیکن ابھی تک طباعت کا انتظام نہیں ہو سکا، اس کا جواب آیا کہ برٹش افریقہ کے ایک فیاض مرد مومن اس کے اخراجات کو برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہیں، نظامی پریس کو طبع ہونے کے لیے کتاب دے دی جاوے تاکہ طباعت کتابت دیدہ زیب ہو، اور ساتھ ہی ساتھ مدد یہ بھی اس شرط سے آ گیا کہ اس کتاب کو فروخت کر کے جو سرمایہ جمع ہو اُس سے دوسرے تالیفات کو شائع کیا جاوے افسوس کہ اب تک میں اپنے ان برادر دینی کے نام سے واقف نہ ہو سکا، خداوند عالم ان کے برکات فیوض کو جاری رکھے اور جزائے خیر کرامت فرمائے۔

چنانچہ اس طرح اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا مگر محدود تعداد میں اشاعت ہونے کی وجہ سے اسکی افادیت عام نہ ہو سکی اب بہت کچھ اضافوں اور نظر ثانی کے بعد رسالہ اصلاح کے صفحات میں دوبارہ شائع ہو رہی ہے خدا کرے ہماری محنت ضائع نہ جائے اور خلوصی اور ان کے ایسے دیگر افاضل نے نہج البلاغہ کے متعلق جو اشتباہی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اس سے ارباب فہم محفوظ رہیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

سید سبط الحسن الہنسوی

مولف، کا مسلک اور عصر حاضر کا تقاضہ

اس سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عصر حاضر کا انسان روحانیت کی منزل سے اتنا دور ہو چکا ہے کہ اب وہ مادیات سے الگ ہو کر کچھ نہیں سوچتا ہے بلکہ روحانی و ما بعد الطبیعاتی مسائل پر بھی اس کی نگاہ غلط مادی و طبیعاتی حیثیت سے پڑنے کی عادی ہو گئی ہے اسی وجہ سے ہر امر میں موجودہ دنیا کا نقطۂ نظر بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ دہریت کا سیلاب موجودہ دنیا کو بہائے لیے جا رہا ہے۔ آج یورپ کے خود ساختہ نظریات و غلط رجحانات کو حقائق کا درجہ دے دیا گیا ہے اور جو حقائق واقعی ہیں، اُن کو خلاف عقل بتا کر غیر مکمل تمدن کی روایات بتلایا جاتا ہے، اسی وجہ سے ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان بھی قرآن و حدیث کا مطالعہ ایمان و ایقان کی نگاہوں سے نہیں بلکہ مادیات کی عینک لگا کر کرتا ہے اور اپنے عقائد و مسلمات سے دور ہوتا چلا جاتا ہے، جس میں اس کی نئی نسل تو پوری طرح ملوث رہی ہی تھی، لیکن تازہ ترین نشان یہ ہے کہ ہر اعتبار سے ایک سنی مسلمان ڈاکٹر خلوصی، پی، ایچ، ڈی جو عراقی عرب ہیں اور لندن یونیورسٹی میں عربی ادب کے معلم ہیں، وہ نہج البلاغہ کو یورپی انداز پر تاریخی تحلیل و تجزیہ سے جانچنے کی سعی نامشکور فرماتے ہیں اور اس کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مندرجات نہج البلاغہ کا اکثر حصہ امیر المومنین علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہ کا نہیں ہو سکتا بلکہ دوسرے نامعلوم اشخاص کا کلام ہے، خلوصی کے انکار کی بنیاد صرف اس امر پر ہے کہ ایسے زمانہ میں جب کہ عربی تمدن میں رفتار علوم و فنون کا نام و نشان نہ تھا امیر المومنین کیونکر اس پر قادر ہو گئے کہ ایسے فصاحت و بلاغت کے ساتھ حکیمانہ خطبات و اقوال کو عربوں کے سامنے پیش فرمایا، حالانکہ مسلمانوں کے مسلمات حقائق میں سے ہے کہ محمد و آل محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین علوم لدنیہ رکھتے تھے وہ محتاج درس و تدریس نہ تھے یہ عقیدہ صرف شیعوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ صحیح العقیدہ حضرات اہل سنت کا بھی یہی مسلک ہے جن کی ایک فرد ڈاکٹر خلوصی بھی ہیں جیسا کہ علامہ شہاب الدین احمد بن عبد القادر الحفظی العجیلی الشافعی اور علامہ شیخ عبد اللہ بن محمد بن عامر الشبراوی الشافعی تحریر کرتے ہیں :-

(۱) امیر، نبیت حاز ذا لفضائل کلھا   اہل بیت پیغمبر تمام فضائل و کمالات علم و حلم، فصاحت

علما و حلما و فصاحة و صباحة و ذکاء   بلاغت، صباحت، ذکاوت، وجاہت و سماحت

بديهة وجود او شجاعة، فعلومهم لا تتوقف
على تكرار ودرس ولا يزيد يومهم فيها على
ما كان بالامس بل هي مواهب من
مولاهم من انكرها واراد سترها كان كمن
اراد ستر وجه الشمس فما سألهم في العلوم
مستفيد ووقفوا، ولا جرى معهم في مضمار الفضل
قوم الا عجزوا وتخلفوا، وكم عاينوا في الجلاد
والجدال امورا فتلقوها بالصبر الجميل وما
استكانوا وما ضعفوا تقرّ الشقاشق اذا هدرت
شقاشقهم وتصغى الاسماع اذا قال قائلهم
ونطق ناطقهم سجايا خصهم بها خالقهم"
(ذخيرة المآل في شرح عقد جواهر اللآل الحلبي مخطوط ۱۰۵۰ھ کتاب
الاتحاف بحب الاشراف شبراوی صفحہ ۱۹ طبع مصر)

شجاعت کے مالک تھے ان کے علوم سبق حاصل کرنے
اور درس و تدریس کے محتاج نہ تھے اور نہ ایسا تھا کہ اُن کے
علوم میں تدریجی ترقی ہو بلکہ اُن کے علوم خداداد تھے جو
شخص اس سے انکار کرے اور پردے ڈالنا چاہے تو اُس کی
کوشش ویسی ہی بیکار ہے جیسے آفتاب کو پردوں میں
چھپا دینے کی لاحاصل کوشش، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اُن سے
سوال کرنے والوں نے سوال کیا ہو اور جواب دینے میں
انھیں غور و فکر کا توقف ہوا ہو، اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ یہ
میدان فضل میں سب سے آگے نہ رہے ہوں اہلبیت کے
سامنے کتنے ہی سختیاں اور معرکے پیش آئے لیکن انھوں نے
صبر و وقار کے ساتھ ان کو جھیلا، اور اُن کو کبھی کوئی شرمندہ
و ضعیف نہ کرسکا دنیا کی فصاحتیں اُن کی فصاحت کے
آگے گرد ہو گئیں جب ان کے بولنے والوں میں سے کوئی
بولا اور کوئی بر سر نطق ہوا تو دنیا کے کان اُن کی آواز کے سننے میں محو ہو گئے یہی وہ تمام صفتیں ہیں جن کے ساتھ اُن کے خالق نے اُن کو
مخصوص کیا ہے۔"

لیکن چونکہ زمانہ کا مزاج بدلا ہوا ہے اور زمانہ ہم سے سائنٹیفک مطالعہ کا مطالبہ کرتا ہے اس لیے ہمارے لیے یہ ضروری
ہو جاتا ہے کہ ہم سکون و اطمینان کے ساتھ اس حیثیت سے جس کا مطالبہ مخاطب نے کیا ہے، نہج البلاغہ کی صحت نسبت
کے متعلق بحث و نظر کریں اور تاریخی تحلیل و تجزیہ کے بعد اس امر کو ثابت کریں کہ نہج البلاغہ کے کلام امیرالمومنین
ہونے میں شک کی کسی حیثیت سے بھی گنجائش نہیں ہے۔

قریش افصح العرب ہیں

دنیا کی قوموں میں صرف عرب ہی ایک ایسی قوم ہے جو فصاحت و بلاغت
طلاقت و خطابت میں اپنے مقابلہ میں کسی دوسرے کو نہیں سمجھتی تھی، اسی بنا
پر وہ اپنے کو "عرب" فصاحت کے ساتھ کلام کرنے والے اور دوسری قوموں کو "عجم" گونگا کہتے تھے، اور تمام
قبائل عرب میں سب سے زیادہ فصیح "قریش" تھے جو "افصح العرب" کہلاتے تھے، علامہ جلال الدین السیوطی اپنی کتاب
"المزهر في علوم اللغة" میں لکھتے ہیں،

اجمع علماؤنا بكلام العرب والرواة
لاشعارهم والعلماء بلغاتهم وايامهم و
محالهم ان قريشا افصح العرب السنة

ہمارے تمام علماء لغات و ماہرین کلام عرب راویان اشعار
و مورخین و جغرافیہ داں اس امر پر متفق ہیں کہ قریش
شیریں بیانی و طلاقت لسانی کے اعتبار سے افصح العرب

وأصفاهم لغة وذلك أن الله تعالى اختارهم
من جميع العرب واختار منهم محمداً صلى الله
عليه وسلم فجعل قريشاً قطان حرمه وولاة
بيته فكانت وفود العرب من حجاجها وغيرهم
يفدون إلى مكة للحج يتحاكمون إلى قريش
وكانت قريش مع فصاحتها وحسن لغاتها
ورقة ألسنتها إذا أتتهم الوفود من العرب
تخيروا من كلامهم وأشعارهم أحسن لغاتهم
وأصفى كلامهم فاجتمع ما تخيروا من تلك اللغات
إلى سلائقهم التي طبعوا عليها فصاروا بذلك
أفصح العرب"۔

"وقال أبو نصر الفارابي في أول كتابه
المسمى بالألفاظ والحروف، كانت قريش
أجود العرب انتقاداً للأفصح من الألفاظ و
أسهلها على اللسان عند النطق وأحسنها
مسموعاً وأبينها إبانة عما في النفس والذين
عنهم نقلت اللغة العربية وبهم اقتدي و
عنهم أخذ اللسان العربي من بين قبائل العرب"
(كتاب المزهر للسيوطي الجزء الأول صفحات ۱۰۳، ۱۰۴
طبع مصر ۱۲۸۲ھ)

ہیں۔ خداوند عالم نے تمام قبائل عرب میں سے اس بات
کے لیے قبیلہ قریش کو چن لیا ہے، اور قریش میں سے
حضرت محمدؐ منتخب و برگزیدہ ہیں، دراصل قریشی
حرم کعبہ و بیت اللہ شریف کے ساکن و والی و محافظ
ہیں، تمام قبائل عرب گروہ در گروہ مکہ میں حج کے لیے
برابر آتے رہتے تھے، اور اپنے اختلافات قضیہ قضایا کا
فیصلہ قریش ہی سے کرایا کرتے تھے۔ قریش باوجود اپنی
خداداد فصاحت اور زبان کی نرمی اور لوچ کے آنے والے
قبائل کی پاکیزہ بول چال عمدہ الفاظ اور منتخب اشعار
کلام کو محفوظ کر لیا کرتے تھے اور پھر اپنے فطری سلیقہ سے ان
سے اس کو اپنا لیتے تھے جس کی وجہ سے وہ فصیح ترین عرب ہو گئے
ابو نصر فارابی اپنی کتاب "الفاظ والحروف" کے
شروع میں کہتے ہیں کہ تمام قبائل عرب میں قریش سب سے
زیادہ الفاظ کو پرکھنے، بول چال میں ایسے سہل و آسان
الفاظ کو ادا کرنے میں جو کانوں کو اچھے معلوم ہوں اور معنی و
مراد کو ادا کرنے میں واضح ہوں، بہت زیادہ قدرت
رکھتے تھے انھیں لوگوں سے لغت عرب نقل کی گئی ہے
انھیں کی زبان کی پیروی کی جاتی ہے اور تمام قبائل
عرب میں قریش ہی سے عربی زبان حاصل
کی گئی ہے۔

اسی لیے عرب کے باکمال شعراء کا یہ دستور تھا کہ جب وہ اشعار کہتے تھے اس وقت تک کسی کے سامنے اس کو
ظاہر نہیں کرتے تھے اور نہ پڑھتے تھے جب تک کہ وہ مکہ میں قریش کے سامنے حاضر ہو کر اس کو سنا نہ لیتے
تھے، "فان استحسنوه روي وكان فخراً لقائله وعلقوه على ركن من أركان الكعبة حتى
ينظر إليه" جب قریش اس کو سن کر پسند کرتے اُس وقت وہ ان اشعار کو عام کرنے کے لیے کعبہ میں آویزاں کردیتے
اور قریش کا پسند کرنا شاعر کے لیے باعث فخر ہوتا "وإن لم يستحسنوه طرح ولم يعبأ به" اور اگر
قریش ناپسند کرتے تو اس کو ضائع کر دیتے اور ظاہر نہ کرتے۔

(شرح القصائد العشر لامام الخطیب التبریزی، مقدمہ فی الکلام علی المعلقات، وخزانۃ الادب للبغدادی، مطبعۃ السلفیہ مصر [illegible])

قبیلۂ قریش کے ممتاز فصحاء وبلغاء

قریش کے سرتاج فصحاء، ادباء وخطباء بلغاء میں کعب بن لوئی قصی، ہاشم، عبدالمطلب، اور ابوطالب تھے، قبیلہ قریش میں خصوصیت سے بنی ہاشم فصاحت وبلاغت، طلاقت وخطابت میں خود اپنی آپ مثال رکھتے، جناب عبدالمطلب کے قصائد واشعار اور خطبے مختلف کتب تاریخ میں آج تک محفوظ ہیں جن سے ان کے کمال فصاحت بلاغت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، حضرت ہاشم وعبدالمطلب کے عہد میں عربی شاعری اپنے حد کمال کو پہونچی مشہور عالم شعر وادب عربی ابوعبداللہ محمد بن سلام الجمحی البصری المتوفی ۲۳۲ھ طبقات الشعراء میں لکھتے ہیں:

ولم یکن لاوائل العرب من الشعر الا	قدمائے عرب سوائے ابیات کے کچھ نہیں رکھتے
الابیات یقولها الرجل فی حادثة وانما	تھے جن کو کہنے والے کسی حادثہ کے سلسلہ میں کہہ دیا کرتے
قصدت القصائد وطول الشعر علی عهد	تھے قصائد اور طولانی اشعار کہنے کا رواج عبدالمطلب و
عبدالمطلب وهاشم بن عبد مناف۔	ہاشم بن عبد مناف کے زمانہ میں ہوا ہے۔

(طبقات الشعراء صـ۱۷ طبع مصر)

اولاد عبدالمطلب میں سوائے پیغمبر اسلام کے کون ایسا ہے جس نے اشعار نہ کہے ہوں، ابن رشیق کتاب العمدہ میں لکھتے ہیں:۔

ولیس من بنی عبدالمطلب رجالا ونساءً	بنی عبدالمطلب کے مردوں اور عورتوں میں کوئی
من لم یقل الشعر حاشی النبی صلی اللہ علیه	ایسا نہیں ہے جس نے اشعار نہ کہے ہوں سوائے رسول اللہ
وسلم۔	صلعم کے)

(کتاب العمدہ لابن رشیق جلد اول صـ۱۵ طبع مصر)

بنات عبدالمطلب یعنی صفیہ، برہ، عاتکہ، ام حکیم البیضا، امیمہ، اروی ہر ایک نے پر درد اشعار کہے ہیں (سیرت النبی ابن ہشام جلد اول) اسی طرح عبداللہ، ابوطالب، زبیر، حمزہ، عباس وغیرہم فرزندان عبدالمطلب میں سے کون ہے، جن کے اشعار ماثورہ وکلمات منقولہ فصاحت وبلاغت کی جان نہ ہوں، خصوصاً جناب ابوطالب جو اپنے زمانہ میں ایک بلند مرتبہ شاعر وخطیب تھے، آپ کے اشعار وخطبے تاریخ اسلام میں آج تک محفوظ ہیں، ابوعبداللہ محمد بن سلام الجمحی البصری نے حضرت ابوطالب کا شمار قریش کے بہترین شعراء میں کیا ہے۔

وکان ابوطالب شاعراً جید الکلام و	ابوطالب بہترین خوش گو قادر الکلام شاعر تھے۔
ابرع۔	(طبقات الشعراء محمد بن سلام صـ۹۸ طبع مصر)

آپ کا قصیدہ لامیہ جو قصیدہ شعبیہ کے نام سے مشہور ہے، عربی لٹریچر میں باعتبار فصاحت وبلاغت ومعنویت کے اپنا جواب نہیں رکھتا ہے، ابن کثیر کا قول ہے۔

وهذه قصیدة الشعبیة بلیغة جداً	یہ قصیدہ شعبیہ بے حد بلیغ ہے، اور کسی میں یہ طاقت

لا یستطیع ان یقولها الا من نسبته الیه وھی افحل من معلقات السبع وابلغ من تادیۃ المعنی (کما نقلها الدحلانی فی کتابه اسنی المطالب ص۱۱ وابراھیم رفعت فی مرآۃ الحرمین الجزء الثانی ص۶۳ طبع مصر)

نہیں کہ ایسا فصیح وبلیغ قصیدہ کہے، مگر وہی جس کی طرف یہ منسوب ہے یعنی ابو طالب اور یہ قصیدہ معلقات سبعہ سے بہت بلند وبہتر اور تادیہ معنی میں رفیع تر ہے۔

علامہ ابراہیم رفعت پاشا اپنی کتاب میں لکھتے ہیں :-

ھی قصیدۃ عامرۃ، تعلو اعلی المعلقات جزالۃ واداء معنی وصدق قول"

یہ قصیدہ پرمعنی جزالت، صدق قول، اداء مطالب کے لحاظ سے معلقات سے بلند ہے"

(مرآۃ الحرمین جلد دوم ص۶۳ طبع مصر)

حضرت ابوطالب کے اشعار، منقبت رسولؐ، فضائل نفس، اخلاق کریمہ، جذبۂ ایثار، وفاداری، شجاعت شہامت اور بہت سے تاریخی حقائق پر مشتمل ہیں جن میں اسلامی روح اور حقائق پرستی وحق کوشی کی تڑپ ہے، اسی بنا پر امیرالمومنین علی ابن ابی طالب ارشاد فرماتے ہیں :-

تعلموا شعر ابی طالب وعلموه اولادکم فانه کان علی دین الله وفیه علم کثیر (مستدرک نہج البلاغہ ہادی کاشف الغطاء باب دوم ص۱۳۶ طبع نجف)

ابوطالب کے اشعار کو حاصل کرو اور اس کی تعلیم اپنی اولاد کو دو اس لیے کہ وہ دین خدا پر تھے اور اس میں علم کثیر ہے۔

رسول اللہ افصح الخلق تھے

مندرجہ بالا تاریخی اسناد کے بعد ہمارے ناظرین کو اس نتیجہ تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوگی کہ تمام عرب میں قبیلہ قریش اور قریش میں بنی ہاشم اور بنی ہاشم میں اولاد عبدالمطلب سے زیادہ فصیح وبلیغ کوئی دوسرا نہ تھا، اسی آسمان فصاحت وبلاغت کے آفتاب و ماہتاب، افصح الخلق علی الاطلاق سیدنا ومولانا رسول اللہ صلعم (المزہر جلد اول ص۱۰۳ طبع مصر) "والمقدر فی فنون البلاغہ علی بلغاء البدو والحضر" امیرالمومنین علی ابن ابی طالب" (خزانۃ الادب شیخ تقی الدین ابن حجۃ الحموی ص۴۶ طبع مصر) تھے۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق علمائے ادب لکھتے ہیں :-

فقد کان صلی الله علیه واله وسلم فی فصاحة قوله وبلاغة لسانه بالمحل الافضل والموضع الذی لا یجهل سلاسة طبع وبراعة منزع وایجاز مقطع وفصاحة لفظ وجزالة قول وصحة معان وقلة تکلف اوتی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فصاحت قول وبلاغت لسان کے اعتبار سے افضل ترین محل پر فائز ہیں، بلکہ آپ کی سلاست طبع اور بے نظیر و مافوق الطاقۃ اقتدار اور مختصر تسکین دہ، فصیح الفاظ، پرمغز کلمات اور صحیح معانی پر مشتمل ہوتے اور ادائے مطلب میں کسی طرح تکلف

جوامع الکلم وخص بین الئع الحکم وعلم السنۃ العرب یخاطب کل امہ منہا بلسانہا ویحاورہا بلغتہا ویباریہا فی منزع بلاغتہا (المجمل فی تاریخ الادب العربی ص۴۷ طبع مصر) عسہ

نہ ہونے کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت کی ان خصوصیات سے کوئی بھی ناواقف نہیں کہا جا سکتا ہے حضرت کو جوامع الکلم عطا کیے گئے اور بدائع الحکم کے ساتھ حضرت مخصوص ہوئے۔ آپ جمیع السنہ عرب سے واقف تھے اور ہر امت وقوم وقبیلہ سے اسی کی زبان میں کلام فرماتے تھے، اس طرح کہ بلاغت میں آپ سب سے بڑھے رہتے تھے

جیسا کہ میں شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ موجودہ مذاق ہر امر میں مادی علل و اسباب کو تلاش کرنے کا عادی ہے اسی بنا پر پیغمبر اسلام کے متعلق بھی موجودہ عربی دنیا کے مفکرین ادباء آنحضرتؐ کے کمال فصاحت و بلاغت کا سبب اپنے گمان میں پیغمبر کے اس قول کو پیش کرتے ہیں جس کو آنحضرتؐ نے ممکن ہے کہ اپنے مخاطب کے درجۂ عرفان کو پیش نظر رکھتے ہوئے یا قبل اعلان نبوت جب کہ آپ اپنے باطنی مواہب الٰہیہ کے اظہار پر مجاز نہ ہوں، ارشاد فرمایا:۔

فاقام عندہا بین بنی سعد فی البادیۃ نحو خمس سنوات کان لہا اثر کبیر فی فصاحۃ لسانہ ...... قال لہ مرۃ ابوبکر ما رایت افصح منک فقال رسول اللہ صلعم وما یمنعنی وانا من قریش وارضعت فی بنی سعد وکان یقول لاصحابہ (انا اعربکم انا قرشی واسترضعت فی بنی سعد،

حضرت صلعم اپنی دائی حلیمہ سعدیہ کے پاس بنی سعد میں پانچ برس تک مقیم رہے اس قیام نے آپ کی فصاحت پر بہت بڑا اثر ڈالا ایک مرتبہ ابوبکر نے حضرت سے یہ عرض کیا کہ آپ سے بہتر میں نے کسی کو فصیح نہیں دیکھا یہ سن کر حضرت نے ارشاد فرمایا، "میرے لیے کیا مانع تھا میں خود قریش سے ہوں اور رضاعت میری بنی سعد میں ہوئی ہے۔

(المجمل فی تاریخ الادب العربی ص۴۷ طبع مصر)

الاستاذ احمد حسن الزیات اپنی کتاب تاریخ الادب العربی میں لکھتے ہیں:۔

تقلب رسول اللہ فی اخلص القبائل منطقاً واعذبہا بیاناً فولد فی بنی ہاشم ونشاء فی قریش واسترضع فی بنی سعد فکان افصح العرب لسانا بالفطرۃ۔

رسولؐ اللہ ایسے ہی قبائل میں رہے سے جو خالص عربی بولنے والے اور شیریں کلام تھے، بنی ہاشم میں پیدا ہوئے، قریش میں نشو ونما ہوئی اور رضاعت بنی سعد میں اس لیے حضرت فطری طور پر افصح العرب تھے۔

(تاریخ الادب العربی ص۸۳ طبع مصر)

مشہور ادیب عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:۔

فمحمد العربی القرشی الناشی فی بنی سعد

حضرت محمد عربی، قرشی، جن کے (بچپنے کی) نشوونما

عسہ اس کتاب کی تالیف عصر حاضر کے مندرجۂ ذیل علماء ادب و ماہر لسانیات اور مورخین نے کی ہے ڈاکٹر طٰہٰ حسین، احمد الاسکندری، احمد امین، علی الجارم، عبد العزیز البشری، احمد ضیف،

العالم بلهجات القبائل حتى ما تفوته لهجة قبيلة نائية في اطراف الجزيرة۔ (عبقرية محمد ص۱۲۶ طبع مصر)

بنی سعد میں ہوئی قبائل عرب کے تمام لہجات کے عالم تھے یہاں تک کہ وہ قبیلے جو اطراف عرب کے دور دراز مقامات پر رہتے تھے اُن کے لہجوں سے بھی آپ واقف تھے۔

کان محمد فصیح اللغة، فصیح اللسان فصیح الاداء (عبقرية محمد ص۱۴۷)

حضرت فصیح اللغۃ، فصیح اللسان، فصیح الاداء تھے۔

بہرحال اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آنحضرت افصح العرب تھے اور خود حضرت کا بھی اپنے متعلق یہی ارشاد ہے "انا افصح من نطق بالضاد" میں ہر عربی بولنے والے سے زیادہ فصیح ہوں "انا افصح العرب" میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں (کتاب المزہر السیوطی جلد اول ص۱۰۳ طبع مصر)

مدینۃ العلم حضرت محمدؐ کے عالم عربیت ہونے کے متعلق آپ کے شاگرد باب مدینۃ العلم حضرت علیؑ فرماتے ہیں

قال، قال علی رضی الله عنه ما سمعت کلمة عربية من العرب الا وقد سمعتها من (النبی) صلعم وسمعته يقول مات حتف انفه وما سمعتها من عربي قبله (کتاب المزہر جلد اول ص۱۴۵)

میں نے کوئی عربی کلمہ کسی عرب سے نہیں سنا لیکن یہ کہ رسول اللہ سے میں نے اس کو نہ سنا ہو، اور میں نے "مات حتف انفہ" کے کلمہ کو سب سے پہلے رسول اللہ سے سُنا، اس سے پہلے اس کلمہ کو میں نے کسی عرب سے نہیں سنا تھا۔" عله

بعد رسول صلعم علی ابن ابی طالب افصح الناس ہیں

افصح الخلق علی الاطلاق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اگر فصاحت و بلاغت میں کسی کا مرتبہ ہے تو وہ "علی بن ابی طالب" ہیں۔

الاستاذ علامہ السید احمد الہاشمی بک لکھتے ہیں :۔

وکان رحمة الله افصح الناس بعد رسول الله واکثرهم علماً وزهداً واشدّهم في الحق وهو امام الخطباء من العرب على الاطلاق بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم وخطبه كثيرة

رسولؐ اللہ کے بعد حضرت علی افصح الناس ہیں اور باعتبار علم و زہد و استقرار علی الحق تمام لوگوں سے زیادہ افضل و برتر ہیں اور رسولؐ اللہ کے بعد تمام عربوں میں علی الاطلاق آپ ہی امام الخطباء ہیں اور حضرت کے خطب بکثرت ہیں۔

عله اسی بنا پر قصیدہ لامیہ جو السموئل بن عادیاء کی طرف منسوب ہے اور جس میں یہ کلمہ وارد ہوا ہے اس کو منحول و موضوع بتلایا گیا ہے جیسا کہ الاستاذ احمد حسن الزیات لکھتے ہیں :۔

وورودها في لامية السموئل المشهورة دليل على ان هذه القصيدة منحولة كلها او بعضها (حاشیہ ص۵۹ تاریخ الادب العربی)

اس کلمہ کا قصیدہ لامیہ مشہورہ میں وارد ہونا جو سموئل کی طرف منسوب ہے اس امر کی دلیل ہے کہ یہ پورا قصیدہ یا اس کا بعض حصہ سموئل بن عادیا کا نہیں ہے بلکہ اس کی طرف غلط منسوب ہے۔

(جواہر الادب فی ادبیات وانشاء لغۃ العرب الجزء الثانی ص۴۴۸، ص۴۶۹ طبع مصر الطبعۃ الرابعۃ عشرۃ)

الاستاذ احمد حسن الزیات لکھتے ہیں :-

ولا نعلم بعد رسول الله فیمن سلف وخلف افصح من علیؑ فی المنطق ولا ابل منہ ریقا فی الخطابۃ کان حکیما تتفجر الحکمۃ من بیانہ وخطیبا تتدفق البلاغۃ علی لسانہ وواعظا ملء السمع والقلب ومترسلا بعید غور الحجۃ ومتکلما یضع لسانہ حیث شاء وھو بالاجماع اخطب المسلمین وامام المنشئین خطبہ فی الحث علی الجہاد ورسائلہ الی معاویۃ ووصفہ الطاؤس والخفاش والدنیا وعہدہ للاشتر النخعی ان صح تعد من معجزات اللسان العربی وبدائع العقل البشری وما نظن ذالک قد تہیاء لہ الا لشدۃ خلاطہ للرسول ومرانہ منذ الحداثۃ علی الکتابۃ لہ والخطابۃ فی سبیلہ۔ (تاریخ الادب العربی ص۱۱۰ طبع مصر)

رسول اللہ کے بعد سلف وخلف میں علی سے زیادہ فصیح تر گفتگو وکلام میں اور تقریر وخطابت میں کسی دوسرے کو ہم نہیں پاتے، آپ ایسے حکیم وفلسفی تھے کہ آپ کے بیان سے حکمت کے چشمے پھوٹتے تھے اور آپ کی زبان سے خطابت کے دریا اُبلتے تھے اور آپ ایسے واعظ تھے کہ سامعین کے قلب وسماعت کو اپنے وعظ سے پُر کردیتے تھے اور آپ کے مکاتیب ورسائل دلائل کی بے تھاہ گہرائیوں پر مشتمل تھے۔ اور حضرت بالاجماع تمام مسلمانوں میں سب سے افضل وبرتر خطیب ور امام المنشئین ہیں، حضرت کے وہ خطبے جن میں آپ نے لوگوں کو جہاد کے لیے برانگیختہ کیا ہے اور وہ رسائل جو معاویہ کے نام ہیں اور وہ خطبے جن میں طاؤس چمگادڑ، خفاش اور دنیا کے اوصاف آپ نے بیان فرمائے ہیں اسی طرح وہ عہد جو مالک اشتر کے نام ہے، یہ سب کے سب بدائع عقل بشری اور معجزات زبان عربی میں شمار ہوتے ہیں اور آپ کا یہ کمال نتیجہ ہے اس اختلاط وارتباط کا جو آپ کو رسولؐ کے ساتھ تھا جس کی بنا پر آپ بچپنے ہی سے رسولؐ کے مشن کو کامیاب بنانے کے لیے کتابت وخطابت سے کام لیتے رہے۔

علل واسباب کو مادی نقطۂ نظر سے دیکھنے والے اس کو ملحوظ رکھیں کہ علیؑ بھی مثل محمدؐ کے ایک ہی گھرانے کے محیط وماحول میں پیدا ہوکر پروان چڑھے یہ دونوں حقیقی چچازاد بھائی مثل ایک دوسرے کے قرشی وہاشمی ومطلبی تھے، فصیح وبلیغ ہونا ان کی نسلی خصوصیات میں داخل ہے۔

استاد احمد زکی صفوت لکھتے ہیں :-

ولیس بدعا ان یملک علی ناصیۃ الفصاحۃ ویرقی الی اسمی ذروۃ الخطابۃ فقد کان ذالک طبیعۃ متوارثۃ فی آل البیت جمیعا جاھلیۃ واسلاما وکان بیت ھاشم من الجاھلیۃ منبعھا العذب ومنھلہا

یہ کوئی حیرت وتعجب کی بات نہیں ہے کہ علی بلندی خطابت کے منتہائے اوج پر فائز ہیں اور ناصیہ فصاحت آپ ہی کے قبضہ واقتدار میں ہے، در اصل فصاحت وخطابت اہلبیت کی فطرت وطبیعت میں داخل ہے اور یہ چیز تو اُن حضرات کو میراث میں ملی ہے، زمانۂ

الفياض وكان جده كعب بن لؤي وهو الجد السابع له وللنبي صلعم من قدماء خطباء العرب، ولما مات كبروا موته وارخوا به حتى كان عام الفيل وكان اجداده قصي وهاشم وعبد المطلب وابوه ابو طالب كلهم من خطباء العرب المعدودين وقد نشأ في حجر ابن عمه محمد صلعم افصح العرب واخطبهم ودرج في بيت النبوة فنهل من معين الحكمة وكان منها موفور النصيب ومن ثم كانت على كلامه مسحة من النور الالهي وفيه عبقة من الكلام النبوي - (ترجمہ علی بن ابی طالب ص۱ طبع مصر)

جاہلیت اور عہد اسلام ہر دو میں یہ خاندان اہل بیت ممتاز رہا ہے، زمانہ جاہلیت ہی سے ہاشمی گھرانا فصاحت و بلاغت کا شیریں و خوشگوار چشمہ رہا ہے، حضرت علیؑ کے جد کعب بن لوئی جو آپ کے اور رسول اللہؐ کے ساتویں پشت میں ہیں عرب کے خطیبوں میں سب سے مقدم تھے جب ان کا انتقال ہوا تو عربوں نے اس کو ایک عظیم قومی سانحہ سمجھا تھا اور بطور یادگار ان کی ارتحال کے سال سے عام الفیل کے زمانہ تک اس سے تاریخ شمار کرتے تھے۔ اسی طرح آپ کے اجداد میں قصی، ہاشم، عبد المطلب اور آپ کے والد ابو طالب ان سب کا شمار خطباء عرب میں ہے۔ اس کے علاوہ علیؑ اپنے ابن عم حضرت محمدؐ جو سب سے زیادہ فصیح و خطیب تھے کی آغوش تربیت میں پلے، اور بیت نبوت میں آپ گھٹنیوں چلے پس آپ حکمت کے چشمے سے سیر و سیراب ہوئے اور آپ نے اس کو پورے طور سے پیغمبر سے حاصل کیا، اسی لیے آپ کا کلام نور الٰہی کا پرتو، اور خوشبوئے نسیم روح بخش کلام پیغمبر ہے۔"

اگر تاریخی تحلیل تجزیہ کرنے والوں کے نزدیک رضاعت اور بچپنے کے چند سال جس میں حضرت پیغمبر قبیلہ بنی سعد میں رہے، حضرت کی فصاحت لسان میں اثر انداز ہو سکتے ہیں تو علیؑ کا افصح الخلق علی الاطلاق کی گود میں پرورش پانا اور پیغمبرؐ کے خوابگاہ لحد میں آرام فرمانے کے وقت تک ساتھ رہنا یقینًا اثر انداز ہوگا، صرف یہی نہیں بلکہ اس مخصوص نقطۂ نظر سے علیؑ کی پوری زندگی کا یہ تقاضا ہے کہ ایسی شخصیت کو نہ صرف شجاعت شہامت میں فرد فرید بلکہ طلیق اللسان خطیب، بے مثال عالم، عدیم النظیر مفکر و حکیم ہونا چاہیے، کسی بلند شخصیت کی سیرت سے صحیح نتائج اخذ کرنے والے اور تاریخ کا سائنٹفک (فلسفۂ تاریخ کی روشنی میں) مطالعہ کرنے والے اسی نتیجہ تک پہونچنے کے لیے مجبور ہوں گے، المجمل فی تاریخ الادب العربی کے مصنفین لکھتے ہیں:-

اولهم علي ابن ابي طالب وقد ولد قبل ظهور الاسلام بسبع سنين وادركه الاسلام صبيًا فنشأ فيه وكان اتصاله بالنبي في طفولته وشبابه مصدرًا لهذا الروح القوي الجلد الذي نجده كلما قرأنا شيئًا من كلامه وكانت حياته

طلاقت لسان و کمال خطابت میں تمام عربوں میں سب سے اول حضرت علیؑ ہیں ظہور اسلام سے سات سال قبل آپ کی ولادت ہوئی اور بچپنے ہی میں آپ کو شرف اسلام حاصل ہوا اور آغوش اسلام ہی میں آپ پاسلے گئے بچپنے اور جوانی میں برابر آپ کا رسول اللہ کے ساتھ

كلها الحقيقة، ان تجعل منه رجلاً قوى النفس
شديد البأس، ذكى القلب، كثير العلم مستعداً
كل الاستعداد للتفوق والنبوغ فقد اشترك
مع النبي فى حلو الحيات ومرّها اذ كان ابن عمه
وصهره، ثم حيل بينه وبين الخلافة بعد
وفات النبي فصبر نفسه على ما لم تحب و
راضها على ما كرهت واخلص فى النصح لمن سبقه
من الخلفاء حتى اذا كانت الفتنه وقتل عثمان و
نهض بالامر تفرق المسلمون من حوله فانكرته
عائشه ام المومنين ومعها طلحة والزبير
وانكره معاويه بن ابى سفيان ومعه اهل الشام
ثم انكره بعد ذالك جماعة من اصحابه خرجوا
عليه حين قبل ما عرض معاويه من التحكيم وانتظر
الى ان ينفق اخر ايامه فى حرب منكره مولمة
النهزمية فيها شر والفوز فيها [illegible] ايضا، حتى
قتله احد الخوارج غيلة سنة ۴۰ الهجرة
[illegible] ترى ان حياته ايام النبى [illegible] حيات
جهاد كله أمل، وان حياته ايام [illegible]
كانت حياته اذعان ورضا [illegible] فى
النصح واخلاص للخلفاء وان حياته فى اخر
ايامه كانت حياة جهاد وحزن ويأس وقد
عرفت على بالشجاعة والباس ايام النبى وعرف
بالعلم وجودة الراى ايام الخلفاء الثلاثة و
عرف بالخطابة فى ايام خلافته القصايرة ولا
غرابة فى هذا فقد كانت حياته كلها تعده
لهذه الايام الاخيرة التى ولى فيها السلطان
وظهرت مواهبه [illegible] واحتاج الى نقول نقال

پیوست رہنا آپ میں بلاغت وخطابت کی اس قوی
روح کے پیدا ہونے کا باعث ہوا جو ہم آپ کے کلام
میں پاتے ہیں، آپ کی پوری زندگی اس کی سزاوار ہے
کہ آپ کو مرد قوی النفس، شدید الباس، ذکی القلب،
کثیر العلم بنائے، آپ میں تمام خوبیوں میں سب سے
آگے بڑھنے کی فطری صلاحیت واستعداد مکمل طور سے
پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے آپ کو ہر کمال میں تفوق و
نبوغ حاصل ہوا، بحیثیت ابن عم ودااماد کے آپ پیغمبر کی خوش
گوار وناخوش گوار زندگی کے برابر کے شریک رہے، (اور
پیغمبر کی جانشینی کا استحقاق آپ نے پیدا کر لیا لیکن باوجود
احق بالخلافۃ ہونے کے) پیغمبر کی وفات کے بعد آپ کے
اور خلافت کے درمیان لوگ (زبردستی) حائل ہو گئے
اور آپ کو اس ناخوش گوار امر پر چار وناچار صبر کرنا پڑا اور
جس امر کو [illegible] پسند کرتے تھے اس پر بادل نخواستہ
آمادہ ہونا پڑا، لیکن ان کے باوجود اسلام اور مفاد عامہ
کی خاطر نہایت ہی خلوص سے ماسبق خلفاء کو نیک صلاح و
مشورے (استشارہ کے موقع پر) دیتے رہے یہاں تک
کہ تیسرے خلیفہ کے عہد میں ایک فتنہ کھڑا ہو گیا اور وہ
قتل ہو گئے، اور لوگوں نے آپ کی خلافت پر بیعت
کر کے امر حکومت آپ کے سپرد کر دیا، لیکن بہت جلد
لوگوں نے عہد شکنی کر کے آپ کی بیعت کو توڑ دیا، اور
عائشہ وطلحہ وزبیر ومعاویہ وباغیان شام آپ سے
لڑنے کے لیے میدان جنگ میں آ گئے اور جمل وصفین
کی لڑائیاں آپ کو سر کرنی پڑیں، جنگ صفین کا انجام
جب تحکیم پر ہوا تو آپ کے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں
نے بغاوت کی اور آپ پر ان لوگوں نے خروج کیا، زندگی
کے آخری دور میں آپ کو ان خوارج سے سخت جنگ

(اجاد" (المجمل فی تاریخ الادب العربی ص۱۱۲ طبع مصر) کرنی پڑی جس میں ناکامیاب ہونا شرط تھا ہاں لیکن کامیاب ہونا بھی (لوگوں کے لیے) یوں سبب شر ہوا کہ اس عرصہ میں معاویہ اپنے مکر و فریب کے جال پھیلا چکا تھا اور اپنی طاقت کو مضبوط بنا چکا تھا کوفی معاویہ کے فریب میں مبتلا ہو گئے تھے جس کے نتیجہ میں یہ لوگ جنگ سے کنارہ کش ہونا چاہتے تھے اور اُن میں شدید اضمحلال اور انتشار رونما ہو چکا تھا، انھیں حالات میں ایک خارجی (عبد الرحمٰن ابن ملجم) نے دھوکے سے آپ کو (بحالت نماز) ۴۰ھ میں قتل کر دیا، اس بنا پر علیؑ کی زندگی کے مختلف دور پر اگر تم نظر کرو تو دیکھو گے کہ حیاتِ رسولؐ میں حضرت کی زندگی جہاد اور آئندہ امید سے بھری ہوئی تھی، اور خلفائے ثلاثہ کے دور میں حضرت کی زندگی مشیت و قضاء الٰہی کے سامنے تسلیم و رضا اور مفادِ عامہ کے لیے خلفا کے ساتھ نصیحت و صلاح نیک کے ساتھ پیش آنا تھی اور آخری دور زندگی کا جہاد کرنے حزن و غم اور سختیوں سے مقابلہ کرنے کا تھا مختصر یہ کہ پیغمبر کے زمانہ میں علیؑ شجاعت و شہامت سے پہچانے جاتے تھے۔ اور خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں علم، جودتِ رائے، و تدبیر و دانش میں آپ مشہور ہوئے، اور اپنی خلافت کے مختصر زمانہ میں طلاقت و بلاغت و خطابت میں شہرت پذیر ہوئے حضرت کی زندگی میں ان مختلف حالات میں اجنبیت کو کوئی دخل نہیں ہے اس لیے کہ آپ کی ابتدائی ادوارِ حیات آپ کو اس آخری زندگی کے لیے مستعد کر رہی تھی جس میں آپ سلطانِ وقت تھے، اور جس زمانے میں آپ کے خداداد کمالات ظاہر ہوئے اور آپ کو ملکۂ خطابت کے ظاہر کرنے کا موقع ملا، بے شک آپ نے خوب خوب تقریریں فرمائیں۔

حضرت علیؑ اور رسول اللہؐ کے درمیان رابطۂ باہمی

حضرت محمدؐ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ رہتے تھے اور حضرت علیؑ کی ولادت کے بعد تین سال تک برابر اسی گھر میں رہے، علیؑ نے بعدِ ولادت اپنے چچا زاد بھائی حضرت محمدؐ ہی کی گود میں آنکھیں کھولیں تھیں حضرت محمدؐ اپنے اس بھائی سے بہت زیادہ مانوس تھے، جب علیؑ سوتے ہوتے تو یہ گہوارہ جنبانی کرتے اور جب وہ جاگتے رہتے تو ان کو اپنے سینہ سے لگائے رہتے تھے (حیات امیر المومنین ص۲۴ طبع بغداد اثبات الوصیۃ مورخ مسعودی ص119 طبع عراق) جب حضرت پیغمبر کا عقد جناب خدیجہ سے ہو گیا اور آپ اپنی زوجہ کے ساتھ دوسرے مکان میں منتقل ہو گئے تو آپ اس زمانہ میں بھی اپنے کمسن برادر ابن عم علیؑ کی نگہداشت میں ویسے ہی منہمک رہے جس طرح کہ آپ چچا کے مکان میں رہنے کے زمانے میں مشغول تھے بلکہ جوں جوں علیؑ بڑھتے تھے آپ کا انہماک اور زیادہ بڑھتا جاتا تھا، حالات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اس کا موقع ڈھونڈھ رہے تھے کہ اپنے کمسن بھائی کو ان کے والدین سے لے کر براہِ راست اپنی ہی سرپرستی میں لے لیں چنانچہ قدرت کی جانب سے اس کا موقع ملا، قریش سخت قحط میں مبتلا ہو گئے اور سیدِ رسولؐ نے اپنے کثیر العیال چچا سے اجازت لے کر علیؑ کو اپنی پرورش و نگرانی میں لے لیا۔ (تاریخ محمد بن جریر الطبری جلد دوم صفحہ ۵۷، ۵۸ طبع قاہرہ، سیرت ابن ہشام جلد اول صفحہ ۱۶۲ طبع مصر، تاریخ الکامل ابن اثیر جلد ۲ ص۲۲ طبع مصر)

مورخین کا بیان ہے۔

وکان مما انعم اللّٰہ علی علی ابن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ وارادہ کان فی حجر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قبل الاسلام (سیرت ابن ہشام ص۱۵۸ طبع مصر، تاریخ الطبری جزو ثانی ص۵۷ طبع مصر)

اور منجملہ اُن نعمتوں اور بزرگیوں کے جو خداوند عالم نے حضرت علی کو کرامت فرمائیں، یہ ہے کہ عہد اسلام یعنی بعثت پیغمبر سے پہلے ہی آپ کو رسولِ خدا نے گود لے لیا تھا۔"

مجاہد بن جبیر کہتے ہیں۔

کان من نعمة اللّٰہ علیٰ علی بن ابی طالب ومما صنع اللّٰہ لہ واراد بہ من الخیر ان قریشاً اصابتھم ازمة شدیدة (ابن ہشام صفحہ ۱۵۶ الطبری جلد ۲ ص۵۷)

قریش پر قحط کا پڑ جانا بھی علیؑ کے حق میں خدا نے بہتر کیا اور در اصل ان پر خدا کی یہ ایک نعمت تھی (جس کے سبب سے آپ رسولؐ اللہ کی آغوشِ تربیت میں آ گئے)

رسولؐ اللہ کے ہمراہ علیؑ کس طرح رہے اس کو خود علیؑ سے بہتر اور کون بیان کر سکتا ہے، ملاحظہ فرمائیے ارشاد ہوتا ہے۔

وقد علمتم موضعی من رسول اللّٰہ صلعم بالقرابة القریبة والمنزلة الخصیصة وضعنی فی حجرہ وانا ولید یضمنی الی صدرہ ویکنفنی فی فراشہ ویمسنی جسدہ ویشمنی عرفہ وکان یمضغ الشیٔ ثم یلقمنیہ وما وجد لی کذبة فی قول ولا خطلة فی فعل ولقد قرن اللّٰہ بہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ من لدن ان کان فطیما اعظم ملک من ملائکتہ یسلک بہ طریق المکارم ومحاسن اخلاق العالم لیلہ ونہارہ ولقد کنت اتبعہ اتباع الفصیل اثر امہ یرفع لی فی کل یوم من اخلاقہ علما ویامرنی بالاقتداء بہ ولقد کان یجاور فی کل سنة بحراء فاراہ ولا یراہ غیری ولم یجمع بیت واحد یومئذ فی الاسلام غیر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وخدیجة وانا

مجھے اپنی منزلت خاصّہ اور پیغمبر سے قرابت قریبہ کی وجہ سے بارگاہ رسالت میں جو علو و مرتبت و مقام بلند حاصل ہے اس سے تم اچھی طرح واقف ہو میں ابھی بچہ ہی تھا کہ رسولؐ اللہ نے مجھے گود لے لیا، مجھ کو حضرت اپنے سینے سے چمٹاتے اور فرش مبارک پر اپنے پہلو میں لٹاتے، اپنے جسم منور کو میرے جسم سے مس کرتے اور اپنی خوشبو مجھ کو سونگھاتے تھے، پہلے خود کسی چیز کو چباتے پھر میرے دہن میں دیدیتے تھے، حضرت نے میرے گفتار میں کوئی دروغ اور کردار میں کوئی فساد نہیں پایا، رسول اللہ کی دودھ بڑھائی کے وقت سے خداوند عالم نے اپنے فرشتوں میں سے ایک بزرگ فرشتے کو آپ کا ہم نشین و جلیس بنا دیا تھا، جس کے ساتھ آپ دن رات کل عالم کے اخلاق کریمہ و محاسن عظیمہ پر چلتے تھے، اور میں جملہ حالات میں رسولؐ اللہ کی پیروی اس طرح کرتا تھا جیسے

تا الشمها ادری نور الوحی والرسالة واشم ریح النبوة ولقد سمعت رنة الشیطان حین نزل الوحی علیه صلی الله علیه وآله فقلت یا رسول الله ما هذه الرنة؟ فقال هذا الشیطان ایس من عبادته انك تسمع ما اسمع وترى ما ارى الا انك لست بنبی ولکنک وزیر وانك لعلی خیر۔" (خطبة القاصعہ)

اونٹ کا بچہ اپنے ماں کی پیروی کرتا ہے، حضرت ہر روز اپنے پرچم اخلاق وعلم مکارم کو میرے لیے بلند فرماتے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے، ہر سال کوہ حرا میں آپ مقیم رہتے تھے اس حالت میں حضرت کو صرف میں ہی دیکھتا اور ملتا، کوئی دوسرا نہیں دیکھ سکتا تھا یہ وہ وقت تھا جب کہ کسی گھرانے کے لوگ حلقۂ اسلام میں داخل نہ تھے سوائے رسول اللہ اور حضرت خدیجہ کے اور میں ان دونوں کا تیسرا تھا) تنہا میں ہی نور رسالت و وحی کو دیکھتا تھا اور خوشبوئے نبوت کو سونگھتا تھا، جس وقت حضرت پر پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی۔ میں نے شیطان کی چیخ سنی، میں نے دریافت کیا یہ کیسی فریاد ہے؟ فرمایا یہ شیطان ہے جو اپنی عبادت کیے جانے سے مایوس ہو گیا ہے، اے علی بے شک یہ تمہارا ہی مرتبہ ہے کہ جو کچھ میں سنتا ہوں تم بھی وہی سنتے ہو اور جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم بھی وہی دیکھتے ہو، تم نبی تو نہیں ہو لیکن نبی کے مددگار اور وزیر ضرور ہو،

علیؑ نے اپنے اس بیان میں اس امر کو صاف کر دیا ہے کہ آپ بچپنے میں پیغمبر کے ساتھ کس عنوان سے رہے جب آپ بظاہر بچے تھے تو رسولؐ آپ کو اپنے سینے سے لگائے رہتے، اپنے پاس سلاتے اپنی خوشبو سونگھاتے، کچھ چبا کر آپ کے دہن میں دے دیتے حسین بن زید شہید بن علی بن الحسین الشہید بکربلا بتلاتے ہیں،

سمعت زید ابی علیه السلام یقول کان رسول الله صلعم یمضغ اللحمة والتمرة حتی تلین یجعلهما فی فم علی علیه السلام وهو صغیر فی حجره۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد سوم صـ۲۵۱ طبع مصر)

میں نے اپنے باپ زید شہید سے سنا کہ وہ فرماتے تھے، رسول اللہ گوشت و کھجور کو چباتے تھے جب وہ بالکل نرم ہو کر گھل جاتا تو اس کو علیؑ کے دہن میں دے دیا کرتے تھے۔ علیؑ اس زمانہ میں رسول اللہ کی گود میں بالکل کمسن بچے تھے،

علیؑ کے ساتھ پیغمبر کا طرز عمل ایسا تھا کہ جیسا ایک مہربان باپ اپنے محبوب فرزند کے ساتھ کرتا ہے، پیغمبر کا علیؑ کو اپنا بیٹا سمجھنا اتنا صاف و روشن تھا کہ دوسرے بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے، فضل بن عباس فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے پدر عباس عم رسولؐ سے دریافت کیا، رسول اللہ اپنے بیٹوں میں سب سے زیادہ کس کو چاہتے تھے۔ فرمایا۔

یقول، سالت ابی عن ولد رسول الله صلعم الذکور ایهم کان رسول الله له اشد

علی ابن ابی طالبؑ کو میں نے کہا، میرا سوال تو رسول کے بیٹوں کے بارے میں تھا، فرمایا رسول اللہ اپنے

شیئاً فقال علی ابن ابی طالب فقلت له سألتك عن بنیه فقال انه کان احب علیه من بنیه جمیعاً وارأف ما رأیناه زایله یوماً من الدهر منذ کان طفلاً الا ان یکون فی سفر لخدیجة وما رأیناه اباً ابر بابن منه لعلیؑ ولا ابناً اطوع لأب من علی له۔"

(شرح ابن ابی الحدید جلد سوم صفحہ ۲۵ طبع مصر)

سب بیٹوں سے زیادہ علیؑ کو دوست رکھتے تھے، انھیں پر سب سے زیادہ شفقت و مہربانی فرماتے تھے، میں نے آنحضرت کو کبھی نہیں دیکھا کہ علیؑ کی کمسنی میں اُن کی جدائی کو تھوڑی دیر کے لیے بھی گوارا فرمائیں، سوائے اس کے کہ خدیجہ کے کام سے جب آپ کہیں جاتے تھے میں نے کسی باپ کو بیٹے کے ساتھ اتنی شفقت پدری کرنے والا نہیں دیکھا جتنا کہ رسولؐ اللہ علیؑ کے ساتھ پدرانہ شفقت فرماتے تھے اور نہ کسی بیٹے کو باپ کا اتنا مطیع و فرماں بردار دیکھا جتنا کہ علیؑ فرزندانہ اطاعت فرمانبرداری رسولؐ اللہ کی کرتے تھے۔"

یہ بیان حقیقت ترجمان کسی معمولی شخص کا نہیں ہے، یہ عباس عم رسولؐ ہیں جو اپنے بیٹے فضل سے تبلاتے ہیں، اصحاب میں عباس سے بہتر رسولؐ کی نجی زندگی اور خانگی حالات سے کس کو واقفیت ہو سکتی ہے، ذرا صبر و سکون کے ساتھ سوال و جواب پر نظر کیجیے، رسولؐ کی اولاد کے متعلق سوال ہے، عباس جواب دیتے ہیں کہ رسول صلعم کی احب اولاد علیؑ تھے، حالانکہ علیؑ رسولؐ کے بیٹے نہ تھے، بلکہ ابن عم تھے، لیکن عباس علیؑ کو رسولؐ کے حقیقی فرزند کی حیثیت سے پیش کر رہے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ رسولؐ کے فرزندوں میں سب سے زیادہ رسولؐ کے چہیتے بیٹے علیؑ کو تبلاتے ہیں، یہی وہ منزلت ہے جو علیؑ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے اسی طرف علیؑ نے اپنے کلام میں اشارہ فرمایا ہے جس سے اُس زمانہ کی دنیا واقف تھی۔" وقد علمتم موضعی من رسول الله صلعم بالقرابة القریبة والمنزلة الخصیصة۔"

بے شک رسولؐ اللہ اپنی حقیقی اولاد سے بھی زیادہ علیؑ پر شفیق و مہربان تھے اور "علیؑ" سب سے زیادہ رسولؐ کے مطیع و فرماں بردار تھے۔

جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل القرشی صحابی رسولؐ کہتے ہیں :-

قال ابی مطعم بن عدی لنا ونحن صبیان بمکة الا ترون حب هذا الغلام یعنی علیاً لمحمد واتباعه له دون ابیه، واللات والعزی لوددت انه ابنی بفتیان بنی نوفل جمیعا۔

(ابن ابی الحدید جلد سوم صفحہ ۲۵۱، ۲۵۲ طبع مصر)

ہمارے باپ مطعم بن عدی مجھ سے اور ہمارے قبیلہ کے دوسرے لڑکوں سے کہنے لگے کیا تم لوگ اس لڑکے علیؑ کی محبت کو جو ان کو محمدؐ سے ہے اور جس طرح یہ محمدؐ کی پیروی بجائے اپنے باپ کے کرتے ہیں اس کو نہیں دیکھتے ہو قسم ہے لات و عزیٰ کی اپنا دل تو یہ چاہتا تھا کہ بجائے بنی نوفل کے تمام لڑکوں کے علیؑ میرے بیٹے ہوتے۔"

بے شک رسولؐ اللہ اپنی اولاد پر علیؑ کو ترجیح دیتے تھے تو علیؑ بھی اپنے والدین پر رسولؐ اللہ کو ترجیح دیتے

تھے یہ علی ابن ابی طالب کی رسولؐ کے ساتھ کمال اطاعت و پیروی کا مظاہرہ تھا جس کو دیکھ کر دوسروں کے دل میں ایک نفسیاتی کیفیت تمنا کی صورت میں پیدا ہوتی تھی، یہ تو بچپنے کے دور اول کے حالات ہیں لیکن علیؑ جب اس سن پر پہنچے جب کہ عام طور سے بچوں میں توانائی اور رشد کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں اس وقت کیسی پیروی کی اور رسولؐ اللہ نے کیسا نوازا، یہ تاریخ اسلام کے روشن واقعات ہیں جن سے تاریخ کا طالب علم واقف ہے، سفر و حضر میں اب علیؑ رسولؐ اللہ کے ساتھ ہی رہتے تھے جہاں رسولؐ ٹھہرتے علیؑ بھی قیام کرتے اور جہاں سے رسولؐ کوچ فرماتے علیؑ بھی روانہ ہوتے" اتباع الفصیل اثر امہ" جس طرح اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے ہوتا ہے، دن رات کسی وقت رسولؐ کا ساتھ نہیں چھوڑتے تھے۔ رسولؐ کے ادب و اخلاق کو آپ نے ابتدا ہی سے مطالعہ فرمایا اور آپ ہی محل اسرار و رموز نبوت ٹھہرے، علوم نبوت، تنزیل و تاویل اور معقول و منقول جمیع علوم و معارف کو پیغمبرؐ نے آپ ہی کو سپرد فرمایا اور یہ ارشاد کیا،

یا علیؑ ان اللہ امرنی ان اُدنیک و اُعلمک لتعی وانزلت هذه الآیة وتعیها اذن واعیة فانت اذن واعیة لعلمی (حلیۃ الاولیاء حافظ ابو نعیم جلد اول ص۶۷ طبع مصر، درمنثور جلال الدین سیوطی جلد ۶ ص۲۶۰ طبع مصر کفایۃ الطالب ص۴۸)

اے علیؑ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اپنے سے قریب رکھوں اور خزانۂ علم تم تک منتقل کر دوں، اسی پر یہ آیت نازل ہوئی "اسے یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں" اس وقت رسولؐ اللہ نے فرمایا اے علیؑ تو میرے علم کا یاد رکھنے والا کان ہے۔

نص قرآن سے علیؑ علم رسولؐ کے لئے "اذن واعیہ" ہیں جس کی گواہی خود پیغمبر دے رہے ہیں، رسول اللہ نے علیؑ کے ساتھ یہ سب کچھ از روئے محبت و اتفاق یا کسی احسان کے بدلے میں نہیں کیا تھا بلکہ خود خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا تھا جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے "ان اللہ امرنی" صرف یہی نہیں بلکہ حضرت کو اس پر مامور کیا گیا تھا کہ اپنا معین، وزیر فرزندان ابو طالب میں علیؑ ہی کو بنائیں، چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید اپنی شرح میں مشہور مورخین احمد بن یحییٰ البلاذری، اور ابو الفرج علی بن الحسین الاموی الاصفہانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کو اپنی سرپرستی میں لیتے وقت اپنے اعمام سے ارشاد فرمایا۔

اخترت من اختاره اللہ لی علیکم علیا (ابن ابی الحدید جلد اول ص۵ طبع مصر)

میں نے علیؑ کو صرف اپنی ذاتی پسند سے نہیں۔ خدا نے ان کو تم پر منتخب کیا ہے۔

خداوند عالم نے فرزندان ابو طالب میں سے علیؑ کو اپنے رسول صلعم کے لیے منتخب کیا تھا تاکہ بعد رسولؐ علیؑ علم رسولؐ و منصب تبلیغ کے وارث و جانشین ہو سکیں، اولاد ابو طالب میں سوائے علیؑ کے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو علم و حکمت، فصاحت و بلاغت، فہم و قضا اور دوسرے کمالات میں رسولؐ کا جانشین ہوتا، در اصل یہی بیج قدرت نے ان میں بوئی ایسی استعداد و صلاحیت تھی کہ آپ سراج نبوت سے استفاضہ فرماتے جیسا کہ خود ہی فرمایا

ہے، "انا من احمد کالضوء من الضوء" یہی وجہ ہے کہ علم و فضل، حکمت و عدل میں رسولؐ کے کمالات کا اصل کے مطابق آپ بالکل صحیح نمونہ تھے، اسی لیے رسول اللہ اپنے کمالات کا امین و محافظ علیؑ کو بناتے رہے، علیؑ نے نے ایک سائل کے جواب میں اپنے غزارت علم کا سبب یہ بتلایا ہے،

انی کنت اذا سألته انبانی واذا سکت ابتدانی۔
(صواعق محرقہ ابن حجر مکی صفحہ طبع مصر)

جب میں رسولؐ اللہ سے سوالات کرتا تو حضرت بتلاتے اور جب میں نہ دریافت کرتا اور خاموش ہو جاتا تو بغیر پوچھے خود سے مجھے بتلاتے۔

دراصل نبیؐ و علیؑ درس گاہ قدرت کے تعلیم یافتہ تھے جیسا کہ پیغمبرؐ نے خود فرمایا ہے "علمنی ربی فاحسن تادیبی" میرے پروردگار نے مجھے تعلیم دی اور بہترین تعلیم دی، علیؑ کو نبیؐ سے جدا نہیں سمجھا جا سکتا جس پر دلیل خود رسولؐ اللہ کا یہ فرمان ہے "انا و علی من نور واحد" جس کو فریقین کے محدثین نے بغیر کسی اختلاف کے نقل کیا ہے، علاوہ ازیں اگر مادی نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے تو علیؑ میں وہ تمام صلاحیتیں بہ کمال موجود تھیں جن سے اخذ علوم میں مدد لی جاتی ہے خود علیؑ اپنی اس صلاحیت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرماتے ہیں:۔

ان ربی وھب لی قلباً عقولاً ولساناً سؤولاً عه
(حلیۃ الاولیاء حافظ ابو نعیم جلد اول صفحہ ۶۸ طبع مصر)

میرے پروردگار نے مجھے وہ قلب عطا کیا ہے جو دریابندہ معقولات ہے اور وہ زبان دی ہے جو درک حقائق کے لیے (اپنے خدا سے) پے در پے سوالات کرتی ہے

اسی لیے تو علیؑ اس قدر نکتہ رس و مستعد تھے کہ آپ فرماتے ہیں علمنی رسول اللہ الف باب من العلم یفتح لی من کل باب الف باب" رسولؐ اللہ نے مجھے ہزار باب علوم کے بتلائے اور ہر باب سے ہزار ہزار باب کا انکشاف مجھ پر ہوا، مدینۃ العلم سے باب العلم تک کیوں کر علوم کا فیضان ہوتا رہا، اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے خود علیؑ نے اپنے ایک مخصوص صحابی سلیم بن قیس الہلالی سے ارشاد فرمایا ہے جس کو سلیم نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، حضرت فرماتے ہیں:۔

وکنت ادخل علی رسول اللہ صلعم کل یوم دخلۃ وکل لیل دخلۃ فیخلینی فیھا ادور معہ حیث دار وقد علم اصحاب رسول اللہ انہ لم یکن یصنع ذالک باحد غیری وربما کان ذالک فی منزلی

میں دن میں ایک مرتبہ اور ایک مرتبہ شب میں رسولؐ اللہ کے ساتھ تنہائی میں رہا کرتا تھا، کبھی رسولؐ سے جدا نہ ہوتا تھا، جدھر رسولؐ جاتے میں ساتھ ہی ساتھ جاتا تھا، اصحاب رسولؐ اس سے واقف تھے کہ حضرت کا یہ طریقہ و عمل صرف میرے ہی ساتھ مخصوص تھا، کسی

عه ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں "لساناً ناطقاً" بولتی ہوئی زبان اور ابو المؤید احمد اخطب خوارزمی نے کتاب المناقب میں "لساناً طلقاً" طلیق اللسان بھی روایت کیا ہے، سیط

فاذا دخلت علیها فی بعض منازله خلا لی
واقام نساءه فلم یبق غیری وغیره واذا
اتانی للخلوة فی بیتی لم یقم من عندنا فاطمه
ولا احد من ابنی اذا سألته اجابنی واذا
سکت او نفدت مسائلی ابتدانی فما نزلت
علیه آیه من القرآن الا اقرأنیها واملاها
علی فکتبتها بخطی ودعا الله ان یفهمنی ایاها
ویحفظنی فما نسیت آیة من کتاب الله منذ
حفظتها وعلمنی تاویلها فحفظته واملاه
علیّ فکتبته وما ترک شیئاً علمه الله من
حلال وحرام او امر ونهی او طاعة ومعصیة
کان او یکون الی یوم القیامة الا وقد علمنیه
وحفظته ولم انس منه حرفا واحدا ثم وضع
یده علی صدری ودعا الله ان یملأ قلبی
علما وفهما وفقها وحکما ونورا وان یعلمنی
فلا اجهل وان یحفظنی فلا انسی

(کتاب سلیم بن قیس الہلالی ص ۱۴۲ و ۱۴۳ طبع نجف)

دوسرے کے ساتھ حضرت کا یہ برتاؤ نہ تھا، تخلیہ ہمیشہ میرے ہی گھر میں ہوتا تھا اور اگر کبھی اس کا اتفاق ہوا کہ گھر میں ہوتا تو حضرت کی بیویاں اس جگہ سے اٹھا دی جاتی تھیں، صرف میں اور رسولؐ تنہا رہتے اور جب تخلیہ کے لیے رسولؐ میرے گھر میں تشریف فرما ہوتے تو رسولؐ کی بیٹی فاطمہؑ اور میرے فرزند نہ ہٹائے جاتے بلکہ موجود رہتے۔ تخلیہ میں رسولؐ اللہ سے سوالات کرتا اور حضرت جوابات دیتے، اور جب میں خاموش ہو جاتا یا میرے سوالات ختم ہو جاتے تو رسولؐ اللہ خود ہی اپنی توضیحی تقریر شروع کر دیتے، قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں جو حضرت پر نازل ہوئی ہو لیکن یہ کہ حضرت نے مجھ پر قرأت نہ کی ہو اور مجھ کو لکھوا نہ دیا ہو، میں خود اس کو اپنے قلم سے لکھتا تھا یہی نہیں بلکہ رسولؐ اللہ نے ان کو سمجھے رہنے اور یاد رہنے کی دعا بھی میرے حق میں فرمائی تھی، اس کی برکت سے قرآن مجھ کو بالکل حفظ ہو گیا تھا اور کبھی سہو و نسیان نہیں ہوا، اسی طرح تاویل قرآن (اصل مراد و حقیقی معنی) کا علم بھی رسولؐ اللہ نے میرے سپرد فرمایا اور یہ سب امانت نبوت میرے سینہ ہی میں محفوظ ہو گئیں صرف حافظہ ہی میں نہیں محفوظ کیا بلکہ حضرت نے مجھے لکھوایا اور میں نے لکھ لیا، غرض کہ خدا نے جو کچھ بھی اپنے رسولؐ کو بتلایا، تنزیل و تاویل، ناسخ و منسوخ، حلال و حرام، امر و نہی، اطاعت و معصیت اور جو حالات اب تک گزرے یا جو قیامت تک ہوں گے ان سب کا علم میرے سپرد کیا، اور میں نے سب کو محفوظ کر لیا ایک حرف بھی نہیں چھوڑا، پیغمبر نے میرے سینہ پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا بھی فرمائی کہ خدا میرے سینہ کو علم و فہم، فقہ و حکمت اور نور سے بھر دے اور کبھی مجھ پر جہل و نسیان نہ طاری ہو۔"

ان حالات میں کون ہے جو علیؑ کے علم کا اندازہ لگا سکتا ہے، ہاں خود پیغمبر کے ارشادات ہماری رہبری ضرور کرتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:-

(۱) انا مدینة العلم وعلی بابها فمن اراد العلم فلیأته من بابه۔

میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں پس جو شہر میں آنا چاہتا ہے وہ دروازہ سے آئے،

(صحیح ترمذی جلد ۲ ص ۳۱۴، استیعاب ابن عبد البر بر حاشیہ اصابہ جلد ۲ ص ۲۸، اسد الغابہ ابن اثیر الجزری

جلد ۳ ص۲۲، الریاض النضرہ جلد ۱ ص۱۹۱ و ذخائر العقبیٰ لمحب الطبری ص۷۷، الکفایۃ لمحمد بن یوسف الکنجی الشافعی ص۹۵، ۱۰۲، صواعق محرقہ ص۷۳ طبع مصر تقریباً ۱۴۱ اعلام محدثین اہل سنت نے اس کو نقل کیا ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عبقات الانوار حدیث مدینہ)

(۲) انا دار الحکمۃ و علی بابھا — میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں۔

(صحیح ترمذی جلد دوم ص۲۱۴، حلیۃ الاولیاء حافظ ابو نعیم جلد اول ص۶۴ طبع مصر مصابیح السنۃ امام بغوی جلد ۲ ص۲۷۵ صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص۷۳ طبع مصر اس حدیث کو بھی تقریباً ۶۰ اعلام محدثین اہل سنت نے نقل کیا ہے)

(۳) انا دار العلم و علی بابھا — میں علم کا گھر ہوں اور علیؑ اُس کے دروازہ ہیں

(مصابیح السنۃ امام بغوی و ذخائر العقبیٰ لمحب الطبری ص۷۷)

(۴) انا میزان العلم و علی کفتاہ — میں علم کا ترازو ہوں اور علیؑ اُس کے پلڑے ہیں

(فردوس الاخبار الدیلمی کشف الخفا العجلونی جلد ۱ ص۲۰۴)

(۵) انا میزان الحکمۃ و علی لسانہ — میں حکمت کا ترازو ہوں اور علیؑ اس کی لسان

(شرح دیوان امیر المومنین علامہ میبذی و الرسالۃ العقلیہ لامام الغزالی)

(۶) انا مدینۃ الفقہ و علی بابھا — میں شہر فقہ ہوں اور علیؑ اُس کے دروازہ

(تذکرہ خواص الامہ ابو المظفر سبط ابن الجوزی ص۲۹)

(۷) فی حدیث: فھو باب مدینۃ علمی — پس علیؑ میرے شہر علم کے دروازہ ہیں

(ینابیع المودۃ الشیخ سلیمان القندوزی ص۷۱، والمناقب ابن المغازلی والمناقب ابو المؤید الخوارزمی)

(۸) علی اخی و منی و انا من علی فھو باب علمی و وصیی — علی میرے بھائی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور وہی میرے شہر علم کے دروازہ اور میرے وصی ہیں

(۹) علی باب علمی و مبین لامتی ما ارسلت بہ من بعدی — علیؑ میرے علم کے باب ہیں اور جس امر کی رسالت میں نے کی ہے اس کی وضاحت میرے بعد کرنے والے ہیں۔

(کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۶ : القول الجلی فی فضائل علی السیوطی حدیث ۳۸)

(۱۰) قال لعلی انت باب علمی — اے علیؑ تم میرے علم کے دروازہ ہو

(اخرجہ الحافظ ابو نعیم فی الحلیۃ و الدیلمی فی الفردوس، والخوارزمی فی المناقب و الشہاب الدین فی توضیح الدلائل والقندوزی فی الینابیع المودۃ)

(۱۱) یا ام سلمہ اشھدی و اسمعی ھذا علی امیر المومنین و سید المسلمین و عیبۃ علمی (وعاء علمی) و بابی الذی اوتی منہ۔ — اے ام سلمہ سنو اور گواہ رہو یہ علی مومنین کے امیر، مسلمانوں کے سردار اور میرے علم کے ظروف وعا و ظرف ہیں اور میرے ایسے دروازہ ہیں جس کے ذریعہ مجھ تک پہنچا جاتا ہے

(اخرجہ ابونعیم فی الحلیہ، والخوارزمی فی المناقب، والرافعی فی التدوین، والکنجی فی المناقب، والحموی فی فرائد السمطین وحسام الدین فی المحلی، وشہاب الدین فی توضیح الدلائل، والشیخ محمد الحفنی فی شرح الجامع الصغیر)

علامہ مناوی "عیبۃ علمی" کی شرح میں لکھتے ہیں "عیبہ" کہتے ہیں اس ظرف کو جس میں انسان نفیس عمدہ چیزوں کو محفوظ رکھتا ہے۔

علی عیبۃ علمی ای مظنۃ استفصاحی وخاصتی وموضع سری ومعدن نفائسی والعیبۃ مایحرز الرجل فیہ نفائسہ قال ابن درید وھذا من کلامہ الموجز الذی لم یسبق ضرب المثل بہ فی ارادۃ اختصاصہ بامورہ الباطنۃ التی لا یطلع علیھا احد غیرہ وذالک غایۃ فی مدح علی وقد کانت ضمائر اعدائہ منطویۃ علی اعتقاد تعظیمہ

آنحضرت صلعم کی مراد یہ ہے کہ علیؑ میرے علم کے ظرف ہیں یعنی میری باتوں کو سمجھنے والے اور اس کو محفوظ رکھنے والے، محل راز، اور میرے نفائس وعلوم کے معدن ہیں ابن درید کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا یہ ایسا بلیغ کلام ہے کہ اس سے پہلے کسی نے بھی اس مطلب کو یوں نہیں ادا کیا جس میں آنحضرت یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ علیؑ آپ کے امور باطن کے ایسے رازدار ہیں کہ آپ کے سوا کوئی دوسرا اس پر مطلع نہیں ہے اور علیؑ کی یہ انتہائی مدح ہے جس کی وجہ سے دشمنوں کے دل بھی آپ کی عظمت کے مقر ہیں۔

(فیض القدیر للحافظ المناوی جلد ۴ ص ۳۰۶)

شیخ محمد الحفنی حاشیہ شرح العزیزی جلد ۲ ص ۴۱۵ پر لکھتے ہیں:-

حدیث العیبۃ ای وعاء علمی الحافظ لہ فانہ مدینۃ العلم ولذا کانت الصحابۃ تحتاج الیہ فی تلک المشکلات"

حدیث عیبہ سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت کے علم کے ظرف وحافظ ہیں کیونکہ آنحضرت شہر علم ہیں (اور آپ اس کے دروازہ) اسی بنا پر صحابہ مشکلات علوم میں حضرت علیؑ کے محتاج رہا کرتے تھے۔

(۱۲) اعلم امتی من بعدی علی بن ابی طالب

میری امت میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے میرے بعد علی بن ابی طالب ہیں۔

(منتخب کنز العمال ص ۳۳، مناقب خطب خوارزمی ص ۴۹)

(۱۳) علی بن ابی طالب اعلم الناس باللہ والناس

علی اعلم ناس ہیں خدا اور انسانوں کے متعلق

(منتخب کنز العمال ص ۳۳)

(۱۴) اقضاکم علی بن ابی طالب

علی بن ابی طالب تم میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے ہیں۔

(استیعاب جلد سوم ص ۳۵)

(۱۵) لیھنئک العلم ابوالحسن لقد شربت العلم شربا ونھلتہ نھلا۔

اے ابوالحسن تم کو علم گوارا ہو بے شک علوم ومعارف سے یوں سیراب ہوئے جو حق ہے سیراب ہونے کا

(حلیۃ الاولیا ابونعیم جلد اول ص ۶۵ طبع مصر، مناقب اخطب خوارزمی)

(۱۶) قسمت الحکمۃ عشرۃ اجزاء فاعطی علیؑ تسعۃ اجزاء والناس جزءً واحداً وعلی اعلمہم بالجزء الواحد منہم

علم و حکمت کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا، تو حصے تو سب کا سب علیؑ کو ملے اور تمام انسانوں کو صرف ایک حصہ لیکن اس میں سے بھی سب سے زیادہ علیؑ کو عطا ہوا۔

(منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۳ و حلیۃ الاولیاء جلد اول صفحہ ۶۵ طبع مصر)

علیؑ کی عظمت علمی کا اعتراف اُن کے زمانے والے بھی برابر کرتے رہے ہیں، عبداللہ بن مسعود رسولؐ اللہ کے مشہور صحابی جن کو مسلمانوں نے "مدینۃ العلم" کا لقب دیا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی جلد اول صفحہ ۱۵ حیدرآباد) وہ لکھتے ہیں:۔

ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف ما منہا حرف الا لہ ظہر و بطن وان علی بن ابی طالب عندہ علم الظاہر والباطن۔

قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے اور ہر حرف ظاہر و باطن پر مشتمل ہے اور صرف علیؑ ہی کی ذات ہے جو علم ظاہر و باطن سے واقف ہے۔

(حلیۃ الاولیاء حافظ ابو نعیم جلد اول صفحہ ۶۵ طبع مصر)

عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں:۔

واللہ لقد اعطی علی بن ابی طالب تسعۃ اعشار العلم وایم اللہ لقد شارکم فی العشر العاشر۔ (استیعاب جلد سوم صفحہ ۴۰)

علم کے دس حصے ہیں نو حصے تو علیؑ کو ملے اور دسواں حصہ ایسا ہے جس میں تمام مخلوق کو عطا ہوا لیکن اس دسویں حصے میں بھی علیؑ کو سب سے زیادہ ملا۔

عبداللہ بن عباس وہ بزرگ ہیں جو مسلمانوں میں "محیط العلم بین الصحابۃ" "حبر الامۃ" "ترجمان القرآن" کے القاب سے مشہور ہیں ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کا علم "علی" کے علم کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے فرمایا "کنسبۃ قطرۃ المطر الی البحر المحیط" جیسے بارش کا ایک قطرہ بے پناہ سمندر کے مقابلہ میں حقیر اور بے مایہ ہے ویسے ہی میرا علم علیؑ کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔

(ترجمہ علی بن ابی طالب احمد زکی صفوت صفحہ ۴۹ طبع مصر، ابن ابی الحدید جلد اول صفحہ — طبع مصر)

یہ علیؑ ہی ہیں جنھوں نے مشکلات علوم میں خلفاء کی مشکل کشائی فرمائی جس کی بنا پر خلیفۂ ثانی عمر کہا کرتے تھے "لولا علی لھلک عمر" اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا (ترجمہ علی بن ابی طالب احمد زکی صفوت صفحہ ۴۹ "تذکرہ خواص الامۃ سبط ابن الجوزی صفحہ ۸۵) کبھی یہ کہتے ہیں "لا ابقانی اللہ لمعضلۃ لیس لھا ابو الحسن" جس عقدۂ لاینحل کی گرہ کشائی کے لیے علیؑ نہ ہوں اس کے لیے خدا مجھے باقی نہ رکھے (ریاض النضرۃ محب الطبری جلد دوم صفحہ ۱۹۶، ۱۹۷، فیض القدیر شرح جامع الصغیر للحافظ الشیخ عبدالرؤف المناوی جلد ۳ صفحہ ۴۶)

اسی طرح خلیفۂ دوم نے حضرت کے متعلق یہ گواہی دی ہے۔

ھذا اعلم بنبینا و بکتاب نبینا

یہ علیؑ ہمارے رسولؐ اور قرآن کے سب سے زیادہ جاننے

زین الفتی فی شرح سورۃ ہل اتی لا محمد احمد بن محمد بن علی العاصمی) والے ہیں۔

معاویہ کا سا دشمن بھی اقرار کرتا ہے"

کان رسول اللہ یغرہ بالعلم غرا — رسول اللہ نے منور کیا علیؑ کو علم سے جو حق منور کرنے کا ہے

(صواعق محرقہ ابن حجر ص۱۰۷ طبع مصر، ذخائر العقبی لمحب الطبری ص۷۹)

جب حضرت علیؑ کی شہادت کی خبر معاویہ کو ملی تو اس کی زبان سے بے ساختہ نکل پڑا تھا" ذهب الفقه والعلم بموت ابن ابی طالب" علیؑ کی موت سے علم و فقہ کا خاتمہ ہو گیا۔ (استیعاب بن عبد البر جلد ۳ ص۴۵)

رسول اللہ کے دو معجزے

دراصل رسول اللہ کے دو باقی رہنے والے معجزے "علی" اور "قرآن" ہیں جو پیغمبر کی صداقت نبوت کے ثبوت ہیں، قرآن اپنی فصاحت و بلاغت و اعجاز کے اعتبار سے اس پر دلیل ہے کہ وہ وحی رب جلیل ہے اور علیؑ اپنے علم و فضل و عظمت و رحمت کردار اور متضاد محاسن اخلاق کے مظہر ہو کر اس کا ثبوت ہیں کہ یہ ہم نشین و جانشین پیغمبر ہیں۔ اسی لیے قرآن اور "علی" یہ دونوں ساتھ ہی ساتھ ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے، جیسا کہ خود پیغمبر کا ارشاد ہے۔

علی مع القرآن والقرآن مع علی لا یفترقان حتی یردا علی الحوض۔ — علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں۔

(صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص۱۲۴ طبع مصر)

ایک سنی عالم کی علیؑ کے متعلق گواہی

امیر المومنین علی بن ابی طالب کے کمال علم و فضل کا اقرار صرف شیعوں ہی کو نہیں ہے بلکہ اہل سنت اور غیر مسلم بھی کرتے ہیں چنانچہ مشہور عالم اہل سنت علامہ مصطفے ابک نجیب مصری "علی" کی محیر العقول شخصیت کے متعلق لکھتے ہیں:-

ماذا یقول القائل فی ھذا الامام؟ وکل وصاف منسوب الی العجز لتقصیرہ عن غایۃ مھما انتھی بہ العقول وکفی بشہادۃ صلی اللہ علیہ وسلم بانہ باب مدینۃ العلم دلیلا علی مکنون السر الذی فیہ فھو اوّل فی العلوم اول فی الشجاعۃ، اول فی السخاء، اول فی الحلم والصفح اول فی الفصاحۃ اول فی الزھد اول فی العبادۃ اول فی الدین بیروزالسیاسۃ اشد الناس رایاً و احصھم تدبیرا لولا تقاہ لکان ادھی العرب،

کہنے والا، اس امام کے متعلق آخر کیا کہے، ثنا و صفت بیان کرنے والا آپ کے کمال ثنا و صفت کو بیان کرنے سے عاجز و قاصر ہے رسول اللہ کا یہ ارشاد کہ آپ مدینہ علم کے در ہیں آپ کے کمال فضل و شرف کے لیے کافی ہے آپ ہی علوم میں سب سے اول، شجاعت میں سب سے اول، جود و سخا میں سب سے اول، حلم اور درگذر کرنے میں سب سے اول، فصاحت و بلاغت میں سب سے اول، زہد و ریاضت میں سب سے اول، بندگی و عبادت میں سب سے اول، تدبیر و سیاست میں سب سے اول، آپ کمال صحت و یقین کی وجہ سے

كانما افرغ من كل قلب فهو محبوب الى كل
نفس ظهر من حجاب العظمة بمعاليه فاستولى
الاضطراب على الاذهان ولما ادرك وذهب
الناس فيه مذاهب خرجت بهم عن حدود
العقل والشريعة، اهل الذمة تحبه والفلاسفة
تعظمه وملوك الروم تصوره في بيوتها
وبيعها ورؤساء الجيوش تكتب اسمه على
سيوفها كانما هو فال الحيوانية النصر والظفر

اپنی رائے و تدبیر پر قائم رہنے والے تھے، سب سے بہتر آپ کی فکر و تدبیر تھی، اگر خوفِ خدا اور پرہیزگاری کا خیال نہ ہوتا تو آپ عرب میں سب سے بڑے ڈپلومیٹ ہوتے، ہر قلب میں آپ کے لیے جگہ ہے اور ہر ایک آپ کو دوست رکھتا ہے، آپ حجابِ عظمت میں ایسی بزرگیوں کے ساتھ جلوہ نما ہوئے کہ بہت سے لوگ آپ کے متعلق حیرانی میں مبتلا ہو گئے اور حدودِ عقل و شریعت سے نکل کر آپ کو معبود سمجھنے لگے، اہلِ ذمہ (یہود و نصاریٰ) آپ کو دوست رکھتے ہیں، فلاسفہ آپ کی عظمت بزرگی کے سامنے سرنگوں ہیں، شاہانِ روم اپنے محلوں اور عبادت گاہوں میں آپ کی تصویر بناتے تھے، اور لشکر کے سردار آپ کے مبارک نام کو تلوار پر کندہ کراتے ہیں اور اس کو اپنے لیے خیر اور فتح و نصرت کا سبب سمجھتے ہیں۔ (حیاۃ الاسلام جزء اول ص۹۸ طبع مصر)

علیؑ کے متعلق ایک مستشرق کی گواہی

مستشرق شہیر گابریل انکیری (GABRIEL ENKIRI) اپنی قابلِ قدر کتاب شہسوارِ اسلام (LEGHEVALIER L'ISLAM) میں، جو فرانسیسی زبان میں امیر المومنینؑ کے حالات میں اس نے لکھی ہے، لکھتا ہے:-

"علیؑ کی بلند شخصیت میں دو صفتیں "علم و کمال" ایسی پائی جاتی ہیں کہ جن کا ایک مقام پر جمع ہونا سمجھ سے باہر ہے اور تاریخِ عالم میں سوائے علیؑ کے اور کوئی دوسری مثال نہیں ملتی، علیؑ ہی کی ذات ہے جو قہرمانِ جنگ، فاتح اور جنرل ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ایک زبردست عالم، فصیح ترین خطیب بھی تھی، کیا "رولنڈ" [1] ROLAND "بایارڈ" [2] BAYARD کے متعلق یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ تورات و انجیل کی تشریح و تفسیر کر سکتے ہیں اور بالائے منبر فصیح و بلیغ تقریر کر کے قانونِ مدنی (CIVIL PROCEDUR LAW) و قانونِ تعزیرات CRIMINA PROCEDUR LAW کے عقدوں کی گرہ کشائی کر سکتے ہیں، یا یہ ممکن ہے کہ مقدس تھامس ایکوئنی [3] SAINT THOMES D, AQUIN و مقدس جان کریسسٹوم [4] SAINT TEAM CHRISO STOME یا بشپ (اسقف) بوسویٹ [5] BISHOP BOSSUET میدانِ جنگ میں ایک جانباز سپاہی کی حیثیت سے شمشیر بکف دشمنوں پر حملہ کرتے اور ان کی صفوں کو خاک و خون میں ملاتے نظر آئیں یہ تو صرف علیؑ ہی کی ایک مثال ہے جس کو تاریخ ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔"

---

[1] ROLAND یورپ کا مشہور بہادر جو اپنی شجاعت و شمشیر زنی میں ضرب المثل ہے اور جس کی داستانِ شجاعت اور دلاوری کے قصے ایک مستقل کتاب میں محفوظ ہیں، رولنڈ کی مشہور تلوار کا نام "دورانڈن" تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ پتھر کی چٹان پر اپنی تلوار کی ضرب لگاتا تھا تو اس میں شگاف پڑ جاتا تھا۔ (بقیہ ۲ و ۳ و ۴ و ۵ صفحہ ۲۳ پر ملاحظہ کیجیے۔)

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ علیؑ اپنے ان صفات کے لحاظ سے پیغمبر اسلام کے ایک زندہ معجزہ تھے یہ شیعی رجحان وعقیدت کا مظاہرہ نہیں ہے بلکہ علمائے اہل سنت بھی یہی بتلاتے ہیں چنانچہ علامہ شیخ شہاب الدین احمد الاشبھی لکھتے ہیں،

"امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وکرم اللہ وجہہ اية من ايات اللہ ومعجزة من معجزات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومؤید بالتائید الالٰہی کاشف الکروب ومجلیھا ومثبت قواعد الاسلام ومرسیھا"

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ و کرم اللہ وجہہ ایک آیت ہیں آیات خدا میں سے اور معجزہ ہیں رسول اللہ کے معجزات میں سے آپ کے تائیدات الٰہی شامل حال تھی غم واندوہ کو آپ دور کرنے والے تھے، ستون اسلام کو آپ ہی نے محکم کیا اور آپ ہی کشتیٔ اسلام کے لنگر تھے۔" (مستطرف جلد اول ص ۱۹۱ طبع مصر)

اسی طرح علامہ کفوی شافعی اپنی کتاب طبقات میں لکھتے ہیں کہ "حضرت علیؑ نہایت حاضر جواب تھے اور فی البدیہہ خطبہ کہتے تھے اور آپ رسول اللہ کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھے بسبب تبحر کے علم میں اور بسبب اپنی شجاعت کے لڑائیوں میں۔

علیؑ نے رسول اللہ کی تحریک علمی کو آگے بڑھایا

در اصل پیغمبر اسلام کے بعد علیؑ ہی کی تنہا وہ ذات تھی جس نے رسول اللہ کی تحریک علمی کو آگے بڑھایا اور دنیا سے جہل و نادانی کو دور کیا آپ نے علوم و معارف سے فقط اٹھکر پردہ دیا، تحقیق و تنقید کے دروازوں کو کھولا، آپ ہی نے عقل کی رہبری کے ساتھ شریعت پر عمل پیرا ہونے کی تعلیم دی، آپ کے اقوال و خطبات و رسائل ہمارے اس بیان پر دلیل ہیں، آپ کی تقریروں و خطبوں سے عربوں میں علمی بیداری پیدا ہوئی، عربوں کی بول چال کو زندہ علمی زبان بنانے کا شرف آپ ہی کو حاصل ہے اور آپ ہی نے سب سے پہلے عربی علم نحو و قواعد زبان کی ایجاد کی اور اس کے اصول و قواعد کو اپنے مشہور شاگرد ابوالاسود دئلی

(بقیہ فٹ نوٹ) ۲ے BAYARD مشہور فرانسیسی جنگ جو سردار ۱۴۷۳ء میں پیدا ہوا، اس بہادر نے شارل ہشتم لوئی دوازدہم، فرانسوا اول کے زمانے کی جنگوں میں بڑے کارنمایاں کیے ہیں یہاں تک کہ اس کی شجاعت و حماست کی تعریف اس کے دشمن تک کرتے تھے، سبط!

۳ے مقدس تھامس ڈاکن، عیسائی مذہب کا ایک مشہور قدیس، مرتاض و عابد

۴ے مقدس جان کرسیوسٹوم، دنیائے عیسائیت کا مشہور زاہد تارک الدنیا عبادت گذار

۵ے اسقف بوسوئیٹ، فرانس کا مشہور و معروف بشپ (اسقف) اور کامیاب، مصنف و طلیق اللسان مقرر یہ شخص فصیح و بلیغ مذہبی تقریروں کے کرنے میں آپ اپنا نظیر ہے۔

البصری کو نہ صرف زبانی تعلیم دی بلکہ لکھوا بھی دیا اور اُس کے بعد اُن کو لسانی تحقیقات کے لیے مقرر فرما کر مستقل ایک کتاب لکھنے پر مامور فرمایا۔

(مراتب النحویین ابو الطیب اللغوی، محاضرات راغب اصفہانی، نزہۃ الالبا عبد الرحمٰن بن محمد الانباری، کتاب الاوائل ابو ہلال العسکری، اصابہ ابن حجر عسقلانی، ارشاد القاصد السنجاری، معجم الادباء یاقوت الحموی جلد ۱۴، تاریخ الخلفاء جلال الدین السیوطی، کتاب المزہر السیوطی، ترجمہ علی بن ابی طالب اتمد زکی صفوت، عبقریۃ الامام العقاد، وغیر ذالک)

عربی زبان کو علیؑ نے زندگی بخشی اور اس کو علمی مرتبہ دیا

ابو الاسود الدؤلی کو امیر المومنین سے بہت فیض پہنچا،

کان اعلم الناس بکلام العرب وزعموا یجیب فی کل لغۃ" (کتاب المزہر سیوطی جلد دوم ص۲ طبع مصر)

وہ ماہر لسانیات تھے اور تمام لوگوں میں کلام عرب کے سب سے بڑے عالم اور ہر لغت کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اس میں بات چیت کرتے تھے۔

قواعد عربیہ کی ایجاد سے علی بن ابی طالب نے عربوں اور اُن کی زبان کو حیات جاودانی بخشا، اس کا اقرار خود ابو الاسود کو بھی تھا جنھوں نے امیر المومنین سے یہ عرض کیا تھا،

احییتنا وبقیت فینا ھذہ اللغۃ" ہم عربوں کو آپ نے زندہ کر دیا اور ہماری زبان کو آپ نے بقائے دوام بخشا۔" (معجم الادباء یاقوت الحموی جلد چہاردہم ص۴۸ و ۴۹ طبع مصر و تاریخ الخلفاء سیوطی ص۱۸ طبع مصر)

حضرت نے زبان عرب میں نہ صرف بہت سے الفاظ و کلمات، تراکیب، محاورات و ضرب الامثال کا اضافہ فرمایا بلکہ غیر زبان کے الفاظ کو بھی عربی میں شامل کرنے کا عملی ثبوت دیا، ایک مرتبہ مشہور قاضی شریح سے حضرت نے کچھ دریافت فرمایا، قاضی نے صحیح جواب دیا، حضرت نے بجائے "اصبت" یا "جید" ارشاد فرمانے کے اسی کے ہم معنی رومی زبان کے لفظ کو استعمال فرمایا، "قالون" یعنی درست ہے (کتاب المزہر السیوطی جلد اول ص۱۳۴ طبع مصر، شفاء العلیل شہاب الدین الخفاجی ص۱۵ طبع مصر) اسی وجہ سے اہل لغت اس لفظ کو ذکر کرنے پر مجبور ہوئے (قاموس جلد رابع) ظاہر ہے کہ قاضی شریح بن حارث بن قیس الکندی الکوفی خالص عرب تھے اور ان کی زبان بھی عربی تھی ان سے گفتگو کرنے میں امیر المومنین کا غیر عربی رومی لفظ استعمال کرنا اس امر کو صاف ظاہر کر رہا ہے کہ حضرت کا رجحان غیر عرب الفاظ استعمال کرنے میں کیا تھا اور یہ رجحان حضرت کا کیوں نہ ہوتا جبکہ قرآن حکیم میں طور، ربانیون، صراط، قسطاس، فردوس، مشکاۃ، سجیل، تنور، سراب، وغیر ذالک کے سے غیر عربی الفاظ استعمال ہوئے ہیں،

علیؑ کی تحریک علمی اور اُس کے موانع

حضرت عربوں (مسلمانوں) کو ایک جاہل جنگ جو سپاہی نہیں بنانا چاہتے تھے بلکہ آپ کا مطمح نظر یہ تھا کہ وہ دولت دین کے

مالک ہونے کے ساتھ ہی ساتھ علم و حکمت کے بھی سرمایہ دار بنیں اور اپنی دولت دین و نور علم سے تمام دنیا کو مالا مال و منور کریں اور دنیا کو اخوت مساوات کا سبق پڑھائیں لیکن امیر المومنین نے جب زمانہ حکومت کو ہاتھوں میں لیا ہے اس وقت تعصب قومی و طبقات کا دور دورہ تھا اسلامی مساوات درواداری کو عربوں نے بھلا دیا تھا، الاستاذ الشیخ عبد اللہ العلائلی لکھتے ہیں:۔

ان نفس عمر الکبیرة لم تکن تفکر الا
بالتوسع فہو لم یعد الشعب للاستقرار و
انما اجتہد باعدادہ للحرب بسبیل نشر
المبدأ الاسلامی الجدید فی اکبر رقعة من
الارض وھذہ الخطة وان لم تکن افادت
العرب دولة واسعة الارجاء الا انہا
غیر متماسکة ایضا وسرعان ما انبعثت فیہا
العصبیة القبیلة والعصبیة الشعوبیة
وعانت الدولة اشد العناء فی رتق الفتوق
التی ارتفعت کل نشاط مثمر ولعل اکبر دلیل
علی عدم نضج التعالیم الاسلامیة فی نفوس
العرب انہم سمعوا بعنصریتہم فوق العناصر
حتی لکانہم ارستقراطیة علی الناس کافة
والاسلام لا یعرف ارستقراطیة الجماعة و
الجنس بل جانس بین الشعوب حین خلقہم
من ذکر وانثی وجعلہم شعوبا وقبائل لیتعارفوا
علی مثل خاصة ومبادی فضلی وتعالیم قویمة
لا تفاضل فیما دون اتباعہا ومن ھذا یظہر
ان عصبیة العربی کانت تعمل ضد اخیہ العربی
وضد اخیہ المسلم من سائر الشعوب مما
استتبعہ اعتزاز الشعوبی بقبیلة وما منسبہ
الیہا فی معترک ھذہ العصبیات القبیلة
والشعوبیة انحل الرباط الاسلامی الصمیم۔

نفس بزرگ عمر کو سوائے مملکت وسلطنت بڑھانے
اور کوئی فکر نہ تھی انھوں نے ملت عرب کو صرف
جنگ و پیکار کے لیے آمادہ کیا ان میں سلطنت کو باقی
رکھنے کی صلاحیت نہیں پیدا کی کہ وہ قانون جدید
اسلامی کو روئے مملکت میں رواج دیتے اگرچہ عربوں
کے قبضہ میں بہت بڑی سلطنت آئی لیکن اس کی بنیاد
مستحکم نہ تھی بہت جلد زوال و اضمحلال آگیا اور ان
عربوں میں جلد ہی تعصب قبیلگی، عربوں کو عجموں سے بہتر
برتر سمجھنا (عصبیت شعوبی (شعوبی وہ لوگ تھے جو عجموں کو
عربوں سے پست نہیں سمجھتے تھے بلکہ برتری دیتے تھے) کا دور
دورہ ہو گیا جس سے دولت اسلامی کو تباہی و بربادی سے
دوچار ہونا پڑا اور اس کی ترقی و عروج کا خاتمہ ہو گیا
اس امر کا بہترین ثبوت کہ عربوں کی دینی و مذہبی تربیت
پختہ نہ تھی یہ ہے کہ عرب اپنے کو تمام قوموں و نسلوں سے
افضل و برتر سمجھتے تھے یہاں تک کہ اپنے کو تمام لوگوں
پر پیدائشی حاکم ارستقراطی (ARISTO-CRAT
وہ جو اپنے کو پیدائشی مستحق حکومت سمجھے) سمجھتے تھے
حالانکہ اسلام پست و بلند اور طبقات کو جانتا ہی نہیں
اور نہ یہ اس کی تعلیمات ہیں بلکہ سب کو ایک ہی ماں باپ
کی اولاد سمجھتا ہے یہ قبائل یا خاندان اسلام کے نزدیک
صرف اس لیے ہیں کہ آپس میں پہچانے جائیں اور اخلاق و
آداب میں ایک دوسرے کے شریک و مددگار رہیں ہمیں
سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرب کا دوسرے قبیلہ کے

ہو اور عرب یا دوسرے غیر عرب اسلامی بھائی سے عصبیت کا مظاہرہ کرنا یہ شعوبی تحریک کو کامیاب بنانے میں معین ہوئی بالآخر اسی قبیلگی و شعوبی عصبیت نے اسلامی شیرازہ کو درہم و برہم کر دیا۔"

(تاریخ الحسین نقد و تحلیل لعلامہ عبد اللہ العلائلی ص۹۰ طبع بیروت)

حد یہ ہے کہ اس عصبیت کو مذہبی رنگ دے کر غیر عرب عجموں کو میراث سے بھی محروم کر دیا گیا تھا، امام مالک جو اہل سنت کے ائمہ اربعہ میں سے خالص عربی النسل تھے وہ لکھتے ہیں۔

عن الثقة عنده انه سمع سعيد بن المسيب
يقول ابى عمر بن الخطاب ان يورث احدا من
الاعاجم الا احد ولد فى العرب، قال مالك
وان جاءت امرأة حامل من ارض العدو فوضعته
فى ارض العرب فهو ولدها يرثها ان ماتت
وترثه ان مات (الموطا امام مالک جلد دوم ص۱۲)

راویان ثقہ سے روایت ہے کہ سعید بن مسیب یہ کہتے تھے
کہ عمر بن خطاب اس کے مخالف تھے کہ کوئی عجمی میراث پائے
سوائے اس حالت میں کہ وہ عرب میں پیدا ہوا ہو، (گویا
خلیفہ دوم کے نزدیک عربی المولد ہونے کی وجہ سے میراث
پانے کا مستحق ہوگا) اسی بنا پر امام مالک کا یہ فتویٰ ہے کہ اگر
کوئی عورت دشمن کی زمین سے حاملہ آوے اور سرزمین عرب
میں بچہ جنے تو یہ بچہ اس کی اولاد ہوگا اور یہ ماں و فرزند آپس میں ایک دوسرے کی میراث پاویں گے (مطلب یہ کہ اگر عرب میں ولادت نہ ہو تو میراث سے محروم)

اس عصبیت کے علاوہ ایک اور مشکل تھی جس سے علیؑ کو اپنے دورِ حکومت میں دوچار ہونا پڑا، وہ مشکل تقسیم اموال سے متعلق ہے۔

علامہ علائلی لکھتے ہیں:۔

ان عمر رأى "وخالفه عليٌّ" ان لا يجعل
من قاتل رسول الله كمن قاتل معه، فجعل
الامتياز بحسب السابقة فالذى قاتل يوم
بدر يفضل من فى فتوح العراق والشام ومن
هنا بدأت التفاوت الملموس فى الاعطيات
وتشكل فى طبقات ومراتب فطائفة تاخذ
عطاء كبيرا واخرى عطاء متوسطا والاكثرية
ياخذون عطاء ضئيلا، هذا التقسيم المالى
اوجد تمايزا كبيرا واقام المجتمع العربى على
قاعدة الطبقات بعد ان كانوا سواء فى نظر القانون
الشرعية، فقد اوجد ارستقراطية وشعبا دعاماً"

خلیفہ عمر کے طریق تقسیم اموال میں حضرت علیؑ کو اختلاف
تھا، حضرت عمر کا یہ خیال تھا (جس پر موصوف نے عمل بھی کیا)
کہ وہ مسلمان جو (حالت کفر میں) پیغمبر سے جنگ کر چکے ہیں ان کو
تقسیم مال میں وہ حصہ نہ ملنا چاہیے جو رسولؐ کے ہمراہ شریک
جہاد رہنے والوں کو ملے اس لیے خلیفۂ دوم نے اصحاب میں
امتیاز پیدا کیا مجاہدین بدر کو مجاہدین عراق و شام پر فضیلت
دی اس صورت سے مسلمانوں میں طبقات و مراتب رونما ہوئے
ایک گروہ کو بہت زیادہ ملتا تھا دوسرے کو اس سے کم اور
عامۃ الناس کو بہت کم، تقسیم اموال کا یہ طریقہ مسلمانوں میں
بہت بڑے امتیاز پیدا ہونے کا سبب ہوا اور عرب معاشرہ
طبقات میں تقسیم ہو گیا، اگرچہ قانون شریعت کے رو سے

سب برابر تھے اور طبقات و امتیازات کا اسلامی نظام میں وجود نہ تھا، لیکن اس طریق کار نے عربوں کی ارستقراطی (پیدائشی حاکم اشراف) طبقۂ متوسط اور عامہ میں تقسیم کر دیا۔" ظاہر ہے کہ یہ تقسیم محنت کش عوام پر ظلم و تشدد کی انتہا کر دیتا ہے، کچھ لوگ خداوند قوم ہو جاتے ہیں اور کچھ ان کے غلام و بندے ہے۔ (تاریخ الحسین نقد و تحلیل ص ۱۴۶ و ۱۴۷ طبع بیروت)

علی پست کو بلند کرنا چاہتے تھے اور ہر چھوٹا بڑا آپ کی نگاہوں میں یکساں تھا

اب علی کو اپنے عہد حکومت میں دو قسم کی جنگیں سر کرنی تھیں، ایک فرعونی طاقت و استبداد کو ختم کرنا جو اسلام کو دوسروں کی دولت و ممالک پر قبضہ کرنا اور احاطۂ فتوحات کو وسیع بنانے کا ذریعہ سمجھتا تھا، جو زعم استقراطیت میں ہر قریشی کو ادنی بالتصرف سمجھتا تھا اور عربوں کو تعیش و آسودگی کا حق دے کر موالی، و عجموں کو غلام بناتا تھا۔

ابو القاسم علی بن احمد العلوی الکوفی المتوفی ۳۵۲ھ اپنی کتاب الاستغاثہ میں لکھتے ہیں۔

فمیزھم عمر فاطلق تزویج قریش فی سائ العرب والعجم وتزویج العرب فی سائ العجم ومنع العرب من التزویج فی قریش ومنع العجم من التزویج فی العرب۔	عمر نے تزویج میں بھی امتیاز قائم کیا، قریش کو تو اس کا حق تھا کہ عرب و عجم جس سے چاہے تزویج کرے، لیکن غیر قریشی عرب قبیلہ قریش میں تزویج نہیں کر سکتا تھا اس کے علاوہ عرب و عجم جہاں چاہے تزویج کرے اور عجموں کو عرب سے تزویج کرنے کی اجازت نہ تھی۔ (الاستغاثہ ص ۵۶ طبع عراق)

علی اس پالیسی کے بالکل خلاف تھے آپ سے پوچھا گیا "ایجوز تزویج الموالی بالعربیات" کیا غیر عرب (موالی) کے ساتھ عربی عورت کا نکاح ہو سکتا ہے، فرمایا "فقال تتکافاء دماءکم ولا تتکافاء فروجکم" کیوں نہیں ہو سکتا اسلام ان کو زندگی و حیات کے حقوق تو دے اور معاشرت و ازدواج کے حقوق نہ بخشے۔ اس ذہنیت کا آخر یہ نتیجہ ہو گیا تھا کہ ایک موالی نے اعراب بنی سلیم کی لڑکی سے نکاح کیا تو ولی وقت نے زن و شو میں جدائی کرا دی تھی اور اس بیچارے کو سو دُرّے مارے گئے اور سر، ڈاڑھی، دونوں بھووں کے بال کو مونڈ دیا گیا۔ (اغانی جلد ۱۴ ص ۱۵۰ طبع مصر) حجاج نے بیچارے نبطیوں کے ساتھ یہ کیا تھا کہ ان کے ہاتھوں میں نشتر سے ذلت کے گودنے اور نشانات لگوا دیئے تھے (شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۱۳۳) حجاج جب واسط گیا تو نبطیوں کو خارج البلد کرا دیا تھا اور بصرہ کے ماتحت حاکم کو لکھا کہ ان لوگوں کو تم بھی شہر بدر کر دو حاکم نے تعمیل حکم کے بعد یہ لکھا کہ میں نے سوائے ان نبطیوں کے جو قاری قرآن اور تفقہ فی الدین رکھتے تھے سب کو نکال باہر کیا اس پر حجاج نے حاکم کو لکھا کہ جب میرا یہ حکم تجھ کو ملے تو طبیب کو بلوا کر اپنے جسم کی رگوں کا معائنہ کراؤ اگر اس میں نبطی رگ ہو تو کٹوا دے (محاضرات الادباء جلد اول ص ۲۱۰) حجاج کا حکم تھا کہ کوفہ میں سوائے عربی النسل کے کوئی موالی و غیر عرب نماز جماعت نہ پڑھائے (عقد الفرید جلد اول ص ۲۰۷) اور نہ کوئی موالی قاضی ہو سکتا تھا حالت یہ تھی کہ اگر کوئی عربی بازار سے سامان لا رہا ہے یا بوجھ لیے ہے اور راہ میں کوئی غیر عرب و موالی مل گیا

تو اس پر لاد دیا وہ مفت کی بیگاری سے انکار نہیں کر سکتا تھا اور نہ کہیں کوئی شنوائی تھی، اسی طرح اگر کوئی غیر عرب ، موالی سوار رہے تو عرب جو پیدل ہوتا اپنی توہین سمجھتا اور اس بیچارے کو اُتار دیتا (محاضرات الادباء جلد اول صفحہ ۲۲۰)

خلیفہ عباسی مامون رشید کا یہ بیان ہے کہ :-

ان عمر بن الخطاب کان یقول من کان جارہ نبطیاً واحتاج الی ثمنہ فلیبعہ (عیون الاخبار ابن قتیبہ)

حضرت عمر کا یہ قول تھا کہ اگر کسی عرب کے ہمسایہ میں کوئی نبطی رہتا ہو تو یہ عرب ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے اس آزاد نبطی کو بیچ کر اپنی حاجت کو پورا کر سکتا ہے۔

ایک مرتبہ بیت المقدس میں عبادہ بن صامت صحابی نے ایک نبطی سے کہا کہ اُن کے مرکب کو وہ پکڑے رہے، اُس نے انکار کیا اُس پر انھوں نے اُس کو اتنا مارا کہ اس بیچارے کا سر پھٹ گیا، خلیفہ دوم عمر بن خطاب اس زمانے میں وہیں موجود تھے اُس نے خلیفہ سے فریاد کی، زید بن ثابت نے خلیفہ سے کہا "اتقید عبدک من اخیک" کیا آپ غلام کا قصاص اپنے بھائی سے لیں گے، یہ سُن کر خلیفہ نے عبادہ بن صامت سے قصاص نہیں لیا (سنن البیہقی جلد ۸ صفحہ ۳۲ کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۳۰۳ بحوالہ جمع الجوامع سیوطی) یونہی ایک مسلمان نے ایک ذمی کو اتنا مارا کہ اُس کا سر شگافتہ ہوگیا، خلیفہ دوم کے سامنے اس کا مقدمہ آیا تو معاذ بن جبل نے فتویٰ دیا کہ ایسے مسلمان سے جس نے کسی ذمی کو زخمی کیا ہو قصاص لینا ناجائز ہے، وہ مسلمان بغیر سزا کے چھوڑ دیا گیا۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۳۰۴) اسی طرح ایک ذمی کو کسی مسلمان نے بے خطا مار ڈالا، خلیفہ دوم نے بغیر قصاص کے قاتل کو چھوڑ دیا، اس مرتبہ بھی زید بن ثابت نے یہی دلیل خلیفہ کے سامنے پیش کی تھی "اتقید عبدک من اخیک" غلام کا قصاص اپنے بھائی سے کیونکر لوگے (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۳۰۴) ایسا ہی ایک واقعہ شام میں پیش آیا کہ ایک ذمی کو مسلمان نے ناحق قتل کر دیا خلیفہ دوم تک اس کا مقدمہ آیا، ابو عبیدہ نے خلیفہ سے کہا "ارایت لو قتل عبداً لہ کنت قاتلہ بہ" کیا یہ مسلمان اگر اپنے غلام کو قتل کر ڈالتا تو اس کے عوض اس کو قتل کرتے یہ سُن کر عمر نے قاتل کو بغیر قصاص کے چھوڑ دیا (سنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۸ صفحہ ۳۲ کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۳۰۳)

ان واقعات سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ غیر عرب مسلمان اور اہل ذمہ کن بدترین حالات میں مبتلا تھے مقدس شہر "مکہ اور مدینہ" ارستقراطی ذہنیت کے لوگوں سے آباد تھا اور مملکت شام ان لوگوں کی حفاظت گاہ مصر و عراق اُن کی چراگاہ اور رمنا تھا، علیؑ کو انھیں لوگوں سے مقابلہ کرنا تھا اور یہی اصل سبب تھا جس کی بنا پر اشراف عرب و قریش علیؑ کی حکومت کو نہیں پسند کرتے تھے۔

مصر حاضر کا مشہور مورخ لکھتا ہے :-

فقد کان علی ابن ابی طالب لا یفضل شریفاً علی مشروف ولا عربیاً علی عجمی ولا

علی بن ابی طالب شریف کو غیر شریف پر اور عربی کو عجمی پر فوقیت نہیں دیتے تھے اور نہ رؤسا و امراء قبائل

یعما نع الرؤسا وامراء القبائل فکان ھذا اکد الاسباب فی تقاعد العرب عنہ۔

سے چاپلوسی کرتے تھے عربوں کا حضرت سے کنارہ کش ہو کر بیٹھ جانے کا یہی اصل سبب ہے۔

(ضحی الاسلام احمد امین جلد اول ص۲۳ طبع مصر وابن ابی الحدید جلد اول ص۱۸۰ طبع مصر)

ابو اسحاق مدائنی کی روایت ہے کہ دو عورتیں حضرت کی خدمت میں اپنا حق لینے آئیں جن میں سے ایک عورت عرب تھی اور دوسری موالی غیر عرب حضرت نے ان دونوں کو مساوی طریقہ سے دراہم و طعام دیا۔ یہ دیکھ کر زن عربیہ کہنے لگی میں عرب ہوں اور یہ عجمی غیر عرب، آپ نے دونوں کو برابر کر دیا، ارشاد فرمایا:-

انی واللہ لا اجد لبنی اسمٰعیل فی ھذا الفئ فضلا علی بنی اسحٰق۔

اس مال میں میرے نزدیک اولاد اسمٰعیل کو بنی اسحٰق پر فضل و شرف نہیں ہے، سب یکساں برابر برابر پائیں گے

(ابن ابی الحدید جلد اول ص۱۸۱ طبع مصر)

مورخ مدائنی روایت کرتا ہے:-

ان طائفۃ من اصحاب علی مشوا الیہ فقالوا یا امیر المومنین اعطھذہ الاموال وفضل ھؤلاء الاشراف من العرب وقریش علی الموالی والعجم واستمل من تخاف خلافہ من الناس فرارہ وانما قالوا لہ ذالک لما کان معاویہ یصنع بالمال، فقال لھم اتامرونی ان اطلب النصر بالجور لا واللہ لا افعل ماطلعت شمس ومالاح فی السماء نجم واللہ لوکان المال لی لواسیت بینھم فکیف وانما ھی اموالھم۔

بعض اصحاب نے حاضر ہو کر حضرت کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ آپ اموال کو تقسیم کرتے وقت اشراف و قریش کو (بہ مصلحت) موالی و عجمیوں پر فضیلت دیا کریں، اور انھیں زیادہ عطا فرمائیں اور اس طرح ان لوگوں کی دل جوئی فرمائیں تاکہ یہ خطرہ کہ یہ لوگ آپ سے خلاف ہو کر معاویہ سے نہ مل جائیں، جاتا رہے لوگوں نے یہ مشورہ اس لیے دیا تھا کہ معاویہ مساوات نہیں کرتا تھا جس کو جو چاہتا تھا دیا کرتا تھا" یہ سن کر حضرت نے ارشاد فرمایا، کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میں ظلم و جور سے کامیابی حاصل کروں، خدا کی قسم جب تک تارے آسمان پر چمکتے ہیں میں کبھی ایسا نہ کروں گا، بخدا اگر یہ میرا ذاتی مال ہوتا اس وقت بھی میں مساوات برتتا نہ کہ یہ خود انھیں لوگوں کا مال ہے۔ (ابن ابی الحدید جلد اول ص۱۸۲ طبع مصر)

حضرت قریش کو غیر قریش پر، عرب کو عجم پر، حتیٰ کہ اپنے عزیزوں کو بھی حق کے معاملہ میں کسی طریقہ پر ترجیح دینے کو تیار نہیں تھے، آپ طبقات و امتیازات اور غیر اسلامی نظام سرمایہ داری کو ختم کرنے کے لیے رسول اللہ کی سنت تقسیم بالسویہ پر برابر عامل رہے اسی لیے آپ قیصر و کسریٰ کی سنت کو زندہ کرنے والے امیر شام معاویہ بن ابوسفیان کا استیصال سب سے پہلا فرض سمجھتے تھے۔

علی دنیا سے جہل کو مٹانا چاہتے تھے

حضرت کی دوسری جنگ طاغوت جہل کے خلاف تھی جس کو مٹانے کے لیے رسول اللہ نے اقدام کیا اور جس کے

لیے قرآن دعوت دے رہا تھا پیغمبر کے بعد جہل کو مٹانے کے لیے اب تک حکومت نے کوئی مفید اقدام نہیں کیا تھا بلکہ شروع میں تصنیف و تالیف اور تدبر و تفکر و افہام و تفہیم کے خلاف عملی کارروائیاں کی گئیں تھیں اور علیؑ اس مخالف دور میں بھی جبکہ آپ ایک معمولی شہری کی حیثیت سے مدینہ میں رہتے تھے اشاعت علم میں مصروف رہے۔

رائٹ آنریبل سر سید امیر علیؒ لکھتے ہیں :۔

> جس زمانہ میں اسلام دور دراز ممالک میں پھیل رہا تھا علیؑ مدینہ میں عربوں کی ابھرتی ہوئی قوم کی دماغی قوت کو بڑھا رہے تھے، مدینہ کی جامع مسجد میں علیؑ اور اُن کا عم زاد بھائی و شاگرد عبداللہ بن عباس ہفتہ وار فلسفہ، منطق، فصاحت و بلاغت، حدیث و فقہ پر لکچر دیا کرتے تھے، یہ ابتدا تھی اس دماغی تحریک کی جس نے بعد میں بہت زور و شور کے ساتھ بغداد میں ظہور کیا (SPIRIT OF ISLAM PAGE 47)

علیؑ اپنے مقصد کی کامیابی کے لیے ایک جدید شہر چاہتے تھے

علیؑ کو تجربہ تھا کہ مقدس شہر کے باشندوں نے حضرت کی اس تحریک سے دلچسپی نہیں لی، اب جبکہ خلیفہ سوم کے بعد اس شہر میں بڑے بڑے سرمایہ دار و جاگیردار رہتے تھے وہ کیونکر علیؑ کی اس تحریک علمی میں حضرت کے معین و مددگار بن سکتے تھے اُن کے اور علیؑ کے نصب العین اور نظریہ میں بڑا فرق تھا، اس لیے علیؑ نے ایک ایسے شہر کو اپنا مرکز بنایا جہاں سے آپ بیک وقت ہر دو ڈیوٹی کو پورا کر سکتے تھے، تبلیغ فکر و دانش، اور تعلیم علم و فنون کے لیے بھی نوجوانوں کی ضرورت تھی اور دشمن سے حرب و ضرب کے لیے بھی، چنانچہ حضرت نے ایسے مقام کو تبلیغ فکر و دانش و تعلیم علوم و فنون کا مرکز اور اپنا معسکر (کنٹونمنٹ) قرار دیا جہاں کی اکثریت اقتصادی و معاشرتی حیثیت سے دکھی اور ستائی ہوئی ضرور تھی لیکن وہ سرزمین بابل و نینوی کی قدیم ترین تہذیب کا گہوارہ تھی جہاں بادشاہ عرب نعمان بن المنذر نے عربی ادبیات و اشعار کو سپرد زمین کرکے محفوظ کیا تھا (المزہر للسیوطی) جہاں ایرانی تہذیب و تمدن کے گہرے نشانات نمایاں تھے اور موالی و عجموں کی نوآبادیات تھیں جہاں کے لوگ مرقیونی، دیصانی، اور مانی کے فلسفہ و رجحانات سے آشنا تھے، جہاں صابئین، مزدکی، زنادقہ اور سمنیہ پائے جاتے تھے[1] جہاں مسیحی و یہودی دعات و مناد (مشنری)

---

[1] مرقیون MARCION دوسری صدی مسیحی کا ایک عیسائی عالم تھا جو اپنے ملحدانہ خیالات کی وجہ سے چرچ کی جانب سے کافر و مرتد بنا دیا گیا تھا۔ عیسائیت سے الگ ہونے کے بعد اس نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا تھا جو مسیحیت سے ملتا جلتا تھا اس نے عہد عتیق و جدید کی بعض کتابوں کو کتب آسمانی ہونے سے انکار کیا اور نور و ظلمت دو اصل متضاد کا اس حیثیت سے معتقد تھا کہ چونکہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے ضد ہیں اور بالاصالت آپس میں اجتماع و اتحاد

دورہ کرتے رہتے تھے اور جہاں عیسائیوں کے ادیار[1] وکنائس بکثرت تھے جن میں صحفِ انبیاء وحواریئن واساقفہ

م کا امکان نہیں ہے اس لیے ایک تیسری چیز جو نور سے پست اور ظلمت سے بالاتر ہے وہ ان دونوں کی آمیزش واختلاط کا باعث ہو کر وجود عالم کا سبب بنی اس طرح گویا ثنویت وتثلیث ان دونوں کو اس نے سمویا ہے اس کے علاوہ اور بھی نظریات ہیں اس کے پیرو مرقیونی کہلاتے ہیں اس فرقہ کے لوگ روم وشام ایران وعراق میں منتشر تھے (تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ملل والنحل الشہرستانی، التنبیہ والاشراف بحارالانوار)

ابن دیصان BARDASANE (۱۵۴ء — ۲۲۲ء) یہ شخص حکماء شام سے تھا ۱۷۹ء میں مسیحی ہو گیا اور عیسائیت کی حمایت کرتا رہا اور مرقیونی فرقہ کی رد کیا کرتا تھا لیکن بعد میں اُس نے خود ایک نیا مذہب ایجاد کیا جس کی وجہ سے چرچ نے اُس کے ارتداد وکفر کا فتویٰ دیا۔ ابن دیصان شاعر، نحوی اور مورخ تھا اور ثنویت کا عقیدہ رکھتا تھا اس کا خیال تھا کہ نور فاعل خیر باختیار ہے اور ظلمت فاعل شر باضطرار ہے، نیکی، خیر، نفع، خوشبو نور کی تخلیق ہیں اور قبح، شر، ضرر، عفونت کو ظلمت نے پیدا کیا ہے نور، حی، عالم، مدرک وقادر ہے اور حرکت وزندگی کا وہی باعث ہے اور ظلمت مردہ، جاہل وعاجز بے شعور وبے حرکت ہے قابل عمل وتمیز نہیں ہے ابن دیصان کے پیرو دیصانی کہلاتے ہیں اس عقیدے کے لوگ خراسان اور فرات کے نشیبی حصہ میں پائے جاتے تھے تیسری صدی ہجری میں بھی اس عقیدے کے لوگ عراق میں موجود تھے جن میں ابو شاکر دیصانی مشہور ہے (ملاحظہ ہو ملل والنحل شہرستانی کتاب التنبیہ والاشراف بحار الانوار جلد دوم)

مانی مذہب (MANI) ابن دیصان ومرقیونی عقائد کے باہمی ترکیب کا ایک نیا بہروپ ہے اس لیے مرقیون وابن دیصان کو بھی مانی مذہب کا پیشرو سمجھا جاتا ہے، مانی نے اپنے مذہب کو شاپور بن اردشیر کے زمانہ میں ظاہر کیا تھا یہ عہد حضرت عیسیٰ کے بعد کا ہے یہ شخص حضرت عیسیٰ کی نبوت کا قائل تھا اور ان کو کلمۃ اللہ وروح اللہ مانتا تھا لیکن حضرت موسیٰ کی نبوت سے انکار کرتا تھا آدم، شیث، نوح، ابراہیم کی نبوت کے ساتھ ہی ساتھ مہاتما بودھ کا بھی وہ قائل تھا، مسیح کے بعد پولس کو پیغمبر تسلیم کرتا تھا اور اس کا یقین رکھتا تھا کہ آخری نبی سرزمین عرب میں پیدا ہوگا (ملل والنحل الشہرستانی) کبھی کبھی ان مذاہب ثلثہ کے متبعین کو زندیق سے بھی خطاب کیا گیا ہے، اسی بناپر عبداللہ بن المقفع کو زندیق سمجھا گیا ہے کیونکہ اسی نے سب سے پہلے مذاہب ثلثہ کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا ہے (مروج الذہب المسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۰۴) زندیق مندرجہ ذیل چار معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) جس شخص نے علانیہ فسق وفجور کا ارتکاب کرکے دین وشریعت سے قولاً وعملاً بغاوت کیا اس پر زندیق کا اطلاق ہوا جیسے یزید وولید وامثالہما۔

(۲) متبعین دین مجوس خاص کر مانی مذہب والے جو بظاہر اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے تھے جیسے بشار، حماد وابن المقفع۔

(۳) متبعین دین مجوس خاص کر مانی عقیدے کے وہ لوگ جو ظاہر اسلام کو بھی نہیں ظاہر کرتے تھے۔

(۴) ملحدین جو کوئی دین ومذہب نہیں رکھتے چنانچہ ابو العلاء المعری نے اپنے رسالۃ الغفران میں یہ لکھا ہے کہ زندیق کا

کے نوشتہ جات محفوظ تھے اور ان صحیفوں و تحریروں کے پڑھنے والے دیرانی و راہب الٰہیات کے دقیق مسائل پر بحثیں کرتے

دہریے کو کہتے ہیں جو نبوت اور کتاب کو نہیں مانتا ایسے ہی سمنیہ فرقے کے عقائد بھی اس عہد میں اثر انداز تھے دراصل یہ ہندوستانی مذہب ہے بعضوں کا خیال ہے کہ شمن اس فرقے کے بانی کا نام ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ "بدھ" سومنات کا نام ہے، علامہ بیرونی لکھتے ہیں کہ یہ فرقہ برہمہ سے شدید بغض رکھتا تھا اور خراسان، فارس، عراق، موصل و حدود شام تک اس فرقے کے لوگ پائے جاتے تھے لیکن جب آذربیجان سے زردشت نے ظہور کیا اور زردشتی مذہب پھیلا تو سمنیہ مذہب ان مقامات سے زائل ہو گیا (ما للهند من مقولة البیرونی ص۱۰) فرقہ سمنیہ مثل ہندوؤں کے قدامت و تناسخ ارواح کا قائل ہے، قیامت کا عقیدہ نہیں رکھتا اور نظر و استدلال کا منکر ہے اس فرقہ کا خیال ہے کہ اشیائے عالم کی معرفت کا ذریعہ سوائے حواس خمسۂ ظاہری کے اور کچھ نہیں ہے، دوسری صدی ہجری میں بھی عراق میں اس فرقہ کے لوگ تھے چنانچہ بصرہ میں جریر بن عازم ازدی اس فرقہ کا مشہور شخص تھا (مفاتح العلوم الخوارزمی ص۲۵ طبع مصر) الفرق بین الفرق ص۲۴۶ اغانی جلد ۳ ص۲۴)

مزدکی، مزدک کی پیروی کرنے والے یہ شخص قباد پدر نوشیرواں کے زمانہ میں ایک نئے اشتراکی مذہب کا بانی ہوا، بہت سے خیالات و رجحانات مانی مذہب سے ملتے جلتے ہیں اس مذہب میں عورت اور مال پر تصرف کرنے کا سب کو یکساں حق حاصل ہے (ملل و النحل الشہرستانی)

صابی وہ لوگ ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ خالق عالم متصف بہ صفات کمال ہے لیکن ہم اس کا تقرب بغیر کسی واسطہ کے حاصل نہیں کر سکتے اور کواکب جو خدا کی طرف سے مدبّر عالم ہیں وہی واسطہ ہیں اس لیے یہ سیارگان ہفت گانہ کی پرستش کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے سے خدائے بزرگ کی قربت حاصل ہو ہر سیارہ کے لیے ایک مخصوص ہیکل بنا کر وہاں اس کی پرستش کرتے ہیں اس کے علاوہ اُن کے اور مقالات بھی ہیں۔

ؔ ادیارہ، دیر کی جمع ہے، مسیحی خانقاہیں CONVENT یہ خانقاہیں آبادی سے ہٹ کر ایسے مقامات پر بنائی جاتی تھیں جو آب و ہوا، اور محل وقوع کے اعتبار سے بہترین جگہ ہوتی تھی جس جگہ امراض کے امکانات کم ہوتے تھے جہاں باغات، چشمے، سبزہ زار، تفریح گاہ اور دل خوش کن مناظر ہوتے تھے یا پہاڑوں کی چوٹیوں، بلند ٹیلوں، یا وسیع سبزہ زار میدانوں میں ایسے مقامات پر جو خانقاہیں ہوتی تھیں وہ دیر کہلاتے تھے اور ان کے ساکن و آباد رکھنے والے راہب، دیّار یا دیرانی کہلاتے تھے اور وہ خانقاہیں جو شہروں میں ہوتی تھیں ان کو کنیسہ کہتے تھے جس کی جمع کنائس ہے یا بیعہ کہلاتے تھے، سرزمین عراق میں خصوصاً بین النہرین دجلہ و فرات کے دوآبہ اور اطراف میں وہ خانقاہیں جو دیر کہلاتی ہیں بہ کثرت تھیں، مسیحیت نے اپنے ابتدائی زمانہ سے عراق میں اپنا اثر جما لیا تھا، عیسائی سلطنت تھی، حیرہ (کوفہ کے متصل تقریباً وہی جگہ جواب نجف ہے ایک مشہور شہر اور دار السلطنت تھا) کے ملوک و سلاطین، وزراء و امراء اور شاہان فارس کے عمال یہ سب عیسائی تھے۔ حیرہ، مدائن انبار اور دوسرے شہروں میں عالی شان و آباد کنائس تھے۔ زیادہ تر یہ عیسائی نسطوری تھے، دیر ابن وضاح، دیر ابن براق دیر بنی مرینا، دیر السواء، دیر عبد المسیح عزہ، دیر عبد المسیح بن بقیلہ، جو دیر الجرعہ کے نام سے مشہور تھا، دیر الحریق × × ×

رہتے تھے اور تصنیف و تالیف سے ذوق رکھنے والے راہب تحریر و تصنیف میں مصروف رہتے تھے اور اس کے لیے سامان نوشت اور ادوات کتابت فراہم رہتا تھا جہاں مزار انبیاء (ذوالکفل یونس، صالح، ہود) کی زیارت کے لیے دور دراز سے یہود و نصاریٰ زائر و سیاح کی حیثیت سے جوق جوق آتے رہتے تھے اور جس سرزمین پر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ نے آکر قیام فرمایا تھا اور اس زمین کو حضرت ابراہیمؑ نے خرید فرما کر یہ ارشاد فرمایا تھا "انہ یحشر من ولدہ من ذالک الموضع سبعون الف شہید" جس کی بنا پر یہود اس ارض مقدس میں اپنے مردوں کو لاکر دفن کیا کرتے تھے (معجم البلدان جلد دوم صفحہ طبع مصر) جہاں ہند و چین کے سیاح خراسان و ترکستان اور سمندری راستوں سے آیا جایا کرتے تھے۔ امیر المومنینؑ نے اس خصوصیت کی بنا پر عراق کو منتخب فرمایا اور کوفہ کو اپنا دار السلطنت بنایا، الاستاد عباس محمود العقاد المصری لکھتے ہیں :-

انہ رضی اللہ عنہ کان اول من خرج بالعاصمة من المدینة الی ارض غیر ارض الحجاز وھو حجازی سبیل الحجاز بین و قد اختار الکوفة فکانت أوفق عاصمة للامامة العالمیة فی تلک المرحلة من مراحل الدولة الاسلامیة لانھا کانت ملتقی الشعوب من

حضرت علیؑ ہی سب سے پہلے وہ خلیفہ ہیں جنہوں نے مدینہ سے مرکز حکومت کو ہٹا کر غیر ارض حجاز کی طرف منتقل کیا حالانکہ حضرت خود حجازی اور آپ کے آباؤ اجداد بھی حجازی تھے، آپ نے کوفہ کو اپنا دار الحکومت بنایا اور اس عہد کے زمانہ میں کوفہ مناسب ترین مقام تھا جس کو مرکز حکومت بنایا جاتا، کوفہ مختلف اقوام و ملل کے ملنے کی جگہ تھی اور بین الملی تجارت کی منڈی تھی جہاں ہندوستان و فارس

٭٭٭ دیر حنظلہ، دیر منّہ، دیر اللج، دیر قاشیان، دیر مرکوق، دیر ہند الصغری، دیر ہند الکبری، یہ سب حیرہ و کوفہ کے اطراف و جوانب میں تھے۔ دیر الاعور، دیر الجماجم، خاص کوفہ میں تھے، دیر مارت مریم، دیر الاسکون، نجف میں تھے، یہ دیر بہت اعلیٰ پیمانہ پر تھا، جہاں ہر آنے جانے والوں کے لیے قیام و طعام کا بھی انتظام رہتا تھا، نعمان بن المنذر جو مسیحی عقیدہ کا بادشاہ حیرہ تھا اس کا یہ دستور تھا کہ عید کے موقع پر معہ اپنے خاندان و خدم و حشم کے شاہانہ جلوس کے ساتھ نکلتا تھا، سب کے ہاتھوں میں صلیبی جھنڈے ہوتے تھے اور بعد عبادت نجف کی بلندی پر مجتمع ہوتے تھے، مذکورہ بالا ادیار کے علاوہ دجلہ کے کنارے بھی بہ کثرت دیر تھے، دیر باشہرا، دیر السوسی، دیر الطواویس، دیر العاقول، یہ دیر مدائن کسریٰ کے قریب تھا دیر میمونکا، راہب تھا جس کا تذکرہ بضمن حالات امام حسن عسکری علیہ السلام ہوتا ہے، دیر عبدون، دیر الخوذادی، اس میں کنواری راہبات رہتی تھیں۔ دیر العلث، دیر عمر نصر، دیر قیتوان، دیر القادسیہ، دیر مامرزج جبیس، دیر ماجرجیس، دیر حرمانی وغیر ذالک۔ (ملاحظہ ہو کتاب الدیارات ابو الحسن علی بن محمد الشابشتی و کتاب الدیارات النصرانیہ فی الاسلام تالیف حبیب زیارت مطبوعہ کیتھولک پریس بیروت، مسالک الابصار لابن فضل اللہ العمری)

جمیع الاجناس وکانت مثابة التجارة بین الھند وفارس والیمن والعراق والشام وکانت العاصمة الثقافیة التی ترعرعت فیہا مدارس الکتابة واللغة والقراءات والانساب والافانین الشعریة والروایات، فہی الیق العواصم فی ذالک العصر بحکومة امام۔

یمن، عراق، شام کے بیوپاری خرید و فروخت کے لیے آتے جاتے رہتے تھے بلکہ وہ ایک علمی مرکز بھی تھا جہاں کتابت لغت، قرأت، انساب، فنون شعر و روایات کے مدارس مکاتب کا نشو و نما ہوئی۔ درحقیقت امام علیہ السلام کی حکومت کے لیے کوفہ ایک مناسب ترین مقام تھا۔

(عبقریة الامام صفحہ ۱۶۱ طبع مصر)

علیؑ نے کوفہ کو دارالعلم بنایا

اب امیرالمومنینؑ کوفہ کی مسجد اعظم میں ہزاروں اصحاب کے سامنے جن میں صرف عرب ہی نہیں بلکہ غیر عرب موالی و عجم، قبطی سب ہی ہوتے تھے، روزانہ مختلف عنادین، الہیات، طبیعات، اخلاق و سیاسیات، تمدن و معاشرت، فنون جنگ و نظام عسکری پر برابر تقریریں فرماتے رہتے تھے اور اپنے اُن عمال کو جو مرکز سے دور تھے مکتوبات کے ذریعہ ان مضامین کی تعلیم دیتے تھے، گویا اس طرح دنیا کو فکر و نظر، علوم و ادب کی طرف آمادہ کرتے تھے، تاریخ پر نظر رکھنے والے اصحاب جانتے ہیں کہ علیؑ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور کوفہ دنیائے اسلام کا ایک مشہور علمی مرکز بن گیا۔ یہاں سے اسلامی علوم و فنون، عربی لسانیات و ادبیات، کیمیا و ہیئت کے چشمے پھوٹے صرف یہی نہیں بلکہ دارالعلم کوفہ سے نکلے ہوئے حضرت کے شاگرد (جیسے ابوالاسود الدئلی البصری) جہاں گئے اس جگہ کو بھی علمی گہوارہ بنانے میں کامیاب ہوئے چنانچہ کوفہ کے بعد بصرہ علمی مرکز بنا، یہ کوفان (یعنی کوفہ و بصرہ) ہی وہ مقامات ہیں جو عربی لسانیات و ادب کی دو مشہور درسگاہ ہیں۔

علامہ جلال الدین السیوطی لکھتے ہیں:۔

والذی نقل اللغة واللسان العربی عن ہولاء واثبتہا فی الکتاب فصیرعلما وصناعة ہم اہل البصرة والکوفة فقط من امصار العرب۔

تمام اہل عرب میں صرف اہل کوفہ و بصرہ ہی ہیں جنہوں نے قریش سے لغت و زبان عربی کو نقل کیا اور کتابوں میں محفوظ کرکے اس کو علمی و ادبی حیثیت دی۔

(کتاب المزھر جلد اول صفحہ ۱۰۵ طبع مصر)

پھر لکھتے ہیں:۔

جملة ان العلم انتہی الی من ذکرنا من اہل المصرین الکوفة والبصرة علی الترتیب الذی بیناہ وھولاء اصحاب الکتب والمرجوع الیہم فی العربیة ولاعالم فی العرب الا فی ہاتین المدینتین الکوفة

مختصر یہ کہ علم انھیں دو شہروں میں منتہی ہوا پہلے کوفہ میں اس کے بعد بصرہ میں، اور تمام عرب میں یہی لوگ صاحب تصنیف و تالیف ہوئے اور علوم و فنون میں انھیں کی طرف رجوع کی جاتی ہے سوائے ان دونوں شہر کوفہ و بصرہ کے عرب کے کسی شہر میں علم نہ تھا، شہر مدینہ میں لغت کا ماہر میرے علم میں کوئی

والبصرہ فاما مدینۃ الرسول فلا نعلم بھا اماما فی اللغۃ" واما مکہ فکان بھا رجل من الموالی انشئ شیئاً من النحو وضع کتاب لایساوی شیئاً"

نہیں، مکہ میں ایک غیر عرب تھا جس نے نحو میں ایک کتاب لکھی جس کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔

(کتاب المزہر الجزء الثانی ص۲۱۱)

یہی کوفہ ہے جہاں سے اسلامی فقہ (قانون) کی اشاعت ہوئی، یہیں سب سے پہلے فقہاء متکلمین فلاسفہ پیدا ہوئے اور انھیں دونوں مقام پر اسلامی مفکرین کی نشو و نما ہوئی جنہوں نے فلسفہ طبیعیات، الٰہیات، کیمیا و ہیئت کے مسائل پر روشنی ڈال کر تمام دنیائے اسلام کے بڑے بڑے شہروں میں علوم و فنون کو پہنچایا اور مدارس تعلیم گاہوں کا رواج ہوا جہاں ظلمت کدۂ یورپ کے تشنگان علوم سیراب ہونے کے لیے آتے تھے: علامہ ابن ابی الحدید مدائنی نے اس کی وضاحت کی ہے کہ اولین مفکرین اسلام جنھوں نے الٰہیات کے علوم پر بحث و نظر کی ہے اور توحید و عدل، جبر، اختیار، قضا و قدر کے مسائل حل کیے ہیں وہ اس علم میں علی ابن ابی طالبؑ ہی کے شاگرد تھے، اسی طرح فقہائے اسلام اور ائمہ اربعہ ابو حنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل، مالک بن انس ان سب کے معلم اول بھی جن سے علم فقہ ان تک پہونچا، علی ابن ابی طالب ہیں، ائمہ مفسرین بھی انہی کے شاگرد ہیں، نہ صرف علوم شریعت ہی کے استاد امیر المومنینؑ ہیں بلکہ علم تصوف طریقت و حقیقت کا سلسلہ بھی علیؑ ہی پر جاکر ختم ہوتا ہے جس کا اقرار، شبلی، جنید، سری سقطی، ابو یزید بسطامی، معروف کرخی کو ہے یونہی علوم عربیہ قواعد زبان کے استاد اول حضرت علیؑ ہیں۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد اول القول فی عقیدہ ص طبع مصر)

علیؑ ہر وقت اور ہر حالت میں تعلیم و ہدایت کے لیے متوجہ رہتے تھے

امیر المومنین علیؑ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ تعلیم علوم و ارشاد و ہدایت کے لیے ہر وقت اور ہر حالت میں آمادہ رہتے تھے، صرف یہی نہیں تھا کہ جب آپ مسجد کوفہ کے منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے مشغول رشد و ہدایت ہوں یا اس کے لیے کوئی وقت ہی مخصوص ہو، منبر تعلیم و ہدایت کے لیے مخصوص تھا، حضرت اس کے علاوہ بھی روز و شب، سفر و حضر ہر موقع پر تشنگان علوم و معرفت کو سیراب فرماتے رہتے تھے، انتہا یہ کہ جنگ جمل کے موقع پر جبکہ میدان کارزار گرم تھا کشتوں پر کشتے گر رہے تھے اور شیر بیشۂ شجاعت علی ابن ابی طالب بہ حالت غیظ و غضب تلوار کو نیام سے باہر نکالے ہوئے دشمنوں کے سامنے کھڑے ہوئے تھے کہ دفعتاً ایک اعرابی حضرت کے قریب آیا اور اس نے پوچھا "یا امیر المومنین اتقول ان اللہ واحد" اے امیر المومنین ذرا بتلائیے تو آپ خدا کو ایک کہتے ہیں، یہ ایک کا اطلاق اس پر کیونکر ہے؟

اعرابی کی اس جسارت کو دیکھ کر مجاہدین اسلام اس پر بپھر پڑے اور کہنے لگے "یا اعرابی اما تری ما فیہ امیر المومنین من تقسیم القلب" اے اعرابی کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ امیر المومنین اس وقت حالت جنگ میں ہیں، سکون خاطر کہاں نصیب ہے کہ تجھے جواب دیں، یہ دیکھ کر حضرتؑ نے اپنے فوجیوں سے فرمایا "دعوہ

فان الذی یریدہ الاعرابی ھو الذی نریدہ من القوم" دور ہٹو! اس کو چھوڑ دو! اس اعرابی کا
وہی مقصد ہے جس مقصد کے لیے ہم اس وقت دشمنوں سے جنگ کر رہے ہیں، حضرت کا مطلب یہ تھا
کہ تعلیم علوم و معرفت ہمارا اصل مقصد ہے اور یہ لوگ جو ہم سے برسرپیکار ہیں وہ ہمارے اصل غایت و
غرض کو پورا نہیں ہونے دینا چاہتے اسی لیے یہ لوگ بغاوت کر کے جنگ کر رہے ہیں اور تعلیم و تلقین ہم پر
ہر حالت میں لازم ہے اس لیے اس اعرابی کے سوال کا جواب دینا اور اس کو مطمئن کرنا ہم پر فرض ہے اس
کے بعد اعرابی کی طرف متوجہ ہو کر حضرت نے ارشاد فرمایا،

قال یا اعرابی ان القول فی ان اللہ واحد
علی اربعۃ اقسام فوجھان منھا لا یجوز علی
اللہ عزّ وجل ووجھان یثبتان فیہ فاما
اللذان لا یجوزان علیہ فقول القائل واحد
یقصد بہ باب الاعداد فھذا ما لا یجوز لان
ما لا ثانی لہ لا یدخل فی باب الاعداد اما تری
انہ کفر من قال ثالث ثلثۃ وقول القائل ھو
واحد من الناس یرید بہ النوع من الجنس
فھذا ما لا یجوز علیہ لانہ تشبیہ وجلّ
ربنا عن ذالک وتعالٰی اما الوجھان اللذان
یثبتان فیہ فقول القائل ھو واحد لیس لہ
فی الاشیاء شبہ کذالک ربنا وقول القائل
انہ عزّ وجلّ احدی المعنی یعنی بہ انہ لا ینقسم
فی وجود ولا عقل ولا وھم کذالک ربنا
عزّ وجلّ۔

اے اعرابی یہ قول کہ خدا ایک ہے یہ چار معنوں میں
ہوسکتا ہے لیکن ان میں سے دو معنی خدا کے لیے درست
نہیں ہیں اور دو معنی اس کے لیے درست و صحیح ہیں لیکن
وہ دو معنی جو خدا کے لیے درست اور جائز نہیں ہے پس
کہنے والا اگر ایک کہے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ وہ اعداد
(شمار) میں سے ایک ہے تو یہ خدا کے لیے جائز نہیں ہے
اس لیے کہ جس کا ثانی نہ ہو وہ اعداد میں سے نہیں ہوسکتا
کیا نہیں دیکھتے ہو کہ جس نے یہ کہا کہ خدا تین میں کا تیسرا
ہے، وہ کافر ہے اسی طرح سے اگر کوئی خدا کو ان معنوں
میں ایک کہے جیسے یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص آدمیوں میں
سے ایک ہے مطلب یہ ہے کہ ایک نوع ہے جنس میں
سے، ان معنوں میں بھی خدا کو ایک کہنا درست نہیں
کیونکہ اس سے تشبیہ لازم آوے گی اور ہمارا پروردگار
اس سے پاک ہے، یہ دو معنی تو ایسے ہیں جو خدا کے لیے
درست نہیں ہیں لیکن وہ دو معنی جس کی بنا پر خدا کو واحد
کہنا صحیح ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایسا یکتا ہے کہ اشیاء میں اس کے مشابہ کچھ نہیں، دوسرے معنی جو اس کے لیے درست
ہے وہ یہ ہے کہ وہ "احدی المعنی" ہے یعنی وہ وجود میں تقسیم نہیں ہوسکتا اور نہ عقل و وہم اس کا ادراک کر سکتی ہے
ہمارا رب ایسا ہی ہے جو خیال و قیاس و گمان و وہم سے برتر ہے اور اس کے وجود کو اس کی ذات سے الگ نہیں
کیا جا سکتا۔" (کتاب التوحید الشیخ ابو جعفر محمد بن بابویہ القمی المتوفی ۳۸۱ھ باب ثالث معنی الواحد والتوحید طبع ایران)
یہ ہیں الہیات کے دقیق مسائل جن کو میدان جنگ میں باب مدینۂ علم مختصر الفاظ میں عام فہم و آسان کر کے بیان
فرما رہے ہیں اور جس کو بڑے بڑے حکماء و فلاسفہ اپنے ضخیم مجلدات میں بھی نہیں صاف کر سکے ہیں۔

امیر المومنین اکثر الٰہیات کے مسائل کو مختصر اور جامع و مانع الفاظ میں اس طرح بیان کر دیتے ہیں کہ دریافت کرنے والا مطمئن ہو جایا کرتا تھا، علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ ایک یہودی نے حضرت سے دریافت کیا "متی کان ربنا" خدا کب سے ہے یہ سن کر حضرت کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور جواب میں ارشاد فرمایا،

قال، لم یکن مکان ولا کیفیۃ کان بلا کیف کان لیس لہ قبل ولا غایۃ انقطعت الغایات دونہ فھو غایۃ کل غایۃ" فاسلم الیہودی!

نہ تو مکان تھا اور نہ مکان میں ہونا اس کا وجود تغیرات و حوادث کا پابند نہیں وہ تھا مگر نہ اس طرح کہ اس سے پہلے کچھ تھا اور نہ اس طرح کہ اس کی کوئی انتہا ہے ہر انتہا کی وہ خود انتہا ہے، یہ سن کر وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔ (صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص۷۸ طبع مصر)

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ وقت اور اقتضاء محل و سامعین کے لحاظ سے مفصل و طولانی جواب بھی ارشاد فرماتے تھے چنانچہ حضرت ایک روز اپنے مکان میں تشریف رکھتے تھے نوف بن عبد اللہ حضرت کے صحابی نے آکر اطلاع دی کہ حضرت سے ملنے کے لیے چالیس یہودی حاضر ہوئے ہیں آپ نے حکم دیا بلا لو، اُن لوگوں نے آنے کے ساتھ ہی قبل اس کے کہ بیٹھیں حضرت سے یوں مستفسر ہوئے :-

یا علی صف لنا ربک ھذا الذی فی السماء کیف ھو؟ وکیف کان؟ ومتی کان؟ وعلی ای شئی ھو؟

یا علیؑ یہ جو آپ کا آسمان والا رب ہے، ذرا اس کی صفت تو بیان کیجئے، کیا ہے؟ کیسا تھا؟ کب تک رہے گا؟ کس چیز پر ہے؟

فاستوی علیؑ جالسا وقال معشر الیہود اسمعوا منی ولا تبالوا ان لا تسألوا احدًا غیری

یہ سن کر حضرت دوزانو بیٹھ گئے اور فرمایا اے گروہ یہود مجھ سے اس کا جواب سنیں لے گا تم نے میرے سوا کسی اور سے سوال نہیں کیا ہے جو جواب سے عاجز ہو، اچھا سنو!

حضرت اس کے بعد ایک طولانی تقریر فرماتے ہیں جس کا ابتدائی حصہ یہ ہے،

ان ربی عز وجل ھو الاول لم یبد مما، ولا ممازج مع ما، ولا حال وھما، ولا شبہ یتقصی، ولا محجوب فیحوی، ولا کان بعد ان لم یکن فیقال حادث، بل جل ان یکیف المکیف للاشیاء کیف کان بل لم یزل ولا یزول لاختلاف الازمان ولا تنقلب شان بعد شان، وکیف یوصف بالاشباح وکیف ینعت بالالسن الفصاح من لم یکن فی الاشیاء فیقال بائن ولم یبن عنھا فیقال کائن بل ھو بلا کیفیۃ وھو اقرب من حبل الورید وابعد من الشبہ من کل بعید لا یخفی علیہ من عبادہ شخوص لحظۃ ولا کرور لفظۃ ولا ازدلاف رقوۃ ولا انبساط خطوۃ فی غسق لیل داج ولا ادلاج لا یتغشی علیہ القمر المنیر ولا انبساط الشمس ذات النور بضوئھا فی الکرور ولا اقبال لیل مقبل ولا ادبار نہار مدبر الا وھو محیط بما یرید

من تکوینه فهو العالم بکل مکان وکل حین وکل اوان وکل نهایة ومدة والامد الی الخلق مضروب والحد الی غیره منسوب لم یخلق الاشیاء من اصول ازلیة ولا باوائل کانت قبله بدیة ...." الی اخر الخطبة (یہ خطبہ بہت طولانی ہے)

غالباً جناب سید رضی اس خطبہ پر نہیں مطلع ہو سکے اس لیے نہج البلاغہ میں نہیں درج فرمایا، البتہ حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ نے اس طولانی خطبہ کو بہ تمام وکمال مع سلسلۂ اسناد وذکر رواۃ کے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں نقل فرمایا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء جلد اول صفحات ۷۲، ۷۳، طبع مصر)

غرض کہ حضرت کا کلام علم ومعرفت، فلسفہ وحکمت سے پُر ہوتا تھا (میں نے علم ومعرفت فلسفہ وحکمت کو مرادف الفاظ کی حیثیت سے استعمال کیا ہے جو ایک ہی مدلول ومعنی پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ آئمہ لغت نے اپنے محل پر اس کی وضاحت کی ہے اور مشہور فلسفی افلاطون نے بھی فلسفہ کو علم ومعرفت کے مرادف و ہم معنی بتلایا ہے ملاحظہ ہو کتاب المدخل فی الفلسفہ افلاطون ترجمہ ابوالعلا عفیفی پاشا طبع مصر) جس کا اقرار ہر وہ شخص کرتا تھا جو آپ کے کلام کو سنتا تھا چنانچہ ڈاکٹر استاد مصطفیٰ جواد اپنے تحقیقی مضمون "فلسفہ التاریخ الاسلامی" کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:-

ومما یستحسن ذکره هنا انه قد جاء فی الاخبار ان الامام علیاً کان یتکلم مع جماعة فمر به یهودی فقال له لو انك تعلمت الفلسفة یا ابن ابی طالب لکان لك شان من الشؤون فقال له الامام علی ما تعنی بالفلسفة الیس من اعتدل طباعه، صفا مزاجه، ومن صفا مزاجه، قوی اثر النفس فیه، ومن قوی اثر النفس فیه، سما الی ما یرتقیه ومن سما الی ما یرتقیه فقد تخلق بالاخلاق النفسانیة ومن تخلق بالاخلاق النفسانیة فقد صار موجوداً بما هو انسان وقد دخل فی الباب الملکی الصوری ولیس له عن هذه الغایة مسیر فقال الیهودی نطقت بالفلسفة

مناسب ہے کہ اس مقام پر اس واقعہ کا ذکر کروں جو کتب اخبار میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ امیرالمومنین علی کچھ لوگوں سے گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک یہودی عالم کا اس طرف سے گذر ہوا اُس نے حضرت سے عرض کیا کہ اے فرزند ابوطالب اگر کہیں آپ فلسفہ بھی سیکھے ہوتے تو آپ کا بڑا مرتبہ ہوتا یہ سن کر حضرت نے فرمایا فلسفہ سے تیری کیا مراد ہے کیا ایسا نہیں ہے کہ جس کی طبیعت میں اعتدال پیدا ہو تو اس کا مزاج خود بخود پاکیزہ ہو جاتا ہے اور جس کے مزاج میں پاکیزگی راسخ ہوتی ہے تو اس کے اثرات نفس قوی ہو جاتے ہیں اور جو اپنے نفس کے اثرات میں قوت حاصل کر لیتا ہے تو وہ (انسانیت) کے منتہائے کمال پر بلند ہو جاتا ہے اور جو اس معراج کمال پر پہنچ جاتا ہے تو وہ فضائل نفسانیہ سے آراستہ

جمیعها فی هذه الکلمات یا ابن ابی طالب" (رنت نزت ص۲۹م) ہو جاتا ہے اور جو فضائل نفس سے مزین ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ

اس میں تمام کمال انسانیت موجود ہوتے ہیں بجائے اس کے کہ اس میں خاصہ حیوانی موجود ہو کر اپنا اثر دکھلائیں، اس حالت میں ایسا انسان ملکوتی صفات بن جاتا ہے، بس اب اس سے زیادہ انسانی عروج کا تصور نہیں، یہ سن کر وہ یہودی عالم بے ساختہ کہنے لگا کہ اے فرزند ابوطالب آپ نے تو سارا فلسفہ ان کلمات میں بیان کر دیا۔" (العروب صفحہ ۹ لعبد المنعم العدوی الازہری المصری طبع بمبئی ۵ ذی القعدہ سنہ ۱۳۵۹ھ الموافق ۵ دسمبر سنہ ۱۹۴۰ء یوم الخمیس تحت عنوان فلسفۃ التاریخ الاسلامی فی القرن السابع للہجرۃ لاستاذ مصطفیٰ جولو)

علاوہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے عرب کے مشہور دہریہ و زندیق اور بعض یونانی فلسفی بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل علمیہ و حقائق حکمیہ پر گفتگو کرتے رہتے تھے جن کا تذکرہ ابو منصور طبرسی نے کتاب الاحتجاج اور ابن بابویہ القمی نے کتاب التوحید اور ان کے علاوہ دوسرے متقدمین مصنفین نے کیا ہے، یہ شواہد اس امر کا بیّن ثبوت ہیں کہ علیؑ بحیثیت مفکر و فلسفی و حکیم کے بھی اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں، اس کا اقرار ہر غیر متعصب انسان عام اس سے کہ وہ کسی مذہب ملت کا ہو، کرنے کے لیے تیار رہے؛

چنانچہ مشہور مسیحی ادیب و مورخ عبد المسیح انطاکی حلبی (مدیر الشذور حلب الشہبا و مدیر العمران مصر) اپنے شاہکار ادب عربی "القصیدہ العلویۃ المبارکہ او تاریخ شعری لصدر الاسلام" میں لکھتا ہے۔

ان الحکمۃ ماثورۃ عن سیدنا امیر المومنین علی صلوات اللہ علیہ فہو لاجدال سید الحکماء وعنہ تروی الحکمۃ فی مواطن السراء والضراء وقد وردت الحکمۃ علی لسانہ الشریف فی کثیر من رسائلہ وخطبہ او اقوالہ حتی قالوا انہ کان ینطق بالحکمۃ فی کل موطن اقام فیہ ومجلس جلسہ وموقف وقفہ بل کانت جمیع اقوالہ الشریفۃ واعمالہ المنیفۃ حکماً ماثورۃ منبثقۃ عن توقد ذکاء وسعۃ تجربۃ واختبار۔

(تاریخ الشعری لصدر الاسلام صفحہ ۵۶۰ مطبوعہ رعمسیس فجالہ مصر)

حکمت و علوم سیدنا علیؑ سے بکثرت منقول ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ تمام حکماء و فلاسفہ کے سردار ہیں اور آپ سے تمام حکمتیں روایت کی جاتی ہیں عام اس سے کہ آپ تکلیف کی حالت میں ہوں یا راحت کے عالم میں، اور آپ کی یہ عقلیات آپ کی زبانی کثیر التعداد رسائل و مکاتیب، خطب اقوال میں وارد ہوئی ہیں یہاں تک تسلیم کیا گیا ہے کہ آپ ایسے مقالات عقلی ہر مقام ہر مجلس اور ہر قیامگاہ پر بیان فرماتے تھے جہاں آپ قیام فرماتے یا بیٹھتے تھے، آپ کے تمام اقوال شریف اور اعمال پاکیزہ عقل و حکمت کے آثار سے پُر اور مملو ہیں جن سے آپ کی ذکاوت، تجربات کی وسعت اور قوت ارادی کی ضیاباری ہویدا اور آشکار ہوتی ہے۔

اسی طرح عصر حاضر کا ایک دوسرا مسیحی شاعر و ادیب و ماہر قانون جسٹس پولس سلامہ PAULAS SALAMA

عـــہ سرمایۂ ایمان عبد الرزاق لاہجی صفحہ ۷۶ طبع بمبئی میں بھی یہ واقعہ موجود ہے۔ (بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۳۸)

(حیث حبّش بیروت) اپنے ملحمۂ عربیہ "عیدالغدیر" کے مقدمہ میں لکھتا ہے،

ویذکرہ النصاری فی مجالسھم فیتمثلون بحکمہ ویخشعون لتقواہ، ویتمثل بہ الزھاد فی الصوامع فیزدادون زھدا وقنوتا وینظر الیہ المفکر فیستضیٔ بھذا القطب الوضاء ویتطلع الیہ الکاتب الالمعی فیأتم ببیانہ ویعتمدہ الفقیہ المدرہ فیسترشد باحکامہ واما الخطیب فحسبہ ان یقف فی السفح ویرفع الراس الی ھذا الطود الشامخ لتنھل علیہ الآیات من عل وینطلق لسانہ بالکلام العربی المبین۔

(عیدالغدیر اول ملحمہ عربیہ، المقدمہ ص۷ طبع بیروت)

علی بن ابی طالب کا ذکر مسیحی عیسائی اپنی مجالس میں کرتے ہیں اور آپ کے علم وحکمت سے مستفید ہوتے ہیں اور آپ کے تقوی اور پرہیزگاری کے سامنے تعظیماً جھکتے ہیں اور زہاد اپنے عبادت خانوں میں آپ کے زہد وعبادت کا تصور کرکے اپنے زہد وعبادت کو تقویت پہنچاتے ہیں اور مفکر وفلسفی آسمان علم وحکمت کے اس روشن ستارے سے اپنے فکر کو روشن کرکے مستفید ہوتے ہیں اور کامیاب ادیب اریب آپ کے بیان کو اپنا رہبر بناتے ہیں اور آئمہ فقہاء آپ کے احکامات سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور خطیب کے لیے اسی قدر کافی ہے کہ اس کوہ خطابت کے نیچے کھڑا ہو کر بلندی کی طرف نظر کرے اور چشمۂ خطابت کی روانی سے سیراب ہو کر عربی مبین کا طلیق اللسان "خطیب" ہو جاوے۔

علیؑ کے خطبوں کی تعداد اور مشاہیر خطباء وادباء کا ان سے مستفید ہونے کا اقرار

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ حکماء وفقہاء وادباء وخطباء سبھی امیرالمومنینؑ کے فیض علمیہ سے متمتع ہوئے ہیں، جب آپ خطبہ میں مصروف ہوتے تھے تو زیر منبر ہر ایک آپ کے لٹائے ہوئے جواہرات کو اپنی جھولیوں میں بھرتا تھا، اور گنجینۂ قلب وفینۂ صدر میں آپ کے خطبوں کو محفوظ کر لیتا تھا۔

مورخ مسعودی متوفی ۳۴۰ھ لکھتا ہے۔

والذی حفظ الناس عنہ من خطبہ فی سائر مقاماتہ اربعمائۃ خطبۃ ونیف وثمانون خطبۃ یوردھا علی البدیھۃ، تداول الناس ذالک عنہ قولاً وعملاً۔

حضرت کے تمام خطبے جن کو مختلف موقعوں پہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کچھ اوپر چار سو اسی (۴۸۰ سے زائد) خطبے ہیں جن کو حضرت نے فی البدیہہ ارشاد فرمایا تھا یہ وہ خطبے ہیں جنہیں لوگوں نے یاد و محفوظ کر لیا تھا اور لوگوں میں برابر شائع رہے۔

(مروج الذہب جلد دوم ص۳۳ طبع مصر)

حضرت کے یہ خطب ایسے ہیں جن کو یاد کر لینے پر "خطباء وادباء" فخر کیا کرتے تھے۔

قال عبدالحمید بن یحیی حفظت سبعین خطبۃ من خطب الاصلع ففاضت ثم فاضت

عبدالحمید بن یحیی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت کے بے مثل بے نظیر خطبوں میں سے ستر خطبے یاد کیے تو انھوں نے مجھے

وقال ابن نباتہ حفظت من الخطابة کنزاً لا یزیدہ الانفاق الاسعۃ وکثرۃ حفظت مائۃ فصل من مواعظ علی بن ابی طالب (شرح ابن ابی الحدید جلد اول ص۸ طبع مصر)

بے حد فیض پہنچایا اور کیونکر بتلاؤں کہ کتنا فیض پہنچا، اور مشہور خطیب ابن نباتہ نے کہا ہے کہ میں نے خطابت کا وہ خزانہ محفوظ کیا ہے جو صرف ہونے سے بڑھتا ہی جائے گا میں نے سو فصلیں علی بن ابی طالب کے مواعظ سے یاد کی ہیں۔

وقیل عبد الحمید بن یحیی ما الذی مکنک من البلاغہ دخرجک فیھا فقال حفظ کلام الاصلع یعنی امیرالمومنین علیؑ

عبدالحمید بن یحیی سے دریافت کیا گیا کس چیز نے بلاغت پر تمہیں اتنا اقتدار بخشا کہ جس سے تم ایک باکمال ادیب بلیغ ہو گئے۔ اس نے جواب دیا حضرت علیؑ کے کلام کو حفظ کرنے سے مجھے یہ کمال حاصل ہوا۔ (کتاب الوزراء والکتاب لابی عبداللہ بن عبدوس الجھشیاری ص۸۲ دنیا یورپ سنہ ۱۹۲۶ء)

تاریخ ادب عربی میں عبد الحمید بن یحیی متوفی سنہ ۱۳۲ھ کا سا ادیب و کاتب و منشی اور ابن نباتہ متوفی سنہ ۳۷۴ھ کا سا باکمال خطیب کوئی دوسرا نہیں گزرا، یہ صرف امیرالمومنینؑ کے خطبوں کا فیضان ہے کہ جن کو یاد کر لینے سے یہ دونوں بلاغت و کتابت و خطابت و طلاقت کے اس درجۂ کمال تک پہونچے جہاں دوسرے کی رسائی نہیں ہے۔ مورخ ابن خلکان "ابن نباتہ" کے متعلق لکھتا ہے۔

کان اماما فی علوم الادب ورزق السعادۃ فی خطبہ التی وقع الاجماع علی انہ ما عمل مثلھا وفیھا دلالۃ علی غزارۃ علمہ وجودۃ قریحتہ۔

علوم ادب کا امام ہے، خوش بختی نے اس کو خطابت کا وہ بلند درجہ دیا کہ اس پر اجماع ہے کہ ایسے خطبے کسی نے نہیں دیے یہ خطبے اس کے کمال علم و جودت طبع پر دلیل ہیں۔

(وفیات الاعیان جلد اول ص۲۵۳ طبع مصر)

لیکن امیرالمومنین کے خطبوں کے سامنے ابن نباتہ کے خطبے پست نظر آتے ہیں، عصر حاضر کا مشہور ادیب و ناقد فن دکتور زکی مبارک اپنی کتاب "النثر الفنی فی القرن الرابع" (جس کی تالیف پر موصوف کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی ہے) میں لکھتے ہیں،

وھی دائماً دون خطب علی بن ابی طالب التی کان یحفظھا ابن نباتہ و یتاثرھا فی جمیع مواقفہ الخطابیہ۔

ابن نباتہ کے خطبے علی بن ابی طالب کے خطبوں سے ہمیشہ پست رہے حالانکہ ابن نباتہ نے علیؑ کے خطبوں کو برابر ازبر رکھا اور خطابت کے محل و موقع پر ان خطبوں سے متاثر ہو کر خطبے دیئے۔ (النثر الفنی جلد دوم ص۱۴۴ طبع مصر)

علامہ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں ابن نباتہ اور امیرالمومنین کے خطب کا موازنہ کر کے ثابت کیا ہے کہ ابن نباتہ کے خطب میں کسل، فتور، بلاوت ہے اور حضرت کی ایک سطر کا مقابلہ وہ ابن نباتہ کی ہزار

سطریں بھی نہیں کہہ سکتی ہیں (شرح ابن ابی الحدید جلد دوم ص۲۳۴ طبع مصر) عبد الحمید بن یحییٰ الکاتب المشہور (یہ آخری خلیفہ اموی مروان الحمار کا میر منشی تھا) کے بیان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی ہجری کے ابتدا میں امیر المومنینؑ کے خطبے اس قدر مشہور اور مدوّن تھے کہ ادباء کمال ادب و بلاغت کو حاصل کرنے کے لیے ان کو یاد کرتے تھے گویا ایک ادیب اس وقت تک ادیب نہیں بن سکتا تھا جب تک کہ اس کے نظام درس میں امیر المومنین کے خطبات نہ ہوں[۱] ۔ ہم کو "کتاب الرجال الکشی" کے مطالعہ سے اس کا بھی پتہ ملتا ہے کہ امام محمد باقرؑ متوفی ۱۱۴ھ اور امام جعفر صادقؑ متوفی ۱۴۸ھ کے عہد میں امیر المومنینؑ کے خطبوں کی قرأت و سماعت (تعلیم) بھی ہوتی تھی' اور جناب زید شہید اپنے جد کے خطبوں کو اپنے اساتذہ سے پڑھتے تھے' جیسا کہ زید الشہید اور ابو الصباح الکنانی الکوفی کی باہمی گفتگو سے ظاہر ہے جس کو کہ ابو عمر الکشی نے اپنی کتاب الرجال میں "ابو الصباح" کے تذکرہ میں لکھا ہے (معرفت اخبار الرجال ص۲۱۲ طبع بمبئی) یہ امیر المومنین کے خطبوں کا فیضان تھا کہ زید اپنے عہد کے مشہور و باکمال خطیب ہوئے اسی طرح ابن نباتہ کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عہد میں امیر المومنین کے خطب و مواعظ کی شکل میں مرتب و مدوّن تھے جبھی تو وہ بتلا رہا ہے کہ سو فصلیں حضرت کے مواعظ کی اس کو یاد تھیں' صرف زید الشہید' عبد الحمید بن یحییٰ' اور ابن نباتہ ہی نہیں بلکہ عبد اللہ بن المقفع متوفی ۱۴۲ھ جس کے متعلق

---

[۱] ہم کو معلوم ہے کہ عصر جاحظ متوفی ۲۵۵ھ سے پہلے کے عمومی نظام درس میں جو ہر ایک ادیب و منشی کے لیے ضروری تھا اس میں امیر المومنین کے خطب و کلام بھی ایک اہم مضمون کی حیثیت رکھتا تھا جیسا کہ علامہ حسن السندوبی لکھتے ہیں'

"وكانت المادة التي يكوّنون بها معارفهم ويربّون بها معلوماتهم لا تكاد تخرج عن حد الحفظ لكتاب الله الكريم وما ثبت لديهم من احاديث الرسول صلوات الله عليه و مستظهراً الجيد من كلام الخلفاء الراشدين وخطبهم الجامعة ولاسيما خطب الامام علیؑ ورسائله البليغة وكلماته البارعة مضافا الى ذلك القطعة الصالحة من الشعر الجاهلي ....."

عہد جاحظ سے پہلے کے ادیب و منشی اپنے میں علمی و ادبی قابلیت پیدا کرنے اور معلومات کو بڑھانے کے لیے کلام خدا قرآن مجید و احادیث صحیحہ پیغمبر کو حفظ کرتے اور خلفا راشدین کے عمدہ کلام و خطب خاص کر حضرت امام علی مرتضیٰؑ کے فصیح و بلیغ خطبے' خطوط و رسائل اور اچھوتے کلمات و اقوال پر مطلع رہتے اور اس کو یاد کر لیا کرتے تھے اور اسی کے ساتھ زمانہ جاہلیت کے کچھ اچھے و چیدہ اشعار کو بھی محفوظ کر لیتے تھے۔

انتهى بقدر الحاجه۔ (ادب الجاحظ العلامہ حسن السندوبی فصل ۵: درخصوصیات و ممیزات جاحظ ص۱۹۶ و ص۱۹۷ طبع رحمانیہ مصر ۱۳۵۰ھ ۱۹۳۱ء)

مورخین نے لکھا ہے:

البلیغ الذی لم یتعلق بمنزلتہ فی الفصاحۃ والبلاغۃ وقوۃ البیان متعلق — ایسا بلیغ کہ فصاحت و بلاغت و قوت بیان میں اس کا مثل کوئی دوسرا نہیں۔

وہ بھی بلاغت کے اس بلند مرتبہ پر امیر المومنین کے خطب کی وجہ سے پہونچا ہے جس کا اس نے خود اقرار کیا ہے، استاد حسن السندوبی شارح کتاب البیان والتبیین للجاحظ لکھتے ہیں:

والظاھر انہ تخرج فی البلاغۃ علی خطب الامام علی ولذلک کان یقول شربت من الخطب ریًّا ولم اضبط لھا رویا ففاضت ثم فاضت فلا ھی نظاما ولیس غیرھا کلاما۔ — حقیقت یہ ہے کہ ابن مقفع بلاغت کے اس مرتبے پر علی بن ابی طالب کے خطبوں کی وجہ سے پہنچا ہے اور اسی لیے وہ خود یہ کہا کرتا تھا، چشمہ خطب سے میں نے خوب چھک کر پیا مگر اس کے سیراب کرنے کے عنوان کو محدود نہیں کر سکتا وہ تو ایک ابلتا ہوا چشمہ تھا جو بہتا ہی جاتا تھا جس کے لیے کسی راہ کا معین کرنا میرے لیے ممکن نہیں بس یہ جانتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی کلام نہیں۔

(البیان والتبیین للجاحظ شرحہ الاستاد حسن السندوبی جلد اول صفحہ ۱۰۹ مطبع رحمانیہ مصر)

استاد محمد کرد علی الحنفی الدمشقی رئیس مجمع علمیہ دمشق لکھتے ہیں۔

وقیل انہ تخرج فی البلاغۃ بخطب علی بن ابی طالب — ابن مقفع بلاغت کے اس درجہ پر علی بن ابی طالب کے خطبوں کی وجہ سے پہنچا۔

(امراء البیان جلد اول صفحہ ۱۰۵ طبع مصر)

علی کا کلام دوسرے ادباء کی طرف منسوب ہوا

امیر المومنین کے خطب و اقوال کا تصرف ابن المقفع کے دل و دماغ پر اس حد تک تھا کہ وہ حضرت کے کلمات کو لفظاً بہ لفظاً اپنے کلام میں اس طرح داخل کرتا ہے کہ پڑھنے والا اسی کا کلام سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ دراصل وہ "علی" کے کلام سے چرایا ہوا ہے، چنانچہ ابن المقفع نے "الدرۃ الیتیمۃ" میں انی اخبرک عن صاحب کان اعظم الناس فی عینی...... (میں تم کو ایسے ساتھی کے صفات کو بتلاتا ہوں جو میرے نزدیک انسانوں میں سب سے بڑا "مرد کامل" ہے) کہہ کر سب سے بڑے انسان کی جو صفات و علامات بیان کیے ہیں وہ امیر المومنین کے کلام سے لفظاً و معناً چرایا ہوا ہے، جس میں حضرت نے فرمایا ہے وکان یفعل ما یقول ولا یقول مالا یفعل وکان ان غلب الکلام لم یغلب علی السکوت وکان علی ان یسمع احرص منہ علی ان یتکلم وکان اذا بدھہ امران نظر ایھما اقرب الی الھوی یخالفہ۔"

اسی طرح امیرالمومنین کے اس کلام کو "للمومن ثلاث ساعات فساعة یناجی فیها ربه وساعة یرم فیها معایشه وساعة یخلی بین نفسه وبین لذاتها مما یحل ویجمل ولیس للعاقل ان یکون شاخصاً الا فی ثلاث مرمة لمعاش او خطوة فی معاد او لذة فی غیر محرم" ابن المقفع نے "ادب الصغیر" میں اس کو بھی اپنایا ہے، ابن المقفع کی کچھ عادت ہی ایسی ہے کہ وہ دوسروں کے کلام کو اپنا کر کے پیش کر دیا کرتا ہے مثلاً "درۃ الیتیمہ" میں صداقت اور دوستی کے سلسلہ میں جو یہ کلام ہے "ابذل لصدیقک دمک ومالک ولمعرفتک رفدک ومحضرک وللعامة بشرک وتحننک ولعدوک عدلک واضنن بدینک وعرضک عن کل احد" حالانکہ دراصل یہ کلام "خالد بن صفوان" کا ہے جو ابن المقفع سے مقدم ہے جیسا کہ یاقوت الحموی نے معجم الادباء میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں "خالد بن صفوان" کے حالات میں لکھا ہے۔

صدر اول ہی میں علیؑ کا کلام مدون تھا

خلاصۂ کلام یہ کہ عبدالحمید بن یحییٰ الکاتب متوفی سنہ ۱۳۲ھ اور ابن المقفع متوفی سنہ ۱۴۲ھ کے عہد میں امیرالمومنین کے خطبے عام ہو کر رائج و شائع تھے جن سے استفادہ حاصل کرنا ایک باکمال ادیب و کاتب کے لیے لازمی و ضروری تھا، اور تقریباً سنہ ۱۱۴ھ ـــ سنہ ۱۴۸ھ میں علویین میں یہ خطبے داخل نصاب تعلیم تھے جیسی تو زید الشہید بطور درس ان کو پڑھا کرتے تھے (کتاب رجال الکشی ص۲۲۴ طبع بمبئی) صرف علویوں ہی کے لیے نہیں بلکہ علامہ جاحظ کے پہلے سے ہر ادیب و دبیر کے درس میں حضرت کا کلام داخل نصاب تھا۔ (ادب الجاحظ ص۱۹۶-۱۹۷ طبع مصر) جاحظ عثمانی متوفی سنہ ۲۵۵ھ نے بھی امیرالمومنین کے خطبوں کے لیے یہ لکھا، "مدونہ، مخلدۃ، مشہورۃ" کہ یہ خطبے مدون و مرتب محفوظ و مشہور ہو کر بقائے دوام کی سند حاصل کر چکے ہیں (البیان والتبیین للجاحظ الجزء الاول ص۱۶۲ طبع رحمانیہ مصر) ابن نباتہ خطیب مشہور متوفی سنہ ۳۷۴ھ کے عہد میں تو اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ امیرالمومنین کے کلام کا یہ مرتب و مدون مجموعہ کافی ضخامت رکھتا تھا کہ جس میں سے دیگر عنادین خطب کے اس نے صرف سو فصلیں مواعظ کی یاد کی تھیں۔

سابق عہد میں تدوین علوم کی جو مخالفت تھی وہ اب علیؑ کے عہد میں نہ تھی

حقیقت یہ ہے کہ امیرالمومنین کے اقوال و خطب خود آپ ہی کے زمانہ میں لکھ کر محفوظ کر لیے گئے تھے عدم تدوین و کتابت علوم کے متعلق آپ کے ماقبل، خلفاء کی جو امتناعی پالیسی تھی حضرت کے دور خلافت میں وہ ختم ہو چکی تھی، بے شک علیؑ کی خلافت سے پہلے کا دور ایسا ضرور تھا جب اسلامی دنیا عملاً کتابت و تدوین کے مخالف تھی، اگرچہ اس عہد میں بھی علیؑ کتابت علوم کی طرف متوجہ رہے۔

علامہ جلال الدین السیوطی لکھتے ہیں۔

کان بین السلف من الصحابۃ والتابعین اختلاف کثیر فی کتابۃ العلم کرھھا کثیر منھم واباحھا طائفۃ وفعلوھا منھم علی وابنہ الحسن" (تدریب الراوی)

سلف صحابہ وتابعین میں تدوین وتالیف اور کتابت علوم کے متعلق سخت اختلاف تھا سوائے حضرت علیؑ اور امام حسنؑ یا کچھ اور لوگوں کے (یعنی دیگر فرزندان امیرالمومنین اور سلمان وابوذر) جو نہ صرف اس کو جائز ومباح سمجھتے تھے بلکہ عملاً خود ان حضرات نے تالیف وتدوین بھی فرمایا اس کے برخلاف باقی تمام صحابہ وتابعین اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

علیؑ نے اپنے اصحاب میں مصنفین ومؤلفین کو پیدا کر دیا تھا اسی عہد میں آپ کے خطب مدون ہوئے

حضرت علیؑ صرف تنہا تصنیف وتالیف میں مشغول رہنا نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ ایک علمی ماحول پیدا کر کے کامیاب مفکر ومصنف کو بھی پیدا کرنا چاہتے تھے چنانچہ آپ نے اپنے اصحاب میں مصنفین ومؤلفین کے ایک گروہ کو پیدا کر دیا تھا جنھوں نے لسانیات، سیرۃ احادیث اور علوم قرآن پر کتابیں لکھیں دنیا کو اس کا اعتراف ہے۔

ومنہ تعلم الناس الخطابۃ والکتابۃ (ابن ابی الحدید جلد اول ص۶ طبع مصر)

آپ ہی سے لوگوں نے خطابت اور تحریر وتصنیف کے فن کو سیکھا۔

حضرت کے خاندان اور اصحاب میں مندرجہ ذیل اصحاب قلم ایسے ہیں جن کے آثار قلم محفوظ ہیں اور جن کا تذکرہ علماء رجال نے کیا ہے۔ امام حسنؑ، امام حسینؑ، عمر بن علیؑ، محمد بن علیؑ المعروف بابن الحنفیہ، عبداللہ بن عباس، ابی بن کعب صحابی، جابر بن عبداللہ انصاری، ابو رافع، علی بن ابی رافع، عبیداللہ بن ابی رافع، اصبغ بن نباتہ مجاشعی، سلیم بن قیس الہلالی، میثم بن یحییٰ ابو صالح التمار، حارث بن عبداللہ الاعور الہمدانی، ابو الاسود الدئلی، کمیل بن زیاد النخعی، عبیداللہ بن الحر الجعفی، ربیعہ بن سمیع، یعلی بن مرہ، زید بن وہب الجہنی، حسن بصری،

یہ وہ حضرات ہیں جو آپ کے عہد کے خوش فکر اور کامیاب مصنف ومؤلف تھے، بقول مسٹر جے بی ویل مصنف کتاب مطالعہ مذہب اسلام" علیؑ نے اپنے زمانۂ خلافت میں قومی مصنفین کا نہ صرف تحفظ ہی کیا بلکہ انھیں تصنیف کے لیے ترغیب بھی دیتے تھے (کتاب مطالعہ مذہب اسلام ص۳۲۰ مطبوعہ ۱۸۹۲ء) اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ ہی کے عہد خلافت میں اہل قلم آپ کے اقوال وخطب کو ضبط تحریر کر کے محفوظ کرنے لگے تھے، یہ لوگ حضرت سے جو کچھ سنتے تھے فوراً لکھ لیا کرتے تھے،

شیخ صدوق ابو جعفر محمد ابن بابویہ القمی المتوفی ۳۸۱ھ اپنے سلسلۂ اسناد سے روایت کرتے ہیں کہ ابو اسحق السبیعی بیان کرتا ہے کہ ان سے حارث بن عبداللہ الاعور الہمدانی نے بیان کیا۔

خطب امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ ایک روز بعد عصر امیرالمومنین نے ایک خطبہ ارشاد

يومًا خطبة بعد العصر فعجب الناس من حسن صفته وما ذكره من تعظيم الله جل جلاله، قال ابو اسحٰق فقلت للحارث او ما حفظتها قال قد كتبتها فاملاها علينا من كتابه۔

فرمایا جو خدا کی عظمت و جلالت کے مضامین پر مشتمل تھا، لوگوں نے اس خطبہ کو بہت زیادہ پسند کیا، ابو اسحٰق نے حارث سے دریافت کیا کہ تم نے اس کو یاد نہیں کر لیا، حارث نے جواب دیا کہ میں نے تو اس کو لکھ لیا تھا اس کے بعد حارث نے اپنی کتاب سے پڑھ کر اس خطبہ کو سنایا۔ (کتاب التوحید صفحہ ۱۴ طبع ایران سنہ ۱۲۸۰ھ)

ایک مرتبہ حضرت سے ایک یہودی عالم نے چند سوالات کیے تھے جن کا تسلی بخش جواب حضرت نے عنایت فرمایا تھا اس مفصل جواب کو بھی حارث ہمدانی نے مرتب و مدون کیا تھا (کتاب الفہرس شیخ ابو جعفر الطوسی) حارث نے امیر المومنین کے آثار علم کو اس کثرت سے مدون و مرتب کیا تھا کہ ایک مرتبہ امام حسن علیہ السلام نے اس ذخیرہ علم کو ان سے طلب فرمایا (فبعث الیہ بقدٍ مملوء) تو حارث نے جو عظیم ذخیرۂ کتب بھیجا وہ ایک اونٹ کا انبار تھا (ملاحظہ ہو مورخ شہیر ابو جعفر محمد بن جریر الطبری کی کتاب ذیل المذیل من تاریخ الصحابۃ والتابعین صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ مطبع استقامۃ قاہرہ سنہ ۱۹۳۹ء) اصحاب امیر المومنین میں حارث ہمدانی نے فقہ و فرائض اور علم حساب میں کمال حاصل کیا تھا اور ان علوم میں یہ حضرت ہی کے شاگرد تھے۔ جن سے دوسرے فقہا نے اخذ کیا (ذیل المذیل صفحہ ۱۲۷، حلیۃ الاولیاء حافظ ابو نعیم جلد ۴ صفحہ ــــ طبع مصر)

ان اہل علم حضرات کی حالت یہ تھی کہ حضرت کی خدمت میں جب حاضر ہوتے تو سامان نوشت لے کر آتے تھے اور حضرت جو کچھ فرماتے تھے اس کو اسی وقت لکھ لیا کرتے تھے، چنانچہ حسن بصری کا یہی طریقہ تھا، ابو یحییٰ الواسطی بیان کرتا ہے،

قال لما افتتح امیر المومنین، اجتمع الناس علیہ وفیہم الحسن البصری ومعہ الالواح فکان کلما لفظ امیر المومنین بکلمۃ کتبہا

جب امیر المومنین نے بصرہ کو فتح فرمایا، تو آپ کے گرد (مسجد بصرہ میں) لوگوں کا مجمع ہو گیا، ان میں حسن بصری بھی تھے جن کے پاس لکھنے کا سامان (لوحیں) بھی تھا، امیر المومنین کے دہن مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کو فورًا اپنی لوحوں میں لکھ لیتے تھے۔ (کتاب الاحتجاج ابو منصور الطبرسی صفحہ ۸۷ مطبوعہ تبریز سنہ ۱۲۸۶ھ)

حضرت کے کاتب عبید اللہ بن ابی رافع نے حضرت کے قضایا کو مدون کیا (الفہرس الطوسی صفحہ ۲۰۲) اصبغ بن نباتہ مجاشعی نے حضرت کے آثار میں سے کئی چیزوں کو مدون کیا حضرت کا وہ مشہور عہد و فرمان جو مالک اشتر کے نام ہے اس کو اصبغ بن نباتہ ہی نے محفوظ کیا، اس کے علاوہ حضرت کے وہ وصایا جن کو آپ نے اپنے فرزند محمد حنفیہ سے کیا تھا اس کو بھی انھوں نے جمع کیا اس کے علاوہ حضرت کے قضایا کو بھی اصبغ ہی نے مدون و مرتب کیا (منہج المقال الفہرس الطوسی صفحہ ۶۳ طبع کلکتہ) کتاب القضایا مرویہ اصبغ بن نباتہ کا ایک قدیمی نسخہ مخطوطہ جو چھٹی ہجری کا لکھا ہوا ہے، علامہ سید محسن الامین العاملی کے کتاب خانہ دمشق میں موجود ہے اعیان الشیعہ جلد پنجم

ص ۱۹۹ طبع دمشق۔)

سُلیم بن قیس الہلالی نے ایک کتاب مدوّن کی جس میں امیرالمومنینؑ، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد، عمار یاسر کے مرویات کے علاوہ حضرت کے بعض خطب، رسائل و مکتوب کو بھی جمع کیا (اس کتاب کے قدیمی مخطوطات عراق و ایران و ہندوستان کے بعض کتاب خانوں میں محفوظ ہیں اس کے علاوہ حال ہی میں یہ کتاب نجف کے مطبع حیدریہ سے شائع بھی ہو گئی ہے) کمیل بن زیاد النخعی نے حضرت کی ایک جلیل القدر و طویل دعا کو محفوظ کیا ۳۔ اسی طرح حضرت کے صحابی زید بن وہب الجہنی الکوفی نے ایک مجموعہ میں حضرت کے خطبوں کو جمع کیا (منہج المقال ص ۱۵۳) زید بن وہب کی جلالت قدر کے متعلق علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں،

زید بن وهب من اجلة التابعين وثقاتهم متفق على الاحتجاج به وزيد سيد جليل القدر هاجر الى النبي صلعم فقبض وهو في الطريق وروى عن عمر وعثمان وعلى والسابقين وحدث عنه خلق ووثقه ابن معين وغيره حتى ان الاعمش قال اذا حدثك زيد بن وهب عن احد فكانك سمعته من الذي حدثك عنه قلت مات قبل ستة تسعين او بعدها۔

زید بن وہب اجلۂ تابعین و ثقات میں سے ہیں اور سب کے نزدیک قابل احتجاج ہیں، زید بڑے مرتبہ والے سردار تھے رسول اللہ صلعم کی طرف ہجرت کی تھی لیکن ابھی یہ راستے ہی میں تھے کہ آنحضرت کی وفات ہو گئی اس لیے زیارت سے محروم رہے عمرؓ و عثمان اور حضرت علی و دیگر سابقین سے روایت کی ہے اور بہت سے لوگ زید سے روایت کرتے ہیں ابن معین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، اعمش نے ان کے متعلق یہاں تک کہا ہے کہ اگر تم سے زید بن وہب کسی کی روایت بیان کریں تو تم یہ سمجھ لو کہ ہم نے اصل صاحب روایت کو زبانی سنا۔ تقریباً سنہ ۹۰ھ کے قبل یا بعد ان کی وفات ہوئی۔

(میزان الاعتدال جلد اول ص ۳۶۰، ۳۶۶ طبع مصر)

یہی جلیل القدر و قابل اعتماد زید بن وہب ہیں جنہوں نے سب سے پہلے امیرالمومنینؑ کے خطبوں کو ایک کتاب میں جمع کرنے کا فخر حاصل کیا۔

مختلف اصحاب ائمہ و قدماء مولفین جنہوں نے آپ کے خطب و آثار کو جمع کیا

اصحاب امیرالمومنینؑ کے بعد دوسرے اصحاب ائمہ معصومین اور اہل علم و ادب نے بھی امیرالمومنین کے اقوال و خطب و رسائل اور دوسرے آثار علمیہ کی حفاظت اپنا فرض سمجھا اس لیے یہ لوگ برابر اس کی تدوین و تالیف میں مشغول رہے جن میں یہ لوگ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

۱۔ ہشام بن محمد بن السائب الکلبی صحابی امام محمد باقرؑ نے امیرالمومنینؑ کے خطبوں کو جمع کیا (الفہرست ابن الندیم

متوفی سنہ ۳۸۰ھ صفحہ ۱۲۰ طبع مصر)

۲۔ محمد بن قیس البجلی صحابی امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ نے امیرالمومنینؑ کے قضایا کو جمع کیا (تنقیح المقال)

۳۔ محمد بن قیس ابو نصر الاسدی صحابی امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ نے امیرالمومنین کے قضایا کو جمع کیا (کتاب الرجال النجاشی)

۴۔ ابراہیم بن الحکم بن ظہیر الفزاری نے امیرالمومنین کے خطبوں کو جمع کیا (الفہرست للطوسی، کتاب رجال النجاشی)

۵۔ ابو محمد مسعدہ بن صدقہ العبدی صحابی امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظمؑ نے امیرالمومنینؑ کے خطبوں کو جمع کیا۔ (کتاب الرجال النجاشی)

۶۔ ابراہیم بن ہاشم ابو اسحق القمی صحابی امام رضاؑ نے امیرالمومنینؑ کے قضایا کو جمع کیا (تنقیح المقال)

۷۔ مشہور مورخ ابو مخنف لوط بن یحییٰ الازدی نے اپنے مصنفات میں امیرالمومنین کے خطبات و رسائل کو وارد کیا۔

۸۔ نصر بن مزاحم المنقری التمیمی الکوفی معاصر امام محمد باقرؑ تا امام علی رضاؑ نے بھی حضرت کے خطبات و مکتوبات کو اپنی کتاب صفین میں وارد کیا ہے (یہ کتاب مطبوعہ ہے)

۹۔ ابو القاسم عبد العظیم بن عبد اللہ الحسنی المدفون بالرے المتوفی تقریباً سنہ ۲۵۰ھ صحابی امام علی نقیؑ نے امیرالمومنینؑ کے خطبوں کو جمع کیا (کتاب الرجال النجاشی)

۱۰۔ صالح بن ابی حماد ابو الخیر الرازی صحابی امام علی نقیؑ نے امیرالمومنین کے خطبوں کو جمع کیا (کتاب الرجال النجاشی)

۱۱۔ علی بن محمد بن عبد اللہ المدائنی متوفی سنہ ۲۲۵ھ نے امیرالمومنین کے خطبوں اور ان مکاتیب کو جمع کیا جن کو حضرت نے اپنے عمال کو تحریر کیا تھا۔ (معجم الادباء یاقوت الحموی جلد چہاردہم صفحہ ۱۲۴ طبع مصر)

۱۲۔ ابراہیم بن محمد بن سعید بن ہلال بن عاصم بن سعد بن مسعود الثقفی الکوفی متوفی سنہ ۲۸۳ھ نے "کتاب رسائل امیرالمومنین" کے نام سے حضرت کے فرامین و خطوط کو جمع کیا (معجم الادباء یاقوت الحموی جلد اول صفحہ ۲۲۳ طبع مصر)

۱۳۔ ابو القاسم عبد اللہ بن احمد بن عامر بن سلیمان بن صالح بن وہب بن عامر الشہید المطف ابن حسان المقتول بصفین مع امیرالمومنینؑ نے حضرت کے قضایا کو جمع کیا۔ (کتاب الرجال النجاشی)

۱۴۔ ابو الحسن معلی بن محمد البصری نے امیرالمومنین کے قضایا کو جمع کیا (کتاب الرجال النجاشی)

۱۵۔ ابو احمد عبد العزیز الجلودی البصری متوفی سنہ ۳۳۰ھ نے امیرالمومنین کے آثار میں سے متعدد چیزوں کو جمع کیا۔

۱۔ کتاب رسائل علیؑ۔ حضرت کے خطوط و فرامین کا مجموعہ۔

۲۔ کتاب خطب علیؑ۔ حضرت کے خطبوں کا مجموعہ۔

۳۔ کتاب مواعظ علیؑ۔ حضرت کے کلام کا وہ مجموعہ جو مواعظ پر مشتمل ہے۔

۴۔ کتاب خطب علیؑ فی الملاحم، حضرت کے خطبوں کا وہ مجموعہ جس میں ہونے والے واقعات، وفتنہ وفساد کی خبر دی گئی ہے۔

۵۔ کتاب دعاء علیؑ، حضرت کے ادعیہ کا مجموعہ۔

۶۔ کتاب شعر علیؑ، حضرت کے اشعار کا مجموعہ۔

(الفہرس الطوسی، کتاب الرجال النجاشی)

۱۶۔ ابو محمد حسن بن علی بن شعبۃ الحلبی متوفی ۳۳۲ھ تیسری صدی ہجری کے مشہور شیعی علماء ومحدثین میں سے تھے، موصوف نے اپنی کتاب " تحف العقول عن آل الرسول " میں امیر المومنین کے کلمات حکمیہ وخطب کو جمع فرمایا ہے، علامہ موصوف حضرت کے خطبوں کے متعلق اپنی اس کتاب میں لکھتے ہیں۔

انا لو استغرقنا جمیع ما وصل الینا من خطبہ وکلامہ فی التوحید خاصۃ دون ما سواہ من المعانی لکان مثل جمیع ھذا الکتاب (تحف العقول ص۳ طبع ایران)

اگر ہم حضرت کے ان تمام خطبوں سے قطع نظر کر جو ہم تک پہونچے ہیں صرف ایسے خطب وکلام کو جمع کریں جن میں صرف مسائل توحید بیان کیے گئے ہیں تو یہ مجموعہ بھی مثل اس کتاب کے ہو جاوے (یہ خیال رہے کہ تحف العقول کا حجم نہج البلاغہ کے حجم سے زیادہ ہے۔

امیر المومنین کے کلام کی وسعت وکثرت کے متعلق چھٹی صدی ہجری کے مشہور عالم ابو الحسن محمد بن الحسین البیہقی النیشاپوری الشہیر بہ علامہ قطب الدین الکیدری اپنی شرح نہج البلاغہ موسوم بہ حدائق الحقائق فی تفسیر دقائق احسن الخلائق میں علامہ قطب الدین الراوندی متوفی ۵۷۳ھ کی کتاب منہاج البلاغہ فی شرح نہج البلاغہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں،

ذکر قطب الکیدری، نقلاً عن صاحب کتاب المنہاج انہ قال سمعت بعض العلماء بالحجاز ذکر انہ وجد بمصر مجموعاً من کلام امیر المومنین فی نیف وعشرین مجلداً قلت ولا بدع فی ذالک لمن کان باب مدینۃ علم الرسول وحکمتہ۔ (روضات الجنات باب العین ص۲۲۴ طبع ایران)

قطب الدین راوندی صاحب کتاب المنہاج نے حجاز میں بعض علماء سے یہ سنا کہ انھوں نے مصر میں امیر المومنین کے کلام کے ایک ایسے مجموعہ کو دیکھا جو بیس مجلدات سے زیادہ تھا" میں کہتا ہوں کہ جو باب مدینۃ علم وحکمت ہو اس سے ایسے آثار علمیہ کا پایا جانا بعید نہیں ہے۔

۱۷۔ ابو طالب عبداللہ بن ابی زید الانصاری متوفی ۳۵۶ھ نے حضرت کی دعاؤں کو کتاب ادعیۃ الائمہ میں جمع کیا،

سید رضی سے قبل کے وہ علماء اسلام جنھوں نے آپ کے خطب وکلام کو اپنی مصنفات میں جگہ دی

یہ قرآن مؤلفین اہل علم

کا تذکرہ تھا جنھوں نے امیرالمومنینؑ کے اقوال و خطب و دیگر آثار علمیہ پر مستقلاً کتابیں لکھیں، لیکن ان کے علاوہ مورخین و محدثین و علماء اسلام کی ایک کثیر تعداد ہے جنھوں نے اپنے مجامیع کتب و تصانیف میں حضرت کے خطبوں اور دیگر آثار کو وارد کیا ہے، جن میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔

۱۔ ابوالحسن علی بن محمد المدائنی المتوفی ۲۲۵ھ نے تاریخ الخلفاء و کتاب الاحداث والفتن میں۔

۲۔ ابوعثمان عمرو بن بحر الجاحظ متوفی ۲۵۵ھ نے کتاب البیان والتبیین میں حضرت کے بعض خطب کو نقل کیا ہے اور کلمات حکمیہ میں "مائۃ کلمۃ" کو منتخب کیا، جاحظ نے کتاب البیان میں لکھا ہے کہ حضرت کے خطبے مرتب و مدوّن اور متداول و مشہور ہیں،

۳۔ ابن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ نے عیون الاخبار و غریب الحدیث میں

۴۔ ابن واضح الیعقوبی الکاتب العباسی متوفی ۲۷۸ھ نے اپنی تاریخ میں

۵۔ ابوحنیفۃ الدینوری متوفی ۲۸۱ھ نے اخبار الطوال میں

۶۔ ابوالعباس المبرّد متوفی ۲۸۶ھ نے کتاب المبرد میں

۷۔ مورخ محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی تاریخ میں

۸۔ ابوبکر محمد بن حسن بن درید الازدی البصری متوفی ۳۲۱ھ نے اپنی کتاب المجتبیٰ میں

۹۔ ابن عبد ربہ متوفی ۳۲۸ھ نے عقد الفرید میں

۱۰۔ محمد بن یعقوب الکلینی متوفی ۳۲۹ھ نے کتاب الکافی کے مجلدات کتاب الاصول والفروع و کتاب

۱۱۔ مورخ مسعودی متوفی ۳۴۶ھ نے مروج الذہب میں

۱۲۔ ابوالفرج الاموی الاصفہانی متوفی ۳۵۶ھ نے کتاب الاغانی میں

۱۳۔ ابوعلی القالی متوفی ۳۵۶ھ نے نوادر میں

۱۴۔ شیخ ابوجعفر ابن بابویہ القمی متوفی ۳۸۱ھ نے کتاب التوحید اور اپنے دوسرے مجامیع کتب میں

۱۵۔ شیخ مفید استاد سید رضی (متوفی ۴۱۳ھ) نے کتاب الارشاد و کتاب الجمل میں

۱۶۔ ابن مسکویہ متوفی ۴۲۱ھ نے تجارب الامم میں

۱۷۔ حافظ ابونعیم متوفی ۴۳۰ھ نے حلیۃ الاولیاء میں

۱۸۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن الطوسی (۳۸۵ھ۔۴۶۰ھ) نے کتاب التہذیب کتاب الامالی میں

اب کیونکر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ جامع نہج البلاغہ شریف الرضی الموسوی المتوفی ۴۰۶ھ سے پہلے حضرت کے خطبے مرتب و مدوّن و مشہور و متداول نہ تھے، نہج البلاغہ تو دراصل حضرت کے کلام متداول و مشہور کا ایک انتخاب ہے، سید رضیؒ نے حضرت کے کل مجموعۂ کلام کو نہج البلاغہ میں نہیں جمع فرمایا ہے وہ خود ہی فرماتے ہیں

واما کلامہ فھو من البحر الذی لا یساحل والجم الذی لا یحافل۔

حضرت کا کلام ایک دریائے ناپید اکنار ہے جس کی انتہا اور گہرائی تک کوئی نہیں پہونچ سکتا اور نہ اس کی موجوں پر کوئی تسلط پا سکتا ہے۔ (مقدمہ سید رضیؒ نہج البلاغہ)

جناب سید رضیؒ نے حضرت کے کل کلام کا احصاء نہیں فرمایا ہے بلکہ حضرت کے کلام کو تین ابواب (۱) خطب اوامر (۲) کتب ورسائل (۳) حکم ومواعظ میں تقسیم کرکے نہایت دقّت نظر سے صرف محاسن خطب وکتب وحکم کو ہر باب کے ضمن میں مرتب فرمایا ہے جیسا کہ خود سید رضی نے مقدمہ نہج البلاغہ میں اس کا ذکر فرمایا ہے، اس عنوان انتخاب میں کبھی سید کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ موصوف نے حضرت کے کل محاسن کلام کا احاطہ کر لیا ہے بلکہ موصوف کا خیال ہے کہ جو کچھ وہ منتخب کرکے جمع کرچکے ہیں وہ اس کلام کے مقابلہ میں بہت کم ہے جس کو جمع نہیں کرسکے، سید رضی سے پہلے جن لوگوں نے حضرت کے اقوال وخطب کو جمع کیا تھا چونکہ ان لوگوں نے تدوین وتالیف کا یہ انداز اختیار نہیں کیا تھا اس لیے ان جامعین کے مولفات کو اتنی قبولیت وشہرت نہیں حاصل ہوئی جو نہج البلاغہ کو حاصل ہوئی، درحاصل نہج البلاغہ امیرالمومنین کے منتخب کلام کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو عربی ادبیات میں قرآن مجید کے بعد سمجھا گیا ہے ودون کلام الخالق وفوق کلام المخلوق، اہل اثنا عشریہ امامیہ وفرقہ زیدیہ کا بغیر کسی اختلاف کے اس پر اجماع ہے کہ بغیر شک وشبہ کے یہ امیرالمومنین کا کلام ہے اور علمائے اہلسنت کی اکثریت بھی اسی اجماع کے ساتھ ہے اور متعدد جامعہ نہج البلاغہ کو علی ابن ابی طالب کا کلام معجز نظام سمجھتا ہے، نہج البلاغہ کا شمار امہات کتب اور معتبر ترین ماخذ میں ہے، فریقین کے علماء ابتدا ہی سے اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس کے شروح وحواشی تحریر کیے، مشہور ادیب ومورخ ابن الطقطقی محمد بن علی بن طباطبا اپنی تاریخ الفخری فی الآداب السلطانیۃ والدول الاسلامیۃ میں لکھتے ہیں۔

وقال ناس فی نھج البلاغۃ من کلام امیرالمومنین علی بن ابی طالب فانہ الکتاب الذی یتعلم منہ الحکم والمواعظ والخطب والتوحید والشجاعۃ والزھد وعلو الھمۃ وادنی فوائدہ الفصاحۃ والبلاغۃ

بہت سے لوگوں نے کتاب نہج البلاغہ کی طرف توجہ کی جو امیرالمومنین علی بن ابی طالب کے کلام سے ہے کیونکہ یہ وہ کتاب ہے جس سے حکم ومواعظ، زہد، توحید، خطب، شجاعت، علو ہمت ان تمام باتوں کی تعلیم حاصل ہوتی ہے اور اس کا ایک ادنیٰ جوہر اور افادیت فصاحت وبلاغت ہے۔ (طبع مصر ص۹ وطبع جرمن GOTHA ص۱۲)

نہج البلاغہ کی تالیف کے بعد امیرالمومنین کے کلام کے دوسرے مجموعے ومصنفات

نہج البلاغہ کی تالیف کے بعد یہ نہیں ہوا کہ علماء حضرت کے کلام کی تدوین وجمع سے غافل ہوگئے بلکہ اس کا سلسلہ سید رضیؒ کے بعد سے اب تک جاری ہے ان جامعین کلام امیرالمومنین میں سے مندرجہ ذیل علماء وادباء قابل ذکر ہیں۔

(۱) عبدالواحد بن محمد بن عبدالواحد الآمدی التمیمی معاصر سید رضی جامع نہج البلاغہ نے ایک مجموعہ حضرت کے کلمات کا جمع کیا جس کا نام غرر الحکم و درر الکلم ہے یہ کتاب مصر، بیروت، (شام) اور ہندوستان سے طبع ہو چکی ہے،

(۲) عز الدین بن ضیاء الدین ابو الرضا فضل اللہ الراوندی نے بھی حضرت کے اقوال وکلمات کو جمع کیا اور اس کا نام "نثر اللآلی" رکھا، بعض کہتے ہیں کہ اس کے جامع شیخ ابو علی الطبرسی صاحب مجمع البیان ہیں لیکن یہ قول اعتماد کے قابل نہیں ہے یہ کتاب بھی طبع ہو چکی ہے۔

(۳) ابو سعید منصور بن الحسین الآبی الوزیر متوفی ۴۲۲ھ نے بھی حضرت کے نکت کلام کو "نزہۃ الادب" اور "نثر الدرر" میں جمع کیا۔ (کشف الظنون باب النون)

(۴) قاضی ابو عبداللہ محمد بن سلامۃ القضاعی الشافعی متوفی ۴۵۴ھ نے حضرت کے خطب وحکم و مواعظ و وصایا و اشعار کو جمع کیا اور اس کا نام "دستور معالم الحکم" رکھا، مصر سے طبع ہو چکی ہے،

(۵) عز الدین ابن ابی الحدید المدائنی المعتزلی شارح نہج البلاغہ متوفی ۶۵۵ھ نے حضرت کے ایک ہزار کلمات کو جمع کر کے اپنی شرح کے آخر میں شامل کیا، یہ مجموعہ کلمات "الف کلمہ" کے نام سے بیروت و مصر سے شائع ہو چکا ہے

(۶) شمس الدین ابو المظفر یوسف بن قزغلی حنفی المعروف بسبط ابن الجوزی متوفی ۶۵۴ھ نے تذکرہ خواص الامہ میں اپنے اسناد سے حضرت کے اقوال وخطب کو جمع کیا، موصوف لکھتے ہیں،

وقد اخبرنا السید الشریف ابو الحسن علی بن محمد الحسینی باسنادہ الی الشریف المرتضیٰ قال وقع الی من خطب امیر المومنین علیہ السلام اربعمائۃ خطبۃ وکتابنا ھذا یضیق عن حصرھا فنذکر منہا ما اتصل الینا اسنادہ۔

سید شریف ابو الحسن علی بن محمد الحسینی نے اپنے استاد سے جو شریف مرتضیٰ تک منتہی ہوتا ہے مجھ سے بیان کیا کہ "وہ کہتے ہیں کہ امیر المومنین کے چار سو خطبے مجھ تک پہونچے ہیں" اور ہماری اس کتاب کا دامن تنگ ہے کہ اس میں ان تمام خطبوں کو ہم نقل کر سکیں اس لیے میں اس کتاب میں ان خطبوں کے نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، جن کے اسناد کا سلسلہ مجھ تک ہوا ہے"

(۷) قاضی ابو یوسف یعقوب بن سلیمان الاسفرائنی نے حضرت کے کلمات قصار کو جمع کیا اور اس کا نام "الفرائد والقلائد" رکھا، اس کا ایک قدیمی خطی نسخہ جو چھٹی صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے کتاب خانہ مدرسہ مروی طہران میں محفوظ ہے (جس کو میں نے دوران قیام طہران کے زمانہ میں دیکھا ہے)

(۸) علی بن محمد اللیثی الواسطی چھٹی و ساتویں صدی کے علماء میں سے تھے موصوف نے ایک ضخیم کتاب تالیف کی جو ۳۰ ابواب اور ۹ فصلوں پر مشتمل ہے، اس میں حضرت کے مواعظ و ادعیہ، مکاتبات و مناجات ہیں اور ۱۳۶۲۸ کلمات حکمیہ ہیں جن کو حروف معجم کے تحت ۲۹ ابواب میں جمع کیا ہے، اس کتاب کا نام عیون الحکم

والمواعظ وذخيرة المتعظ والواعظ" رکھا ہے، مقدمہ کتاب میں مولف تحریر فرماتے ہیں،

والزمت نفسي ان اجمع قليلاً من حكمه ويسيراً من خطبه كلمه مختومة من بلاغاته ومواعظه وآدابه ومناجاته واوامره ونواهيه ووصاياه ما عجز البلغاء عن مساجلته وتقاصر الحكماء عن مشاكلته وما انا علم الله تعالى الا كالمغترف من البحر بكفه والمعترف بالتقصير في وصفه فكيف لا وهو عليه السلام الشارب من الينبوع النبوي الغادي من جنبه العلم اللاهوتي۔

میں نے اس کو اپنے اوپر لازم قرار دیا کہ حضرت کے فصیح و بلیغ مجموعہ کلام سے جو حکم و آداب، مواعظ و مناجات اور امر و نواہی کے مضامین پر مشتمل ہے تھوڑا سا کچھ جمع کروں جس کا جواب لانے سے بلغاء و حکماء عاجز ہیں، میں اس کلام معجز نظام کے اوصاف بیان کرنے سے قاصر ہوں میری مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی بحر ذخار سے ایک چلو لیتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو حضرت تو نبوت کے چشمہ رواں سے سیراب ہونے والے ہیں اور آپ ہی وہ ہیں جن کا پہلو علم لاہوتی سے بھرا ہوا ہے۔

اس کتاب کے دو قلمی نسخے کتاب خانہ مدرسہ سپہ سالار طہران میں موجود ہیں یہ نسخے بھی بزمانہ اقامت طہران میں حقیر کی نگاہوں سے گذر رہے ہیں (فہرست کتاب خانہ مدرسہ عالی سپہ سالار جلد اول ص۲۸۳ و جلد دوم ص۴۲ طبع ایران)، علامہ محمد باقر مجلسی نے جلد ہفدہم بحار الانوار "باب ماجمع من کلمات علی" اور مجلد پانزدہم بحار "باب حب الدنیا وذمہا" میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے اور اس سے نقل فرمایا ہے،

(۹) مولی خلف بن مطلب بن حیدر بن محسن از موالی آل مشعشع پدر سید علی والی حویزہ معاصر شیخ بہاء الدین عاملی نے حضرت کا وہ کلام جو نہج البلاغہ میں نہ جمع ہو سکا تھا اس کو جمع فرمایا اور اس کا نام "النہج القویم فی کلام امیر المومنین" رکھا، (روضات الجنات باب نماء ص۲۶۶ طبع ایران آثار الشیعہ جلد ۴ ص۱۹۸ طبع ایران)

(۱۰) مولی میر القاری الکوکبی الجیلانی معاصر شاہ عباس صفوی نے کتاب زبدۃ الحقائق میں حضرت کے کلمات کثیرہ کو جمع فرمایا۔

(۱۱) شیخ عبد اللہ بن الحاج صالح بن جمعہ بن شعبان بن علی سماہیجی نے حضرت کے ادعیہ مناجات و اذکار کو جمع فرمایا اور اس کا نام "الصحیفۃ العلویہ والتحفۃ المرتضویہ" رکھا،

(۱۲) علامہ محمد باقر مجلسی نے بحار الانوار مجلد ہفدہم میں حضرت کے مختلف کلمات کو جمع فرمایا۔

(۱۳) مسیحی ادیب امین لویس شیخو نے حضرت کے اقوال کے ایسے مجموعہ کو شائع کیا جو ۴۲۰ھ کا مخطوطہ ہے۔

(ترجمہ علی بن ابی طالب ص۱۱۹ طبع مصر)

(۱۴) شیخ احمد رضا العاملی معاصر نے خطب و مواعظ کے ایک ایسے مجموعہ کو مجلہ العرفان صیدا جلد ۲۲ سنہ ۶ میں شائع کیا جو نہج البلاغہ میں جمع نہ ہو سکا تھا (ترجمہ علی بن ابی طالب احمد زکی صفوت مصری ص۱۱۹ طبع مصر)

(۱۵) علامہ شیخ ہادی النجفی آل کاشف الغطاء معاصر نے امیر المومنین کے ایسے خطب و مکاتیب و اقوال کو

جمع فرمایا جو نہج البلاغہ میں نہ تھا جس کو سنہ ۱۳۵۴ھ میں نجف اشرف سے مستدرک نہج البلاغہ کے نام سے شائع فرمایا۔

(۱۶) مولوی حکیم نبی احمد تنفی افسر دواخانہ یونانی دوبک رامپور نے حضرت کے ایسے مکاتیب رسائل کو جمع فرمایا ہے جو نہج البلاغہ میں نہیں ہیں اور اس کا نام بھی مستدرک نہج البلاغہ رکھا ہے۔

علی کے آثار علم و ادب کا اعتراف ایک مستشرق کی زبانی

یہ ہے علیؑ کے آثار علمی و ادبی کا اجمالی تذکرہ بے شک آپ علم و ادب کے ایک بحر ناپید اکنار ہیں جس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، اس کا اعتراف صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم ارباب فضل و دانش بھی کرتے ہیں، مستشرق شہیر گابریل انکیری (GABRIEL ENKIRI) لکھتا ہے۔

"قاہرہ، دمشق، استامبول اور یورپ کے تمام کتاب خانوں میں بے شمار ایسے مولفات مخطوط موجود ہیں جو علیؑ کے مصنفات بتلائے جاتے ہیں یہ کتابیں مواعظ، تاریخ، شعر، خطبے، قانونی موشگافیاں، قضایا و فیصلے اور تحقیقات علوم الہیات پر مشتمل ہیں، صرف وہی علمی و ادبی آثار، جن کی نسبت علی کی ذات صحیح اور مسلمات سے ہے اور جن سے کسی کو اختلاف نہیں، دنیا میں نفیس ترین گنجینۂ علم و ادب کو پیش کرتی ہیں علی کی تقریروں خطبوں میں "یادہ گوئی"، "جملہ بازی" "فضول لفاظی" یا لفظوں کی بھرتی نہیں پائی جاتی وہ مثل جواہر ترشے و مرصع نگار کے مناسب لفاظ کے نگینے جڑتے ہیں اور بغیر ژولیدہ بیانی کے اصل مقصد پر روشنی ڈالتے ہیں آپ کے مختصر و موجز جملے سننے والے کو خستہ نہیں کرتے، باتفاق آراء "علیؑ" قرن اول کے فصیح ترین و بلیغ ترین خطیب ہیں حضرت کے روز جمعہ کے اور دوسرے عام سیاسی خطبے سننے والوں پر اپنا اثر ڈالے بغیر رائیگاں نہیں جاتے" صرف یہی نہیں بلکہ علیؑ کے حکیمانہ اقوال و امثال آپ کے بے ہمتائی کا ثبوت ہیں یہ اقوال و افکار "ایسپ"[1] (ESOP) و لقمان کے حکیم و مواعظ کا مقابلہ کرتے ہیں علیؑ کے اقوال اور "لابروئیر"[2] (LABRUYERE) اور لارڈ شیفکولڈ[3] (LAROCHEFOUCAULD) کے اقوال کے مابین موازنہ کیا اچھا ہوتا اگر کوئی محقق اس موضوع پر تحقیق کرے، تو بہترین کام انجام دے گا اور ثابت کر سکے گا کہ فلسفۂ شرق جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے موجودہ فلسفۂ غرب سے قدر و قیمت میں کم نہیں ہے" "تاریخ قضاء و انفصال مقدمات میں علیؑ نے ایک نیا دور پیدا کیا اپنی خلافت و حکومت کے زمانہ میں باوجود "عسکری و سیاسی" مصروفیتوں کے محکمۂ دادگستری (COURT OF JUDICATURE) کو آپ نے براہ راست اپنے ہاتھوں میں رکھا۔ سب سے پہلے محکمۂ قانون اور عدالتوں کی بنیاد آپ ہی نے رکھی[4] حقیقۃ چہارم

---

[1] یونان کا ایک مشہور حکیم جس کے اقوال حکمیہ مشہور ہیں۔

[2] BRUYERE (۱۶۴۵ء — ۱۶۹۶ء) فرانس کا مشہور عالم علم اخلاق جس کی کتابیں اس موضوع پر یادگار ہیں۔

[3] LA ROCHEFOUCAULD (۱۶۱۳ء — ۱۶۸۰ء) فرانس کا مشہور مصنف 'کتاب الامثال و حکم' اس کی یادگار ہے۔

[4] حضرت کو اس امر سے اس قدر دلچسپی تھی کہ آپ اپنی مملکت کے تمام قاضیوں کو کوفہ میں جمع فرماتے، ہر قاضی کا آپ خود انتخاب کرتے، امتحان لیتے، سوالات مختلف زمانے اور ان سب کو آپ اجازت دیتے کہ وہ اپنے مشکلات کو حضرت کے سامنے پیش کریں [illegible] بو نعیم جلد ۱ صفحہ ۱۳۴ ترجمہ قاضی شریح مطبوعہ مصر

عياناً والفن يعلو مقامه فيه ايقاناً "

(مطالب السئول ص۹۸ طبع لکھنؤ)

فصاحت وبلاغت کی یہ خیر علیٰ شہادت ہو جاوے گی اور حضرت کے علوئے مقام کے متعلق یقین ایقان کا درجہ حاصل کر لیگا

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں،

النوع الخامس فی الخطب والمواعظ مما نقلته الرواة ورویته الثقاة عنه علیه السلام قد اشتمل کتاب نهج البلاغة المنسوب الیه علی انواع من خطبه ومواعظه المصدعة باوامرها ونواهیها المطلعة انوار الفصاحة والبلاغة مشرقة من الفاظها ومعانیها الجامعة حکم علوم المعانی والبیان علی اختلاف اسالیبها،

نوع خامس، خطب ومواعظ حسین کو کہ راویان ثقات نے حضرت سے روایت کیا ہے، اور حضرت کی کتاب نہج البلاغہ جو انواع خطب ومواعظ واوامر ونواہی پر مشتمل ہے جس سے فصاحت وبلاغت کی روشنی نکلتی ہے اور معانی وبیان کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

(مطالب السئول ص۱۹۰ طبع لکھنؤ)

(۲) علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی متوفی ۷۹۱ھ شرح مقاصد میں لکھتے ہیں۔

وایضاً هو افصحهم لساناً علی ما یشهد به کتاب نهج البلاغة

حضرت سب سے زیادہ فصیح اللسان ہیں جیسا کہ کتاب نہج البلاغہ گواہ ہے۔

(شرح مقاصد جلد دوم ص[illegible] طبع استامبول)

(۳) علامہ علاء الدین علی القوشجی الحنفی متوفی [illegible]ھ شرح تجرید میں لکھتے ہیں،

وافصحهم لساناً علی ما یشهد به کتاب نهج البلاغة وقال البلغاء ان کلامه دون کلام الخالق وفوق کلام المخلوق۔

حضرت سب سے زیادہ فصیح اللسان ہیں جیسا کہ کتاب نہج البلاغہ اس پر شاہد ہے اور بلغاء کا یہ قول ہے کہ حضرت کا کلام خالق کے کلام سے پست اور مخلوق کے کلام سے بلند ہے۔ (شرح تجرید علامہ قوشجی ص۴۸۶ طبع ایران)

(۴) علامہ احمد بن منصور کازرونی مفتاح الفتوح میں بضمن حالات امیر المؤمنین لکھتے ہیں۔

ومن تأمل فی کلامه وکتبه وخطبه ورسائله علم ان علمه لا یوازی علم احد وفضائله لا یشاکل فضائل احد بعد محمد صلی الله علیه وسلم ومن جملتها کتاب نهج البلاغة وایم الله لقد وقف دونه فصاحة الفصحاء وبلاغة البلغاء وحکمة الحکماء"

جو شخص غور سے حضرت کے کلام کو دیکھے اور آپ کے خطوط، خطب، رسائل پر نظر کرے تو سمجھے گا کہ [illegible] کسی کا علم حضرت کے علم کے مقابل میں نہیں بلکہ آپ کا علم سب سے بہتر ہے اور آپ کے فضائل کسی کے فضائل سے مشابہ نہیں بلکہ سب سے بالاتر ہے اور منجملہ ان کے ہے کتاب نہج البلاغہ جو تمام فصحاء کی فصاحت اور تمام بلغاء کی بلاغت اور تمام حکماء کی حکمت آپ کے مقابلہ میں پست تر ہے کوئی مقابلہ نہیں کر سکتی۔

(۵) علامہ یعقوب ابو یوسف البنانی متوفی ۱۰۹۸ھ لاہوری شرح تہذیب الکلام[۱] میں لکھتے ہیں،

"فصح ومن اراد مشاهدة بلاغته و مسامعة فصاحته فلينظر الى نهج البلاغه ولا ينبغي ان ينسب هذا الكلام البليغ الى رجل شيعي وماذكر فيه من بعض الالفاظ الموهم بخلاف ما عليه اهل السنة فعلى تقدير ثبوته عنه له محامل وتاويلات وقال البلغاء ان كلامه دون كلام الخالق وفوق كلام المخلوق"

مطرح سب سے زیادہ فصیح ہیں، پس جو شخص چاہے کہ حضرت کی بلاغت کا مشاہدہ کرے اور حضرت کی فصاحت کو سنے تو لازم ہے کہ وہ کتاب نہج البلاغہ کو دیکھے، کسی طرح بھی یہ سزاوار اور مناسب نہیں ہے کہ ایسے کلام بلیغ کی نسبت ایک مرد شیعی کی طرف کی جائے رہا یہ امر کہ نہج البلاغہ میں بعض الفاظ ایسے ہیں کہ جس سے خلاف مذہب اہلسنت کا وہم الفاظ پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے محامل وتاویلات ہیں، تمام بلیغوں کا یہ فیصلہ ہے کہ حضرت کا کلام تحت کلام خالق اور فوق کلام مخلوق ہے۔

(۶) علامہ شیخ احمد بن مصطفی معروف بہ طاشکبری زادہ کتاب شقائق النعمانیہ فی علماء الدولة العثمانیہ" میں بضمن حالات قاضی بغداد قوام الدین یوسف لکھتے ہیں،

كان رحمه الله تعالى شريفا عالما صالحا متشرعا ذا هيبة ووقار صنف شرحا جامعا للفوائد للتجريد وشرح نهج البلاغة للامام الهمام على بن ابي طالب كرم الله و تعالى وجهه

خدا بخشے وہ شریف، عالم، صالح، متشرع، زاہد باوقار، وہ با ہیبت تھے، انھوں نے تجرید کی شرح لکھی جو جامع فوائد ہے اور کتاب نہج البلاغہ کی شرح لکھی جو کلام امام ہمام علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہے۔

(شقائق نعمانیہ برحاشیہ وفیات الاعیان جلد دوم ص۴۶۹ طبع مصر)

(۷) علامہ ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ وفیات الاعیان میں بضمن حالات سید مرتضی لکھتے ہیں،

وقد اختلف الناس في كتاب نهج البلاغه المجموع من كلام على بن ابي طالب، هل هو جمعه او اخيه الرضى وقد قيل انه ليس من كلام على بن ابي طالب وانما الذى جمعه ونسبه اليه وهو الذى وضعه والله اعلم۔

نہج البلاغہ جو حضرت علی بن ابی طالب کے کلام کا مجموعہ ہے اس کے جامع کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ سید مرتضی ہیں یا ان کے بھائی سید رضی ہیں اور کہا گیا ہے کہ علی کا کلام نہیں ہے بلکہ جو جامع ہے اسی کا کلام ہے،

(وفیات الاعیان جلد دوم ص۲۳۶ طبع مصر)

اس عبارت سے لوگوں کا یہ اختلاف تو معلوم ہوا کہ اس کا جامع دونوں بھائیوں میں سے سید رضی یا سید مرتضی ہیں لیکن خود علامہ ابن خلکان کی رائے بھی معلوم ہو گئی کہ نہج البلاغہ امیر المومنین کے کلام کا مجموعہ ہے،

---

[۱] اس کتاب کے قلمی نسخے مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ میں موجود ہیں ایک نسخہ سبحان اللہ کلکشن میں ہے جس کا نمبر ۲۹۷/۱۴ / ۱۳ عربی ورق ۲۱۰ ب دوسرا مخطوطہ حبیب گنج کلکشن میں ہے نمبر ۲۳/۴۷ عربی ورق ۲۶۰ الف۔

اور ساتھ ہی ساتھ لفظ "قیل" سے اس قول کے ضعف کو بھی بتلا دیا جو اوس کو حضرت کا کلام نہیں مانتے ہیں،

(۸) قریب قریب ایسی ہی عبارت علامہ یافعی الیمنی المکی المتوفی ۷۶۸ھ نے تاریخ مرآۃ الجنان جلد سوم صفحہ ۵۵ (طبع حیدرآباد) میں لکھی ہے۔

(۹) شیخ الحدیث علامہ صدیق حسن خاں بھوپالی نے بھی ابجد العلوم میں سید مرتضیٰ کے ذکر میں یہی لکھا ہے،

وقد اختلف الناس فی کتاب نھج البلاغہ المجموع من کلام الامام علی بن ابی طالب ھل ھو جمعہ ام جمع اخیہ الرضی۔

نہج البلاغہ جو مجموعہ کلام امام حضرت علی بن ابی طالب ہے اس کے جامع کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ سید مرتضیٰ ہیں یا ان کے بھائی سید رضی (ابجد العلوم ص۵۴۷)

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ صدیق حسن خاں نہج البلاغہ کو امیر المومنین کا کلام ہونا تسلیم کرتے ہیں ان کے نزدیک صرف جامع کے متعلق اختلاف ہے نہ کہ کلام امیر المومنین ہونے میں، ابن خلکان، یافعی صدیق حسن خاں کی عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ خود یہ لوگ نہج البلاغہ کو کلام امیر المومنین سمجھتے ہیں،

(۱۰) علامہ مجد الدین ابو السعادات مبارک ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ نے اپنی مشہور کتاب نہایہ فی غریب الحدیث والاثر میں ۲۴۵ مقامات پر نہج البلاغہ کے خطب و مکاتیب کو الفاظ امیر المومنین تسلیم کرتے ہوئے ان کے لغات کو حل کیا ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، نہج البلاغہ مع شرح محمد عبدہ مطبوعہ رحمانیہ مصر کے مندرجہ ذیل صفحات کے عبارات خطب و کتب اور نہایہ ابن اثیر کے مندرجہ ذیل لغات،

(صفحات جلد اول) ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۳۲، ۳۵، ۳۷، ۳۹، ۴۰، ۴۲، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۶، ۵۸، ۶۰، ۶۶، ۶۷، ۷۲، ۷۵، ۷۷، ۷۸، ۸۳، ۸۸، ۹۲، ۹۵، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۰۰، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۵، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۴۸، ۲۵۲، ۲۶۰، ۲۶۳، ۲۷۲، ۲۸۲، ۳۰۵، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۳۰، ۳۳۵، ۳۴۸، ۳۵۳، ۳۷۰، ۳۹۴، ۴۰۳، ۴۰۵، ۴۰۷، ۴۱۲، ۴۳۳، ۴۵۳، ۴۷۰، ۴۸۵، ۴۸۷، ۴۹۴،

(جلد دوم) ۲، ۳، ۱۳، ۱۵، ۱۹، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۳۶، ۳۱، ۳۳، ۵۸، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۱، ۷۲، ۷۴، ۸۹، ۹۲، ۱۰۴، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۳۰، ۱۴۱، ۱۶۸، ۱۷۹، ۲۰۶،

نہج البلاغہ کے وہ لغات جو مندرجہ بالا صفحات میں ہیں اور جن کو ابن اثیر نے نہایہ میں یہ بتلاتے ہوئے کہ یہ امیر المومنین علیؑ کے کلام و خطب کے الفاظ ہیں حل کیا وہ یہ ہیں،

جوی، نہق، دسر، رقیم، لزب، لوط، بجر، جذ، ہجذ، شنق، سفف، نفج، خضم، ربض، حلا، زبرج، فلق،

نسم، عفط، عطف، شقشق، ذمح، خطل، ولج جوء، ذمم، زعم، بلبل، وشم، سنخ، غبش، ذرد، ذمر، ہبل، عفر، قلج، نیر، میث، دیث، حمز، سنج، صبر، ذرف، فوق، نضل، کعم، ضمر، حمس، ہصنم، بجر، ذاب، بلط، لم، مقل، دفق، ابر، شزر، لأم، قانع، شزر، نفح، قطبی، شحج، وثب، لکص، صمد، عمد، حوص، نسر، وجر، ضرع، ادد، لمص، ایم، ذیل، وحی، دمغ، جیش، ضلع، نکل، قدم، قیس، وری، بعث، شهد، امر، فوق، وذم، حیق، سعی، قفص، قصد، دہق، ہطع، رغل، قسر، سدف، شالا، حنو، شذب، یضض، غفض، علز، جرض، نحب، ظلف، دجف، خلج، کمش، شغف، دہق، سدر، غذن، کرث، فین، لعب، عفس، ال، عمہ، ازل، عرم، سجی، دقر، وکد، فلز، عدل، دشج، اید، صفح، نزع، دلج، دشج، اسل، دنا، غلا، زیف، بذرخ، نزل، شخب، مید، کفف، کنہور، ہصب، شاب، برک، بعع، ہمد، ذعر، عقبل، خلج، شظن، مرنشج، دیکر، عذم، سیح، ذیع، خضد، شفا، صرح، قبس، وری، سہد، نبث، لہم، یافخ، عکم، دباء، انج، ہمم، نسم، خلد، تلع، بخع، حدب، شقن، وذح، مرد، طرء، سمر، جنن، کنف، لضت، مہیع، شول، قلب، قلع، عنج، دیث، ارر، ضقف، دمج، ہمج، کبس، عسلج، عبد، دوا، جعجع، غیم، عقل، لفن، عنن، ہین، عقا، نق، وشل، علج، ہفا، ذن، نقم، کاد، عمذ، ولک، دبی، قزم، وجف، کفف، مضمض، عور، وحم، قرب، شکل، حدج، مصر، نقب، ظلع، نطف، حنن، عدا، اخن، کلب، جنن، زلل، ضحی، فلل، دغل، نوط، جدث، دفر، لطن، غرث، غبا، ضلع، محک، بلل، عرر، شذی، تبر، افق، حمل، رب، ہا، باس،

(۱۱) جمال الدین ابو الفضل محمد بن مکرم بن علی افریقی متوفی سنہ ۷۱۱ھ نے بھی اپنی کتاب "لسان العرب" میں مثل ابن اثیر جزری صاحب نہایہ نہج البلاغہ کے کلمات مندرجہ بالا کو حل کر کے اس کو کلام امیر المومنین ہونا تسلیم کیا ہے۔

(۱۲) علامہ محدث محمد طاہر فتنی گجراتی نے بھی اپنی کتاب مجمع بحار الانوار میں مندرجہ بالا مکتوبات خطبات نہج البلاغہ کے الفاظ و فقرات کو نقل کر کے حل کیا ہے اور اس کی تصدیق کی ہے کہ یہ امیر المومنین کا کلام ہے۔

(۱۳) علامہ ابو حامد عبد الحمید بن ہبۃ اللہ معروف بہ ابن ابی الحدید مدائنی بغدادی متوفی سنہ ۶۵۶ھ جنہوں نے نہج البلاغہ کی مبسوط شرح لکھی ہے اور جس شرح کے متعلق استاد محمد کرد علی رئیس مجمع علمی دمشق یہ فرماتے ہیں۔

اما شرح ابن ابی الحدید فلا یسع طالب العلم الا مدارستہ علی ما یری استاذی الشیخ سلیم البخاری فان فیہ فی دلا ممتعۃ فی اخبار الصدر الاول وما بعدہ وفی الادب والشعر والخطب لا یستغنی عنہا باحث

ابن ابی الحدید کی شرح ایک ایسی کتاب ہے کہ میرے استاد شیخ سلیم بخاری کی رائے کے موافق طالب علم کے لیے اس کو درسی حیثیت سے پڑھنا ضروری ہے کیونکہ اس میں صدر اول اور اس کے بعد کے تاریخی واقعات نیز ادب، شعر، اور خطبوں کا ایک انتہائی مفید ذخیرہ موجود ہے جس سے کوئی تحقیق کرنے والا طالب علم

مستفید مستغنی نہیں ہو سکتا'

(الهلال جلد ۳۵، جزء ۵ بابت مارچ ۱۹۲۷ء مطابق ۱۳۴۵ھ)

شیخ کمال الدین عبدالرزاق بن احمد بن ابی المعالی الشیبانی الفوطی کتاب مجمع الاداب فی معجم الالقاب میں بضمن حالات ابن ابی الحدید ان کی شرح کے متعلق لکھتے ہیں۔

وقد احتوی علی مالا یحتوی کتاب من جنسہ۔

یہ شرح ایسے تحقیقات پر مشتمل ہے کہ دوسری کوئی کتاب اس کے مماثل نہیں۔

اسی شرح میں ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔

امّا الفصاحة فھو امام الفصحاء و سید البلغاء وعن کلامہ قیل دون کلام الخالق دفوق کلام المخلوقین" ویکفی ھذا الکتاب الذی نحن شارحوہ دلالة علی انہ لایجاری فی الفصاحة ولایباری فی البلاغة۔"

حضرت کی فصاحت کا یہ عالم ہے کہ آپ فصحاء کے امام اور بلغاء کے سردار ہیں آپ ہی کے کلام کے متعلق یہ مقولہ ہے کہ وہ خالق کے کلام کے نیچے اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے۔ (اور ثبوت میں) کافی ہے یہی کتاب نہج البلاغہ جس کی ہم شرح لکھ رہے ہیں جو یہ دلالت کرتی ہے کہ حضرت فصاحت میں وہ بلند درجہ رکھتے ہیں کہ کوئی آپ کے ساتھ چل نہیں سکتا اور بلاغت میں مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔

صرف یہی نہیں کہ ابن ابی الحدید نے اس کا اقرار کیا ہے کہ یہ نہج البلاغہ امیرالمومنین کا کلام ہے بلکہ بہت ہی زور و شور کے ساتھ منکرین کی رد کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ بلاشک وشبہہ امیرالمومنین کا کلام معجز نظام ہے۔

(۱۴) الاستاذ الاکبر مصلح کبیر شیخ محمد عبدہ مفتی دیار مصریہ شارح نہج البلاغہ بھی بغیر کسی ریب و شک کے امیرالمومنین ہی کا کلام تسلیم کرتے ہیں، جیسا کہ موصوف کی اس فصیح و بلیغ عبارت سے ظاہر ہے جو موصوف کی شرح میں بطور مقدمہ ہے، علامہ موصوف کا یہ اعترافی مقدمہ اتنا مہتم بالشان وجلیل القدر ہے کہ اس کو علامہ سید احمد الهاشمی بک نے اپنی کتاب "جواہر الادب فی ادبیات وانشاء لغة العرب" میں یہ تمام وکمال زیرعنوان وصف نہج البلاغہ الامام المرحوم الشیخ محمد عبدہ المتوفی ۱۳۲۲ھ میں نقل فرمایا ہے (جواہر الادب طبع چہاردہم حصہ اول صفحہ ۳۱۷، ۳۱۸ طبع مصر)

اسی مقدمہ میں مفتی محمد عبدہ نہج البلاغہ کی تعریف وتوصیف کے بعد لکھتے ہیں۔

ذالك الكتاب الجليل هو جملة ما اختاره السيد الشريف الرضي رحمة الله من كلام سيدنا ومولانا امير المومنين علي بن ابي طالب كرم الله وجهه، جمع متفرقه وسماه بهذا الاسم

وہ کتاب جس میں یہ سب اوصاف موجود ہیں یہی ہے جسے سید شریف رضی رحمہ اللہ نے منتخب کیا ہے کلام سیدنا ومولانا امیرالمومنین کرم اللہ وجہہ سے اور اس کے متفرق کو جمع کیا اور نہج البلاغہ کے نام سے اس کو موسوم کیا اور

نہج البلاغہ ولا اعلم اسما الیق بالدلالۃ علی معناہ منہ ولیس فی وسعی ان اصف ھذا الکتاب بازید مما دل علیہ اسمہ ولا ان اتی بشئی فی بیان مزیتہ فوق ما أتی بہ صاحب الاختیار کما ستراہ فی مقدمۃ الکتاب ولولا ان غرائز الجبلۃ وقواضی الذمۃ تفرض علینا عرفان الجمیل لصاحبہ وشکر المحسن علی احسانہ لما احتجنا الی التنبیہ علی ما اودع نہج البلاغۃ من فنون الفصاحۃ وما خص بہ من وجوہ البلاغۃ خصوصاً وھو لم یترک غرضاً من اغراض الکلام الا اصابہ ولم یدع للفکر ممراً الا اجابہ۔

میں تو اس سے بہتر کوئی نام نہیں جانتا جو اپنے معانی پر دلالت کر سکے اور نہ مجھ میں اس کی قدرت ہے کہ اس سے زیادہ اس کی توصیف کر سکوں جو خود نام سے ظاہر ہے اور نہ اس کتاب کے فضل و مرتبت کو اس سے زیادہ بتا سکتا ہوں جیسے خود جامع نے شروع کتاب کے مقدمہ میں بیان کیا ہے اگر شکر منعم واجب نہ ہوتا اور محسن کا احسان ظاہر کرنا لازم نہ ہوتا تو اس کی ضرورت نہ تھی کہ ہم اس کتاب نہج البلاغہ کے محاسن و فوائد پر کچھ متنبہ کرتے کہ کس کس طرح اس نے فنون فصاحت کی تعلیم دی، اور وجوہ بلاغت کی ہدایت کی، کلام کی کوئی غرض ایسی نہ رہی جو اس کتاب کی بدولت پوری نہ ہو اور نہ قوتِ فکر کے لیے کوئی راہ باقی رہی جس کی اس نے راہ نمائی نہ کی ہو،

مفتی محمد عبدہ، آگے چل کر فرماتے ہیں :۔

ولیس فی ھذہ اللغۃ الاقائل بان کلام الامام علی بن ابی طالب ھو اشرف الکلام وابلغہ بعد کلام اللّٰہ تعالیٰ وکلام نبیّہ اغزرہ مادۃ وارفعہ اسلوباً واجمعہ لجلائل المعانی، فاجدر بالطالبین لنفائس اللغۃ والطامعین فی التدرج لمراقیھا ان یجعلوا ھذا الکتاب اھم محفوظھم وافضل ماثورھم مع تفھم معانیہ فی الاغراض التی جاءت لاجلھا وتامل الفاظہ فی المعانی التی صیغت للدلالۃ علیھا لیصیبوا بذالک افضل غایۃ وینتھوا الی خیر نھایۃ ؏۔

عرب اہل زبان میں ہر شخص اس بات کا قائل ہے کہ حضرت امام علی بن ابی طالب کا کلام خدا اور رسولؐ کے کلام کے بعد شرف بلاغت میں سب سے زیادہ معنی خیز اور انداز بیان میں بلند تر اور بزرگ ترین معانی کے لحاظ سے زیادہ جامع ہے، لہذا عربی علم ادب کے نفیس ذخیروں کے طلبگاران اور اس کے بلند مرتبوں میں سے تدریجی ترقی کے آرزومندوں کے لیے بہترین ذریعہ ہے کہ وہ اس کتاب نہج البلاغہ کو اپنے محفوظات اور منقولات میں اہم اور بہترین درجہ عطا کریں اس کے ساتھ اس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش بھی کریں اُن مقاصد کے لحاظ سے جن کے لیے وہ معانی لائے گئے ہیں اور الفاظ میں غور کریں ان معانی کے لحاظ سے جن کے ادا کرنے کے لیے وہ الفاظ ڈھالے گئے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے اس کا بہترین مقصد حاصل ہو۔

(۱۵) استاذ شیخ محمد حسن نائل المرصفی مصری شارح نہج البلاغہ بھی نہج البلاغہ کو بے کم و کاست امیرالمومنین کا کلام تسلیم کرتے ہیں، وہ اپنی شرح کے مقدمہ میں "کلمۃ فی اللغۃ العربیۃ" کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

ولقد كان المجلى فى هذه الحلبة
على صلوات الله عليه وما حسبنى احتاج فى
اثبات هذا الى دليل اكثر من نهج البلاغة ذالك
الكتاب الذى اقامه الله حجة واضحة على
ان عليا رضى الله عنه قد كان احسن مثال حى
لنور القرآن وحكمته وعلمه وهدايته واعجازه
وفصاحته، اجتمع لعلى فى هذا الكتاب ما لم
يجتمع لكبار الحكماء واخذ افذا الفلاسفة ونوابغ
الربانيين من ايات الحكمة السامية و
قواعد السياسة المستقيمة ومن كل موعظة
باهرة وحجة بالغة تشهد له بالفضل وحسن
الاثر خاض على فى هذا الكتاب لجة العلم
والسياسة والدين فكان فى كل هذه المسائل
نابغة مبرزا ولئن سالت عن مكان كتابه
من الادب بعد ان عرفت مكانه من العلم فليس
فى وسع الكاتب المسترسل والخطيب المصقع
والشاعر المفلق ان يبلغ الغاية من وصفه
والنهاية من تقريظه وحسبنا ان نقول انه
الملتقى الفذ الذى التقى فيه جمال الحضارة
وجزالة البداوة والمنزل الفرد الذى اختارته
الحقيقة لنفسها منزلا تطمئن فيه وتاوى
اليه بعد ان زلت بها المنازل فى كل لغة"

على هذا الاصل نقول ان نهج البلاغة
ليس كغيره من الكتب العلمية او الادبية
التى يستفيد الناس من القراءة فيها بل
هو كتاب تتجلى فيه روح شريفة يكسب
القارى فى هذا الكتاب منها العصبية

میدان فصاحت و بلاغت میں سب سے آگے بڑھنے
والے شہسوار حضرت علی صلوات اللہ علیہ ہیں اس دعویٰ
کے اثبات کے لیے نہج البلاغہ کے بعد کسی دلیل کی ضرورت
نہیں ہے یہ کتاب وہ ہے جسے اللہ نے اس امر کی واضح
حجت قرار دیا ہے کہ حضرت علیؑ قرآن کے نور و اعجاز اس کی
حکمت و بلاغت اور علم و ہدایت کی زندہ مثال ہیں، یہ
کتاب جو حضرت کی بہترین آثار ہونے کی حیثیت سے
آپ کے فضل و شرف پر گواہ ہے اس میں وہ سب کچھ موجود
ہے جسے آپ اعلیٰ علم و حکمت کے آیات، صحیح سیاست
کے اصول و قواعد اور روشن مواعظ و محکم دلائل کی حیثیت
سے بڑے بڑے حکماء، سربرآوردہ فلاسفہ و باکمال علماء
ربانی کے یہاں بھی نہ پا سکیں گے اس کتاب میں علی ابن ابی طالب
قلزم علم و دین و دریائے سیاست و تدبیر میں شناوری
کرنے اور اس میں ڈوب کر تہہ کی خبر لانے والے ہیں، علمی
سیاسی، دینی مسائل کا جاننے والا آپ سے بہتر کوئی
دوسرا نہیں ہے آپ کو سب پر فوقیت حاصل ہے،
علمی حیثیت کو معلوم کرنے کے بعد اگر نہج البلاغہ کے ادبی
مرتبے کو معلوم کرنا چاہو تو بس یہ کہنا کافی ہے کہ باکمال کاتب
و ادیب، قادر الکلام شاعر و خطیب کو یہ قدرت نہیں کہ
اس کتاب کی ادبی خوبیوں اور محاسن کلام کو جیسا چاہیے
بیان کر سکے ہاں اتنا سمجھ لو کہ صرف یہی ایک ایسی کتاب
ہے جس میں حضارت و تمدن کی خوبیاں لطافت اور بداوت
و عصر جاہلیت کی شیوہ بیانی و فصاحت کا اجتماع ہے اور
تنہا یہی کتاب ایک ایسی منزل ہے جس میں حقیقت نے
اطمینان و سکون کے ساتھ قیام کیا ہے جب کہ دوسری
زبانوں میں قیام ممکن نہ ہو سکا، اس بنیاد پر میں یہ کہتا ہوں
کہ نہج البلاغہ ان علمی و ادبی کتابوں کی طرح نہیں ہے جن سے

للحق والشدة فی الدین والقصد فی الحکمة و السیاسة وعندنا ان الذین تسیمون الی الاصلاح فی هذا البلد یجب علیهم ان یتخذوا هذا الکتاب اماماً فی اصلاحهم من جهاته اللغویة والعلمیة والدینیة وان الناشئین اذا تأثروا هذا الکتاب فی العبارة وصدق النظر لیبلغوا من قوتی العقل واللسان تلك المنزلة التی نتمناها لهم و نودّ ان ویصلون الیها فی وقتٍ قریب۔

لوگ مستفید ہوتے ہیں بلکہ وہ ایک ایسی مثالی کتاب ہے جس میں ایک پاکیزہ و باشرف روح جلوہ نما ہے اس کتاب کا پڑھنے والا عصبیت حق، شدت دین اور حکمت سیاست کو حاصل کرتا ہے میرے نزدیک وہ لوگ جو اس ملک کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اپنے اصلاحی امور میں اس کتاب کو اپنا رہبر بنائیں عام اس کے کہ وہ اصلاح علمی، دینی یا لسانی ہو اور ہماری قوم کے ابھرنے والے نوجوان اگر نہج البلاغہ کے عبارات و مطالب سے متاثر ہوں تو وہ عقل و زبان کی اس قوت تک پہونچ سکتے ہیں جس کی ہم سب تمنا کرتے ہیں اور جس مرتبہ کمال تک رسائی کو مستقبل قریب میں ہم دوست رکھتے ہیں۔ (شرح نہج البلاغہ للاستاذ الشیخ محمد حسن نائل المرصفی مقدمۃ الشارح ص ۳، ۴، ۵، ۶ طبع دار الکتب العربیہ مصر)

(۱۶) مرصفی کی شرح جو دار الکتب العربیہ مصر میں چھپی ہے اس کے شروع میں ایک مقدمۂ ادبیہ استاذ محمد الزہری الغمراوی کا بھی ہے اس مقدمہ میں زیر عنوان "طبقات الفصحاء" استاذ محمد الزہری الغمراوی لکھتے ہیں۔

ولم ینقل عن احد من اهل هذه الطبقات ما نقل عن امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم الله وجهه فقد اشتملت مقالاته علی المواعظ الزهدیة والمناهج السیاسیة والزواجر الدینیة والحکم النفسیة والآداب الخلقیة والتوحید والاشارات الغیبیة و الردود علی الخصوم والنصائح علی وجه العموم وقد احتوی علی غرر کلامه کرم الله وجهه کتاب نهج البلاغة الذی جمعه وهذبه ابو الحسن محمد بن طاهر المشهور بالشریف الرضی رحمه الله واثابه ورضاه،

طبقہ اصحاب میں کسی ایک سے بھی اتنے آثار علمیہ کو نہیں نقل کیا گیا جس قدر کہ امیر المومنین علیؑ سے نقل کیا گیا ہے حضرت کے مقالات، وعظ و نصیحت، آداب حکمت، تہذیب نفس، سیاست مدن، مسائل توحید مباحث الٰہیات، اشارات غیبی اور مخالفین کے جوابات کے مضامین پر مشتمل ہیں (اس لحاظ سے) کتاب نہج البلاغہ حضرت کے بہترین کلام کو اپنے میں سموئے ہوئے ہے جس کو شریف رضی ابو الحسن محمد بن طاہر نے جمع فرمایا ہے۔

(شرح المرصفی، المقدمۃ الادبیہ للغمراوی صفحہ ۵، ۵)

(۱۷) استاد محمد محی الدین عبد الحمید پروفیسر لغت عربی جامعۃ الازہر نے نہج البلاغہ پر تحقیقی شرح و تعلیقی حواشی تحریر کیا ہے جو علامہ محمد عبدہ کی شرح کے ساتھ مطبع استقامۃ مصر سے شائع ہوئی ہے اس

اڈیشن میں استاد موصوف نے ایک مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جس میں نہج البلاغہ کے استناد و اعتبار پر سیر حاصل بحث کی ہے، اسی مقدمہ میں وہ تحریر فرماتے ہیں،

وبعد فهذا كتاب نهج البلاغة وهو ما اختاره الشريف الرضي ابو الحسن محمد بن الحسن الموسوي من كلام امير المؤمنين علي بن ابي طالب وهو كتاب الذي جمع بين دفتيه عيون البلاغة رضي الله عنه وفنونها وتهيأت به للناظر فيه اسباب الفصاحة ودنا منه قطافها اذ كان من كلام افصح الخلق بعد الرسول صلى الله عليه وسلم منطقاً واشدهم اقتداراً وابرعهم حجة واملكهم للغة يديرها كيف شاء الحكيم الذي تصدر الحكمة عن بيانه والخطيب الذي يملأ القلب سحر لسانه العالم الذي تهيأ له من خلاط الرسول والكتابة الوحي والكفاح عن الدين بسيفه ولسانه منذ حداثته ما لم يتهيأ لاحد سواه۔

یہ کتاب نہج البلاغہ امیر المومنین علی بن ابی طالب کے کلام کا وہ انتخاب ہے جسے شریف رضی ابو الحسن محمد بن حسن موسوی نے جمع کیا ہے، یہ وہ کتاب ہے جو اپنے اندر بلاغت کے نمایاں خصوصیات اور اس کے ہنروں کو لیے ہوئے ہے اور دیکھنے والے کے لیے اس میں تمام اسباب فصاحت کے فراہم ہیں اور ثمرہ اس کا سامنے موجود ہے اس لیے کہ یہ اس بزرگ کا کلام ہے جو رسول اللہ کے بعد تمام خلق خدا میں فصاحت گفتار اور قدرت کلام اور قوت استدلال میں سب سے زیادہ تھا اور لغات عرب پر سب سے زیادہ قابو رکھتا تھا کہ جس صورت سے چاہتا تھا انھیں گردش دیتا تھا وہ حکیم کامل جس کے بیان سے حکمت کے سبق حاصل ہوتے ہیں اور وہ خطیب جس کی جادو بیانی دلوں کو بھر دیتی ہے وہ عالم جس کو کمسنی ہی سے وہ خصوصیات حاصل ہوئے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں تھے، وہ بچپنے ہی سے رسول اللہ کے ساتھ رہا کتابت وحی کی، اور تیغ و زبان دونوں سے دین کی نصرت کی،

(نہج البلاغہ مع شرح محمد محی الدین عبد الحمید صفحہ ۳ اول طبع استقامۃ مصر)

(۱۸) مشہور ادیب و خطیب علامہ شیخ مصطفٰی غلائینی استاذ التفسیر واللغۃ والآداب العربیہ فی کلیۃ الاسلامیۃ بیروت اپنی کتاب اریج الزہر میں زیر عنوان "نہج البلاغہ واسالیب الکلام العربی" ایک مبسوط مقالہ کے تحت میں تحریر کرتے ہیں۔

من احسن ما ينبغي مطالعته لمن يتطلب الاسلوب العالي كتاب نهج البلاغة للامام علي رضي الله عنه وهو الكتاب الذي انشأت هذا المقال لاجله فان فيه من بليغ الكلام والاساليب المدهشة والمعاني الرائقة ومناحي الموضوعات الجليلة ما

بہترین چیز جس کا مطالعہ لازم ہے اس شخص کو جو زبان عربی کے بلند معیار تحریر کو حاصل کرنا چاہتا ہے وہ حضرت امام علیؑ رضی اللہ عنہ کی کتاب نہج البلاغہ ہے، یہ کتاب وہ ہے جس کے لیے خاص طور سے میں نے اس مضمون کی بنیاد ڈالی ہے کیونکہ اس کتاب میں بلیغ کلام اور حیرت انگیز طرز تحریر اور جاذب نظر معانی اور مختلف عظیم الشان موضوعات

يجعل مطالعه اذا زاوله مزاولة صحيحة بليغا فى كتابته وخطابته ومعانيه فانى اقتناء هذا الاثر العظيم ياطلاب الاسلوب العالى ورواد الكلام البليغ فان فيه ما ترغبون.

مقاصد کے خصوصیات ایسے ہیں جو مطالعہ کرنے والے کو اگر صحیح ذوق رکھتا ہے اور پورے طور سے اسکی مزاولت رکھے تو فصیح و بلیغ انشاء پرداز اور مقرر بنا سکتے ہیں، میں دعوت دیتا ہوں اس یادگار کتاب کی طرف ان لوگوں کو جو عربی کے بلند اسلوب تحریر کے اور کلام بلیغ کے مشتاق ہیں وہ اس کتاب میں اپنے مقصد کو پورے طور سے موجود پائیں گے۔

(۱۹) علامہ ابوالنصر (پروفیسر بیروت یونیورسٹی) نے اپنی کتاب "حیات علی بن ابی طالب" کی اکتیسویں فصل میں جو امیرالمومنین کے آثار ادبی کے متعلق ہے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ نہج البلاغہ بغیر کسی شک و شبہ کے امیرالمومنین کا کلام ہے، جس کو شریف رضی نے جمع کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ "نہج البلاغہ" علی بن ابی طالب کی عظیم شخصیت کا مظہر ہے۔

(۲۰) عصر حاضر کا مشہور ادیب و مورخ الاستاذ الشیخ عبداللہ العلائلی البیروتی نے بھی اپنے مصنفات میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ نہج البلاغہ حضرت علیؑ کا مستند کلام ہے جس کو سید رضی نے جمع فرمایا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ علائلی نے اپنی ایک مستقل تالیف "تاریخ علی الفلسفی والادبی" میں نہایت ہی تحقیق و تدقیق کے ساتھ اس امر کو ثابت کیا ہے کہ نہج البلاغہ بہ تمام و کمال امیرالمومنین ہی کا کلام ہے جیسا کہ "تاریخ الحسین نقد و تحلیل" کے آخر میں بضمن مصنفات علائلی اس کا ذکر ہے۔ افسوس کہ یہ کتاب ہم تک ابھی نہیں پہنچی۔

(۲۱) دکتور عمر فروخ اپنی کتاب "المنہاج فی الادب العربی و تاریخہ" میں یوں اعتراف کرتے ہیں۔

"فكان الرسول صلى الله عليه وسلم و الخلفاء الراشدون وامراء الجيوش وولاة الامصار والقضاة من الخطباء ضرورة غير ان بعضهم كان اخطب من بعض فعلى بن ابى طالب كان خطيبا مفوها فوق عثمان بن عفان وعمر بن الخطاب ولا غرو فكلام على ياتى فى مراتب البلاغة بعد القرآن والحديث"

رسول اللہ صلعم، خلفاء راشدین، لشکروں کے سردار، والیان شہر اور قضات یہ سب کے سب خطباء میں سے تھے اگرچہ ان میں سے بعض خطیب تر ہیں بعض سے، اور علی بن ابی طالب میدان خطابت میں عمر بن خطاب و عثمان بن عفان ان سب سے بڑھ چڑھ کر ہیں اس لیے کہ آپ فطری و وھبی خطیب ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ علیؑ کا کلام قرآن و حدیث کے بعد مراتب بلاغت میں سب سے بلند ہے۔

كان على بن ابى طالب خطيبا وشاعرا و حكيما قال ابوزيد القرشى (جمهرة اشعار العرب ۱۹/۲ وراجع ايضاً العمده (۲) ولم يبق احد من اصحاب رسول الله الا وقد قال الشعر..... قال

علی بن ابی طالب بہ یک وقت خطیب، شاعر اور حکیم ہیں ابوزید قرشی کہتا ہے کہ اصحاب پیغمبر میں سبھی نے اشعار کہے، علی بن ابی طالب کا یہ

علی بن ابی طالب علیہ السلام سے

الاطرق الناعی بلیل فراعنی
دأرّقنی لما استقر منادیا

شعر ہے سے

الاطرق الناعی بلیل فراعنی
دأرّقنی لما استقر منادیا

(تجوۃ اشعار العرب ۱۹۶۴ المعدہ ۲۱)

"للامام دیوان متداول فیہ نحو الف وار بعمائۃ بیت اکثرھا ینطق عن بلاغۃ عرف بہا علی بن ابی طالب ووجہ الصواب ان علیا کان مقتدرا علی قول الشعر ولکن الذی وصل الینا من الشعر المنسوب الیہ منحول الکثرۃ علی ان الذی لاریب فیہ ان علیا کان خطیبا ممتازا من مشاہیر الخطباء تدل علی ذالک خطبہ' المتفرقۃ فی کتب الادب وخطبہ مجموعۃ فی نہج البلاغہ وخطب علی بن ابی طالب تقصار علی الاکثر' موجزۃ' قصیرا لجمل متینۃ الترکیب' جامعۃ لاوجہ البلاغۃ واضحۃ المقاصد' تکثر فیہا الکلم الجوامع و معظم خطبہ فی السیاسۃ وفی ذم العامۃ من اتباعہ وأقلہا فی الزھد"

امام علی بن ابی طالب کا ایک دیوان متداول ہے جس میں ایک ہزار چار سو ابیات ہیں لیکن ان میں سے اکثر اشعار علی بن ابی طالب کی مشہور و معروف بلاغت سے خالی ہیں اور صحیح و درست بات تو یہ ہے کہ علی بن ابی طالب کو شاعری پر اقتدار تام حاصل تھا لیکن ہم تک جو اشعار آپ کی طرف منسوب ہو کر پہونچے ہیں ان میں سے اکثر منحول ہیں اور آپ کی طرف غلط منسوب ہیں لیکن باوجود اس کے اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ آپ کو خطابت پر پوری قدرت حاصل تھی آپ قادر الکلام باکمال خطیب ہیں اور مشاہیر خطباء میں آپ کا شمار ہے۔

(المنہاج فی الادب العربی وتاریخہ' جلد اول صفحات ۱۰۴' ۱۰۵' ۱۰۶' طبع بیروت ۱۹۵۹ء طبع اول)

اس امر پر آپ کے متفرق خطبے جو کتب ادب میں پراگندہ موجود ہیں اور آپ کے وہ سب خطبے جو کتاب نہج البلاغہ میں مجموعی حیثیت سے ہیں ہمارے دعوے پر دلیل ہیں' آپ کے اکثر خطبے قصیر' موجز' ہیں جن میں چھوٹے چھوٹے جملے ہیں جو باعتبار اپنی ترکیب کے مضبوط ومتین ہیں' جو وجوہ بلاغت کے جامع ہیں اور اپنے بیان ومقاصد کو واضح وروشن کرنے والے ہیں جن میں جوامع حِکَم (پر از حکمت جملے) بکثرت پائے جاتے ہیں' زیادہ تر خطبے سیاسی اور ایسے عوام کی مذمت پر مشتمل ہیں جو آپ کی پیروی سے کوتاہی کرتے تھے اور کچھ زہد کے مضامین پر مشتمل ہیں۔

(۲۲) موجودہ مصر کے مشہور اساتذہ واد باء علی جندی عمید کلیہ دار العلوم (ڈین فیکلٹی آف سائنس) محمد صالح سمک استاد معاہد العلیا (پروفیسر ڈگری کالج) محمد ابوالفضل ابراہیم رئیس قسم العربی دار الکتب (صدر شعبۂ ادبیات عرب نیشنل لائبریری) نے مل کر ایک گرانقدر تحقیقی کتاب کو تالیف کیا ہے' جس کا نام ہے "اطوار الثقافۃ والفکر فی ظلال العروبۃ والاسلام" اس کتاب میں یہ مصنفین امیر المومنین کی پر عظمت شخصیت کمال علم وشجاعت اور آفاقی سیرت وکردار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وصفوة القول انه كان كرم الله وجهه
اُمّة وحده ويمتد بنا نفس القول اذا
تناولناه من جميع نواحيه لذالك نقتصر
على الجوانب التي تتصل بالهبات العقلية
واللسانيّه '

اول ما يلفت النظر كثرة ما ورد الينا
من خطبه ورسائله وما يتصل بها من مواعظ
والادعيّه والاجوبة وغيرها ولا شك ان
ذالك يرجع الى حرص اتباعه على اثاره و
عنايتهم بحفظها ' ويصرح المسعودى
بان الذى حفظه الناس عنه من خطبه
فى سائر مقاماته اربعمائة خطبة ونيف
وثمانون خطبته اوردها على البديهة وتداول
الناس عنه قولا وعملا وقد جمع الشريف
جملة وافرة منها فى كتابه الموسوم بنهج البلاغة
ومع هذه الكثرة التى تملاء العين والصدر
فقد هدأها بالمختار من محاسن الخطب ثم
محاسن الكتب ثم محاسن الحكم والاداب مفردا
لكل صنف من ذالك بابا وقد انتهى الشريف
الرضى من جمع ما ضمنه هذ الكتاب فى
رجب سنة ... ٤ وقد ترك فى آخر كل باب
اوراقا بيضاء لتكون وسيلة لاستدراك ما
عساه يشذ عنه عاجلا ويقع اليه اجلاً '
وكلمة المختار تفيد ان آثار الامام اكثر من
ذالك وان الرضى قد حصلها كلها او جلها
حتى تسنّى له ان يتخير منها فياخذ بعضها
ويترك الآخر واذا صح ذالك فلم رضى الرضى ان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق برگزیدہ
قول و پاکیزہ بات یہ ہے کہ خود آپ کی تنہا ذات
ستودہ صفات بجائے ایک فرد کے ایک امت ہے
اور اس قول کو واضح کرنے میں بڑا پھیلاؤ ہو جاوے
اگر ہم آپ کی پرعظمت شخصیت پر تمام جہات سے بحث
کریں اس لیے اس محل پر ہم صرف ایک ہی گوشہ و پہلو
کو سامنے رکھتے ہیں اور وہ آپ کی عقلی و لسانی بخششیں
ہیں جن کو آپ نے دنیا کو عطا فرمایا ہے پہلی ہی نگاہ
میں آپ کے خطبے، رسائل، مواعظ، ادعیہ، جوابات
سامنے آتے ہیں جو بکثرت آپ سے وارد ہوئے ہیں
اور اس میں شک نہیں اس قسم کے آپ کے بکثرت
آثار کا پایا جانا یہ نتیجہ ہے اس امر کا کہ آپ کے متبعین
ان آثار کو محفوظ کرنے کے لیے زیادہ حریص و متوجہ ہیے
مورخ مسعودی نے صراحت کے ساتھ بتلایا ہے کہ آپ کے
مختلف مقامات کے خطبوں کو جنھیں آپ نے فی البدیہہ
ارشاد کیا تھا ان میں سے چار سو اسی سے زیادہ خطبے
ایسے ہیں جن کو لوگوں نے زبانی یاد کر لیا تھا اور یہ خطبے
لوگوں میں عام طور سے متداول تھے اور شریف رضی
نے ان خطبات کے معتدبہ حصہ کو اپنی کتاب
نہج البلاغہ میں جمع کر دیا ہے اتنے کثیر خطبے جن سے
نگاہیں سیر اور سینے پر ہو جائیں۔ شریف رضی نے
اپنی کتاب میں محاسن خطب، محاسن کتب، محاسن
حکم و آداب کا انتخاب کیا اور ہر ایک کو ایک مستقل باب
میں جگہ دی، ماہ رجب ۴۰۰ھ میں سید رضی نے
نہج البلاغہ کو ختم کیا اور ہر باب کے آخر میں انھوں نے
سادہ اوراق چھوڑ دیئے تاکہ جو کلام جلدی میں رہ گیا
ہے وہ بعد میں اپنی جگہ پر ضبط و مدون ہو سکے، اور یہ

يفضل جزأ منها،

وكلام علیؑ متوازن فی روعته وجلاله متشاکل فی جماله وکماله وما محاسن شئ کلهٔ حسن!

"ان علیا تربی فی حجر الرسول صلعم واسلم علی یدیه صبیا فتلقی عنه میراث العلم والحکمة حتی قال ابن عباس ما رأیت اعلم من علیؑ وقد نهل وعل من ینبوع فصاحته وبلاغته فخرج نسیج وحده فی قوة المنطق وطلاقة اللسان وسحر البیان فعد افصح الناس وابلغهم بعد الرسول الکریم وکان علی قوله مسحة العلم الالهی و عبقة من الکلام النبوی وهو - الی ذالك کما یقول قدامه ممن برع فی المعنیین من الایجاز والاطالة فسلم فی الایجاز من التقصیر وفی الاطالة من الاسهاب و التکثیر وتقدم الناس جمیعا فی ذالك لتقدمه فی سائر فضائله وله من الخطب الطوال المشهورة الزهراء والغراء والبیضاء وغیرهن مما قد حمل عنه ونقل الینا مع ان قدامه کان ظاهر التشیعؑ الا انه لم یجاوز الحق فی قوله ویکفی الدلالة علی میزة علی البیانیة ان عبد الحمید الکاتب سئل ما الذی خرجت فی البلاغه؟ فقال حفظ کلام الاصلع یعنی علیا وکان رضی الله عنه اصلع"

(اطوار الثقافة والفکر فی ظلال العروبة والاسلام جلد دوم صفحات ۵۳، ۵۴، ۵۵ مطبوعہ مصر طبع اول سنہ ۱۹۶۰ء)

لفظ مختار (بمعنی انتخاب) جو سید رضی نے ہر باب کے شروع استعمال کیا ہے یہ بتلاتا ہے کہ امام کا کلام جو نہج البلاغہ میں ہے اس سے کہیں زیادہ تھا جو سید رضی کے پیش نگاہ تھا اور جس سے انتخاب کرنے کا سید رضی کو موقع ملا کچھ کو لیا اور کچھ کو چھوڑا اگر یہ درست ہے تو بقیہ کلام سے غفلت برتنے پر وہ کیوں راضی ہوئے (در اصل سید رضی کلام علیؑ کو پرکھنے اور سمجھنے والے تھے جو ان کی کسوٹی میں پورا اترا اسے لے لیا اور جو معیار کے مطابق نہ تھا اس کو چھوڑ دیا یہ انداز تالیف خود مندرجات نہج البلاغہ کے مستند کلام امیر المومنین ہونے کا ثبوت ہے۔)

علیؑ کا کلام حسن و جلال میں یکساں ہے اور جمال و کمال میں سب کا سب ایک دوسرے سے متشابہ و متشاکل ہے حسن و خوبصورتی میں فرق نہیں رکھتا بلکہ پورا کلام حسین و خوبصورت ہے۔

(بات یہ ہے کہ) علیؑ نے رسول اللہ کی گود میں پرورش پائی اور بچپنے ہی میں اعلان اسلام کیا اس پیغمبر سے آپ نے علم و حکمت کی میراث کو پایا، ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو علیؑ سے زیادہ اعلم نہیں پایا آپ پیغمبرؐ کی فصاحت و بلاغت کے چشمے سے خوب چھک کر سیراب ہوئے۔ اسی لیے قوت منطق، طلاقت لسان، سحر بیان میں آپ آنحضرت صلعم کے برابر ہو گئے اور آنحضرتؐ کے بعد آپ سب سے زیادہ فصیح و بلیغ سمجھے و مانے گئے اور آپ کے کلام کے متعلق یہ قول صحیح و درست ہے کہ علیؑ کا کلام علم الٰہی کا نمونہ ہے اور پیغمبرؐ کے کلام کی اس میں خوشبو ہے آپ کا کلام اس منزل پر ہے جس کے متعلق قدامہ کا سا

ناقد ادب کہتا ہے کہ آپ کا کلام ایجاز و اطناب دونوں اعتبار سے سب پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ آپ کا کلام موجز تقصیر اور کمی کے عیب سے پاک ہے اور آپ کا طولانی کلام فضولیات اور بے جا تکثیر سے مبرا ہے اور اس امر خاص میں بھی آپ کو تمام لوگوں پر تقدم حاصل ہے جس طرح آپ کو تمام فضائل میں لوگوں پر فوقیت ہے آپ کے طولانی خطبے مشہور ہیں جیسے خطبۂ زہرا، خطبۂ غرا، خطبۂ بیضاء وغیر ذالک جن کو لوگوں نے آپ سے سن کر ہم تک پہونچایا، باوجودیکہ قدامہ کی شیعیت ظاہر ہے لیکن اُس نے اپنے اس قول میں حق و صداقت سے تجاوز نہیں کیا اور یہ قول علیؑ کے اسلوب بیان پر اچھی طرح دلالت کرتا ہے، عبد الحمید کاتب اموی سے پوچھا گیا کہ تم اپنی انشا میں بلاغت پر کیونکر قابو پا گئے تو اس نے جواب دیا کہ علیؑ کے کلام کو حفظ کرنے کی وجہ سے مجھے یہ قدرت حاصل ہوئی۔"

(۲۳) علامہ سید محمود شکری آلوسی حنفی بغدادی، اپنی کتاب "بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب" میں ان الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں:-

"واما خطب اهل الصدر الاول من الاسلام فهي الغاية في الفصاحة والمنتهى في البراعة والبلاغة وفي كتب الادب الدائرة في الايدي شيء كثير من خطب الخلفاء الراشدين وغيرهم مما تتحير منه اولو الالباب وتقضي منه العجب العجائب قد اشتملت على الحكم والاسرار وما يستوجب خير الدنيا والآخرة دار القرار وما يقرب الى مرضاة الله تعالى ويباعد عن دار البوار وهذا كتاب نهج البلاغة قد استودع من خطب الامام علي بن ابي طالب سلام الله عليه ما هو قبس من نور الكلام الالهي وشمس تضيء بفصاحة المنطق النبوي"

لیکن صدر اول اسلام کے لوگوں کے خطبے تو یہ فصاحت و بلاغت کے انتہائی درجہ پر ہیں اور ادب کی وہ کتابیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں ان میں خلفاء راشدین وغیرہم کے بہت سے ایسے خطبے موجود ہیں جس سے صاحبان عقل حیرانی میں مبتلا ہیں یہ خطبے ایسے حکم و اسرار پر مشتمل ہیں جو دنیا و آخرت کی نیکی کا سبب ہیں اور اللہ کی رضا سے قریب کرتے ہیں اور اُس کے عذاب سے دور رکھتے ہیں، یہ کتاب نہج البلاغہ ہے جو حضرت علی سلام اللہ علیہ کے خطبوں پر مشتمل ہے، یہ کیا ہے؟ نور کلام الٰہی سے دہکتا ہوا ایک روشن انگارہ ہے اور یہ خورشید جہانتاب ہے جو فصاحت گفتار نبوی کی ضو سے منور و روشن ہے۔

(بلوغ الارب جلد سوم صفحات ۱۷۹ و ۱۸۰ طبع مصر سنہ ۱۹۲۵ء)

(۲۴) اس سلسلہ میں عصر حاضر کے مشہور مفکر و مورخ و ادیب اریب امیر شکیب ارسلان کا اعتراف خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو کتاب "اطوار الثقافۃ والفکر فی ظلال العروبۃ والاسلام" میں محفوظ و مذکور ہے۔

وللامير شكيب ارسلان رأي في نهج البلاغة نقله عنه السيد محسن الامين نورده فيما يلي
قال يخاطب جماعة من اعضاء المجمع العلمي بدمشق ممن ينكرون ان يكون النهج من كلام

امیر شکیب ارسلان کی رائے نہج البلاغہ کے متعلق جس کو محسن امین نے امیر موصوف سے نقل کیا ہے اس جگہ تحریر کرتا ہوں مجمع علمی دمشق کے ایسے ممبران کو جو نہج البلاغہ کے مندرجات کو کلام امام نہیں

الامام" قد تزعمون ان الشریف المرضی
وهو جامع هذا الکتاب هو واضعه ؟"
فقالوا، أجل!
قال، اذن تریدون ان تنزعوا صفة
ابلغ الخلق وافصحهم بعد الرسول عن
الامام، ثم تثبتوا انها للشریف الموسوی
اما انا فاقول ان الشریف هذا لو ضوعف
فی الخلق اربعین شریفا لما استطاع ان
یاتی بسورة من سور هذا النهج' الا انکم
تظلمون الحق والتاریخ بهذه الادعاء التی عومة
التی لا یبررها علم ولا یصوبها منطق ان
کتاب نهج البلاغة لخلیق ان یکون من کلام
امام الکلام افصح الناس واخلقهم بالبلاغة
المعجزة بعد الرسول'
(اطیار الثقافة والفکر فی ظلال العروبة والاسلام
جلد دوم صفحہ ۶۵، ۶۶ طبع اول مصر)

سمجھتے تھے خطاب کرتے ہوئے امیر شکیب ارسلان نے کہا'
" تم لوگ یہ گمان کرتے ہو کہ جامع نہج البلاغہ سید رضی
کلام نہج کے واضع ہیں ؟"
لوگوں نے کہا ! ہاں
امیر نے کہا ! تو گویا تم لوگ یہ صفت کہ بعد رسولؐ
تمام مخلوق میں سب سے زیادہ بلیغ و فصیح امامؑ ہیں اسکی
نفی ان سے کرتے ہو اور اس کے بعد اپنے انکار سے
یہ ثابت کرتے ہو کہ تمام خلق میں سب سے زیادہ بلیغ و
فصیح سید رضی موسوی ہیں، لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ
سید رضی ایسے چالیس سید (جو مثل ان کے یگانہ روزگار
ادیب و شاعر و علامہ ہوں) ان کی خلقت میں شامل
کر دیے جائیں تب بھی انھیں یہ قدرت نہ ہوگی کہ نہج البلاغہ
کی سوروں میں سے ایک سورہ کا بھی جواب لاسکیں۔
بے شک آپ سب لوگ اپنی اس غلط رائے
کی بنا پر جس کی تائید علم و منطق نہیں کرتی صداقت وحق
اور تاریخ پر صریح ظلم کرنے والے ہیں دراصل کتاب
نہج البلاغہ اس کی مستحق و سزاوار ہے امام الکلام حضرت علیؑ کا کلام ہو جو بعد رسول صلعم افصح ناس ہیں اور معجزہ
بلاغت کے ساتھ خلق کیے گئے۔

کتاب نہج البلاغہ کو کلام امیر المومنین سمجھ کر علمائے اہلسنت اس سے تمسک کرتے ہیں اور اپنے اسناد سے اس کو روایت کرتے ہیں

ان کے علاوہ اور بھی اجلّہ علمائے اہل سنت ہیں جو نہج البلاغہ کو امیر المومنین کا کلام سمجھ کر اس سے تمسک کرتے ہیں اور سند میں پیش کرتے ہیں جیسا کہ علامہ نور الدین علی بن عبد اللہ بن احمد السمہودی صاحب وفاء الوفاء نے اپنی کتاب جواہر العقدین میں ایسا کیا ہے چنانچہ اس بحث میں کہ
اہل بیت رسولؐ امان ہیں امت کے لیے تحریر فرماتے ہیں'

فاقیم وجودهم فی کونهم امانا للامة
مقامه صلی اللہ علیہ وسلم والی هذا اشیر
ما فی نهج البلاغة فی ان علیا رضی اللہ عنه

پس ان حضرات کا وجود امت کے درمیان باعث
امان ہونے کی وجہ سے پیغمبر کے وجود مبارک کی جگہ پر ہے
اور اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ اثر کہ جو نہج البلاغہ

كان يامر فى مواطن الحرب تكف الحسنينؑ عن القتال فقال احدهما ابتخل بناعن الشهادة اوترانا دون ما تطمح اليه نفوسنا فقال ما ارى حيث ظننت ولكن اشفقت ان ينطفى نور النبوة من الارض اى بانقطاع الذرية الطاهرة (الذكر الخامس انهم امان للامة من القسم الثانى فى فضل اهل البيت من كتاب جواهر العقدين للسمهودى مخطوط)

میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ جنگ کے موقع پر حسنینؑ کو قتال سے باز رکھتے تھے اس پر ان میں سے ایک فرزند نے کہا کہ کیا آپ ہم کو شہادت حاصل کرنے میں ہمارے ساتھ بخل فرماتے ہیں یا جو ہماری آرزو ہے اس کے علاوہ آپ کچھ اور چاہتے ہیں آپ نے جواب میں فرمایا جیسا تم نے خیال کیا ایسا نہیں ہے بلکہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں ذریت طاہرہ کے منقطع ہو جانے سے زمین پر سے نور نبوت گل نہ ہو جائے۔

اسی طرح محدث دیار یمن قاضی القضاۃ امام الثقات الاثبات محمد بن علی الشوکانی صاحب نیل الاوطار و تفسیر فتح القدیر نے نہج البلاغہ کو اپنے اسناد معتبرہ سے روایت کیا ہے اور اس کی مسند کو اپنی کتاب اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر میں درج فرمایا ہے چنانچہ کتاب مذکور کے باب النون میں ہے۔

نهج البلاغة من كلام امير المومنين على رضى الله عنه للشريف المرتضى ارويه بالاسناد المتقدم فى اول هذا المختصر الى الفقيه احمد بن محمد الاكوع المعروف بشعله عن السيد المرتضى بن شراهيك الى

نہج البلاغہ جو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے کلام کا مجموعہ ہے جس کو شریف مرتضیٰ[1] نے جمع کیا ہے اس کتاب کو میں اسناد متقدم سے جس کا شروع کتاب میں ذکر کر چکا ہوں فقیہ احمد بن اکوع معروف بہ شعلہ سے روایت کرتا ہوں فقیہہ مذکور سید مرتضیٰ بن شراہیک

---

[1] نہج البلاغہ کے جامع الشریف محمد بن ابی احمد الحسین الطاہر الشہیر بالرضی ہیں ان کے بھائی الشریف علی المرتضیٰ علم الہدیٰ ہیں جو عموماً شریف مرتضیٰ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں لیکن کبھی کبھی سید رضی بھی مرتضیٰ کے نام سے ملقب کیے گئے ہیں چنانچہ استاد فواد افرام ابستانی لکھتے ہیں۔

والشريف الرضى من سلالة على اسمه محمد بن طاهر بن الحسين بن موسى بن ابراهيم المرتضى بن موسى الكاظم ولد ۹۶۹ء وتوفى ۱۰۱۵ء ويعرف ايضاً بالمرتضى لقب احد اجداده وبالشريف الموسوى (مقدمه كتاب على ابن ابيطالب ونهج البلاغة مطبوعه بيروت ۱۹۲۷ء)

شریف رضی حضرت علیؑ کی اولاد میں تھے ان کا نام محمد بن طاہر بن حسین بن موسیٰ بن ابراہیم مرتضیٰ بن امام موسیٰ کاظمؑ ہے ولادت ۹۶۹ء میں اور وفات ۱۰۱۵ء میں ہوئی، کبھی سید رضی کو ان کے دادا ابراہیم مرتضیٰ کے نام پر مرتضیٰ بھی کہا جاتا ہے اور شریف موسوی سے بھی یاد کیے جاتے ہیں۔

اس لیے یہاں پر شریف مرتضیٰ سے مراد سید رضی ہی ہیں اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ غلطی سے علم الہدیٰ علی مرتضیٰ کو سمجھ لیا جاوے جیسا کہ بعض علماء اہل سنت کو ہوا ہے۔

الى اليمن عن احمد بن زيد الحاجي عن الشريف محمد اسمٰعيل عن عمه الحسين بن علي الجويني عن المولف ،

سے روایت کرتے ہیں جو یمن میں وارد ہوئے تھے وہ احمد بن زید الحاجی سے وہ شریف محمد اسمٰعیل سے وہ اپنے چچا حسین بن علی الجوینی سے وہ جامع نہج البلاغہ سے ،

(اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر لمحمد بن علی الشوکانی طبع حیدرآباد محفوظ کتاب خانہ ناصر الملۃ لکھنؤ)

امام شوکانی اور فقیہہ احمد بن محمد الاکوع کے درمیان بیس واسطے ہیں جس کا تذکرہ مع اسامی رجال اتحاف الاکابر کے شروع میں موجود ہے اور احمد بن محمد الفقیہہ و جامع نہج البلاغہ سید رضی کے درمیان چار واسطے ہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس اعتبار سے امام شوکانی ۲۵ واسطوں سے نہج البلاغہ کو روایت کرتے ہیں امام شوکانی کے مذکورہ رجال اسناد میں کوئی شیعہ امامیہ نہیں ہے بلکہ سب کے سب معتمد مستند روایان ثقاوت و حفاظ اہل سنت میں سے ہیں۔

مسیحی علماء و ادباء کا اعتراف

صرف علماء اہل سنت ہی نہیں بلکہ مسیحی ادباء و مورخین بھی یہی اعتراف کرتے ہیں، جن میں سے چند شواہد پیش ہیں،

(۱) عبد المسیح انطاکی حلبی صاحب جریدۃ العمران مصر، و مدیر استنذ ور حلب الشہباء اپنی کتاب میں لکھتے ہیں،

لا جدال ان سیدنا علیا امیر المومنین هو امام الفصحاء واستاذ البلغاء واعظم من خطب وکتب عرف اهل هذه الصناعة الالباء وهذا الكلام تدقيق فيه يحق انه فوق كلام الخلق وتحت كلام الخالق قال هذا كل من عرف فنون الكتابة او اشتغل فى صناعة التحبير والتحرير بل هو استاذ الكتاب لعرب ومعلمهم بلا مراء فما من اديب للبيب حاول اتقان صناعة التحرير الا وبين يديه القرآن ونهج البلاغة ذاك كلام الخالق وهذا كلام اشرف المخلوقين وعليها يعوّل التحرير والتحبير اذا اراد ان يكون فى معاشر الكتبة المجيدين ولعل افضل من خدم لغة قريش الشريف الرضى الذى جمع خطب واقوال وحكم ورسائل سيدنا امير المومنين من افواه الناس

اس امر میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیؑ فصحاء کے امام اور بلغاء کے استاد ہیں اور تمام ان لوگوں میں کہ جنھوں نے عربی زبان میں تقریر یا تحریر میں کمال دکھایا ہے وہ سب سے زیادہ جلیل المرتبہ اور بڑا درجہ رکھتے ہیں ان کا کلام ہمارے سامنے ہے جس کے متعلق سچی بات یہ کہی گئی ہے کہ وہ تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر خالق کے کلام کے ماتحت ہے یہ ہر اس شخص نے کہا ہے کہ جو انشاپردازی کے فنون سے واقف اور تقریر و تحریر کے فن میں ماہر ہے، حضرت تمام عرب انشاپردازوں کے استاد اور معلم ہیں کوئی باخبر ادیب جو انشاپردازی کے فن میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہو ایسا نہ ہوگا جس کے سامنے قرآن اور نہج البلاغہ موجود نہ ہو وہ خالق کا کلام اور یہ اشرف مخلوق کا کلام اور وہ انھیں دونوں کتابوں کا سہارا لینے پر مجبور ہے اگر اچھا انشاپرداز اور ادیب بننا چاہتا ہے شاید ان لوگوں میں کہ جنھوں نے قریش کی زبان کی خدمت کی ہے سب سے بڑا درجہ شریف رضی،

واما لیهم واصاب کل الاصابة باطلاقه علیه اسم نهج البلاغة وما هذا الکتاب الا صراطها المستقیم لمن یحاول الوصول الیها من معاشر المتأدّبین۔"

کو حاصل ہے جنھوں نے حضرت علیؑ کے خطبے، اقوال حکم اور خطوط کو جمع کیا ہے لوگوں کے محفوظات تحریرات سے اور بیشک انھوں نے نہج البلاغہ اس کا نام بہت ٹھیک رکھا ہے اور یہ کتاب حقیقۃً صحیح راستہ اور صراط مستقیم ہے اس شخص کے لیے جو بلاغت کی منزل تک پہنچنا چاہتا ہو۔

(القصیدة العلویة او التاریخ الشعری الاسلامی ص۵۳۹ مطبوعہ عیسیٰ فجالہ مصر)

۲۔ مشہور مسیحی ادیب، محقق استاد فواد لبستانی پروفیسر عربی سینٹ جوزف کالج بیروت نے ایک سلسلہ تعلیمی کتابوں کا "روائع" کے نام سے شائع کیا ہے جس میں مختلف جلیل المرتبہ مصنفین کے آثار قلم کو مع اُن کے حالات و کمالات تاریخی تحقیقات کے ساتھ چھوٹے چھوٹے مجموعوں کی صورت میں مرتب کیا ہے اور اُن کو کیتھولک عیسائی پریس بیروت سے ۱۹۲۷ء میں شائع کیا ہے، اس سلسلہ کا پہلا مجموعہ "علی بن ابی طالب و نہج البلاغہ" ہے، اس کے مقدمہ میں استاد فواد نے لکھا ہے،

اننا نبدأ الیوم بنشر منتخبات من نهج البلاغة للامام علی بن ابی طالب اول مفکری الاسلام

آج ہم نہج البلاغہ جو اسلام کے سب سے پہلے مفکر علیؑ بن ابی طالب کی کتاب ہے اس کے انتخاب کو پہلے شائع کرکے سلسلۂ روائع کی ابتدا کرتے ہیں۔

مقدمہ کے بعد مختلف عناوین کے تحت امیرالمومنین کی سیرت اور نہج البلاغہ پر روشنی ڈالی ہے "نہج البلاغہ وجمعہ" کے ضمن میں لکھتے ہیں،

وما زال الناس یتداولون ذلك حتی قام الشریف الرضی فجمع کل ما نقل عن الامام من خطب ورسائل ومواعظ فضمنها کتاباً واحداً اسماه نهج البلاغة۔"

حضرت کے آثار ادبیہ لوگوں میں برابر شائع رہے یہاں تک کہ شریف رضی کا زمانہ آیا اور اونھوں نے امام کے خطبے، خطوط اور مواعظ، جو منقول اور مروی تھے ان سب کو ایک کتاب میں جمع کرکے اس کا نام نہج البلاغہ رکھا۔

اس کے بعد استاد فواد نے "صحة نسبة" کے زیر عنوان نہج البلاغہ کا صحیح السند ہونا ثابت کیا ہے جس کو اپنے محل پر لکھوں گا تمام بحث کو ختم کرنے کے بعد آخر میں یہ عیسائی ادیب لکھتا ہے۔

هذا وانه لمن الفضول الافاضة بذکر بلاغة هذا التالیف والفائدة الجمة الناتجة عن دراسة فهو کما قال الشیخ محمد عبده حاوٍ وجمیع ما یمکن ان یعرض للکاتب والخاطب من اغراض الکلام فقد

اس کتاب کی فصاحت و بلاغت اور اس کی درس و تدریس میں جو عظیم فائدہ ہے اس کا تذکرہ کرنا فضول ہے اس لیے کہ حقیقۃً جیسا کہ شیخ محمد عبدہٗ نے کہا ہے کہ یہ کتاب حاوی اور جامع ہے تمام اُن اغراض و مقاصد کو جو کسی انشاء پرداز یا مقرر کو اپنی تحریر و تقریر

تعرض للمدح والذم الادبي والترغيب في الفضائل والتنفير من الرذائل والمحاورات السياسية والمخاصمات الجدلية وبيان حقوق الراعي على الرعية وحقوق الرعية على الراعي واتى على الكلام في اصول المدنية وقواعد العدالة وفي النصائح الشخصية والمواعظ العمومية اوكما قيل بتعبير وجيز وتاثير اوفر هو تحت كلام الخالق وفوق كلام المخلوق۔

میں پیش نظر ہو سکتے ہیں، اس لیے کہ اس میں مدح، مذمت، فضائل و محاسن، میں ترغیب، بُری باتوں سے اظہار نفرت، سیاسی خیالات، مجادلانہ مکالمات، حاکم کے حقوق رعیت پر، رعیت کے حقوق حاکم پر سب کچھ موجود ہے، کچھ تمدن کے اصول، عدالت کے قواعد، انفرادی نصائح اور عمومی مواعظ سب کچھ مندرج پائے جاتے ہیں، مختصر اور موثر لفظوں میں وہی ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے کہ خالق کے کلام سے پست اور مخلوق کے کلام سے بلند ہے۔

(۳) بیروت کی عدالت عالیہ کا چیف جسٹس اور مشہور مسیحی ادیب شاعر پولس سلامہ (PAULAS SALAMA) اپنے اول ملحمہ عربیہ "عید الغدیر" میں لکھتا ہے۔

نهج البلاغة هو اشهر الكتب التي عرفت بها الامام ولايفوق هذا الكتاب بلاغة وقيمة الا التنزيل"

نہج البلاغہ مشہور ترین کتاب ہے جس سے امام علیہ السلام کی معرفت حاصل ہوتی ہے، سوائے قرآن مجید کے کوئی کتاب بلاغت اور قدر و قیمت میں نہج البلاغہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

هذه الكهف للمعارف باب … مشرع من مدينة الاسرار
تنثر الدر في كتاب مبين … سفر نهج البلاغة المختار
هو روض من كل زهر جني … اطلعته السماء في نوار
فيه من نضرة الورد العذارى … والخزامى والفل والجلنار
في صفاء الينبوع يجري زلالا … كوثريا لغا بعيد القرار
تلمح الشط والضفاف ولكن … بالعجز العيون في الاغوار

(عید الغدیر صفحہ ۱/۷۰ مطبوعہ مطبوعۃ النشر، بیروت)

(۴) عربی دنیا کا مشہور مسیحی مفکر، ادیب عصر، فلسفی دہر، نابغۂ زمان، جبران خلیل لبنانی (لبنان شام میں ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۳۱ء میں امریکہ میں مرا) نہج البلاغہ سے متاثر ہو کر امیر المومنینؑ کی عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

في عقيدتي ان ابن ابي طالب كان اول عربي لازم الروح الكلية وجاورها وسامرها وهو اول عربي تناولت شفتاه صدى اغانيها

میرے عقیدہ میں تو علی ابن ابی طالب سب سے پہلے عرب ہیں جن میں "روح اعظم" پائی جاتی ہے، اور سب سے پہلے عربی ہیں جن کے لب و دہن سے ایسے پاکیزہ روحانی

على مسمع قوم لم يسمعوا بها من ذي قبل فتاهوا بين مناهج بلاغته وظلمات ماضيهم فمن اعجب بها كان اعجابه موثوقا بالفطرة، ومن خاصمه كان من ابناء الجاهلية.

مات علي بن ابي طالب شهيد عظمته مات والصلاة بين شفتيه مات وفي قلبه الشوق الى ربه، ولم يعرف العرب حقيقة مقامه ومقداره، حتى قام من جيرانهم الفرس اناس يدركون الفارق بين الجواهر والحصى، مات قبل ان يبلغ العالم رسالته كاملة وافية غير انني اتمثله مبتسما قبل ان يغمض عينيه عن هذه الارض.

مات شان جميع الانبياء الباصرين الذين ياتون الى بلد ليس ببلدهم، والى قوم ليس بقومهم في زمن ليس بزمنهم ولكن لربك شانا في ذلك وهو اعلم،

نغمے سنے گئے کہ اس سے پہلے عربوں نے ان نغموں کو کبھی نہیں سنا تھا ان نغمات کو سن کر یہ عرب آپ کی بلاغت کی شاہراہوں اور خود اپنے ماضی کی تاریکیوں میں سرگشتہ و حیران ہو گئے پس اگر کوئی حضرت کی بلاغت و فصاحت سے متحیر ہو جائے تو اس کی یہ حیرانی ایک فطری بات ہوگی لیکن جو شخص آپ کی بلاغت پر نزاع و خصومت کرے تو دراصل ایسا شخص جاہلیت کی اولاد ہے، علی بن ابی طالب کو شہید عظمت کی حیثیت سے موت آئی آپ کو اس حالت میں موت آئی کہ آپ ذکر خدا میں مصروف تھے اور آپ کا دل شوق الٰہی سے مملو تھا، دراصل عرب آپ کی حقیقی منزلت و مرتبت کو نہ جان سکے، جب تک کہ عربوں کی ہم جولی قوم ایرانیوں نے بڑھ کر جواہرات اور کنکر پتھر میں امتیاز نہ پیدا کر دیا۔

قبل اس کے علی کی تعلیمات دنیا پر چھا جاتی آپ کو موت آ گئی، میری نگاہوں میں تو آخری وقت کی علی کی مسکراتی ہوئی صورت جلوہ نما ہو جاتی ہے جب کہ حضرت دنیا سے اپنی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند کر رہے تھے، علی پیغمبروں کی شان سے موت سے ہمکنار ہوئے جو بظاہر ایسے شہر و قوم اور زمانہ میں پیدا ہوئے تھے جو ان کے لیے نہ تھا، لیکن اس میں بھی خدا کی شان ہے اور وہی سب سے زیادہ اپنے رموز و حکمت کا جاننے والا ہے۔" (الملحمہ عربیہ عید الغدیر بولس سلامہ ص ۲۲ طبع بیروت)

منکرین و معترضین نہج البلاغہ

ایک مسیحی عرب مفکر و ادیب نے بالکل صحیح کہا ہے "ومن خاصمه كان من ابناء الجاهلية" بے شک علیؑ کی علمی و ادبی آثار اور کارناموں کا انکار کرنے والے "ابناء جاہلیت" ہیں، چنانچہ عصبیت جاہلیت رکھنے والے کبھی کبھی نہج البلاغہ کے خلاف اپنی صدائے بے ہنگام بلند کر دیا کرتے ہیں، دراصل نہج البلاغہ پر شک کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔

(۱) پہلا گروہ ایسے لوگوں کا ہے جو دہری، دین و مذہب کے مخالف، یا دشمن اسلام متعصب مسیحی ہیں اسی گروہ میں وہ نام نہاد مسلمان (بر عکس نہند نام زنگی کافور) بھی شامل ہیں جو دہریت زدہ اور غیر اسلامی افکار و رجحانات سے مغلوب و مرعوب ہیں جن میں سے بعض تو ایسے ہیں جو قرآن و حدیث [illegible] بعض

چیزوں کا اقرار کرتے ہیں اور بعض کا انکار یا اس کی تاویل کر کے دہریت زدہ افکار یورپ سے تطبیق کرنے کی لاحاصل سعی کرتے ہیں، یہ لوگ اکثر احادیث پیغمبر کے منکر ہوتے ہیں اور قرآن و حدیث ان کے طعن و الزام و اعتراض و ایراد کا آماجگاہ ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا گروہ اموی ذہنیت رکھنے والوں کا ہے، جو علیؑ کی ہر منقبت و فضیلت کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے جیسے ذہبی ابن تیمیہ اور ان کے دوسرے ساتھی، یہ لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ ان خطبوں سے علیؑ کے کمال علم پر روشنی پڑتی ہے اور ان کے بعض اعتقادات سے تصادم ہوتا ہے یا بعض خطب سے علیؑ کے ان رجحانات کا پتہ چلتا ہے جو آپ کو بعض اصحاب پیغمبر سے تھا اس وقت ان مخالفین اہلبیتؑ کی عرق عصبیت پھڑک اٹھتی ہے اور ان خطب و اقوال سے انکار کرنے لگتے ہیں، جیسے متعصب عنید ذہبی جن کی تحقیقات کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کو یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ جامع نہج البلاغہ کون ہے بجائے سید رضیؒ کے سید مرتضیٰ سمجھ رہے ہیں، یہ تو ہے ان کی تحقیق کا عالم، اب ملاحظہ فرمائیے کہ وہ میزان الاعتدال میں نہج البلاغہ کو تالیف سید مرتضیٰ قرار

ؒ سید رضی کا جامع نہج البلاغہ ہونا مسلمات میں سے ہے کسی شک کی گنجائش نہیں ہے تمام کتب رجال و انساب و اجازات مصنفات اسناد کتب و تذکرۂ مصنفین و فہارس کتب میں علمائے فریقین نے اس کی توضیح کی ہے کہ اس کتاب کے جامع سید رضی ہیں، خود نہج البلاغہ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ شروع ہی میں جامع نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے "ابتدأت بتالیف کتاب فی خصائص الائمۃ علیہم السلام" میں نے کتاب خصائص الائمہ کی تالیف شروع کی، اسی طرح آخر کتاب میں اس کلمہ "اَلعَینُ وِکَاءُ السَّہِ" کی تشریح میں شارح نے یہ لکھا ہے "وقد تکلمنا علی ھذہ الاستعارۃ فی کتابنا الموسوم بمجازات الآثار النبویہ" اس استعارہ کے متعلق میں نے اپنی کتاب مجازات النبویہ میں کلام کیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ نہج البلاغہ کا جامع کتاب خصائص الائمہ و کتاب مجازات النبویہ کا مؤلف ہے اور اس امر پر تمام علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ ان دونوں کتابوں کے مؤلف سید رضی ہیں، اسی طرح کتاب مجازات النبویہ میں خود سید رضی نے اس کی وضاحت کی ہے کہ وہ جامع نہج البلاغہ ہیں، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں،

۱۔ وقد اوردناہ فی کتابنا الموسوم بنھج البلاغۃ وھو المشتمل علی مختار کلامہ علیہ السلام فی جمیع المعانی والاغراض والاجناس والانواع۔
۲۔ وقد ذکرنا ھذا الکلام فی کتابنا الموسوم بنھج البلاغۃ۔
۳۔ وقد ذکرناہ فی جملۃ کلامہ لکمیل بن زیاد النخعی فی کتاب نھج البلاغۃ۔

میں نے اس کو وارد کیا ہے اپنی کتاب موسوم بہ نہج البلاغہ میں جو امیرالمومنینؑ کے جمیع اصناف کلام کا انتخاب ہے (۲) اس کلام کو میں نے ذکر کیا ہے اپنی کتاب موسوم بہ نہج البلاغہ میں (۳) اور اس کا ذکر کیا ہے میں نے منجملہ اس کلام کے جو کمیل بن زیاد سے حضرت نے فرمایا کتاب نہج البلاغہ میں۔ (مجازات النبویہ صفحات ۱۲۷، ۱۶۱، ۲۵۲، مطبوعہ بغداد۔)

دسے کر موصوف کے حالات میں لکھتے ہیں،

"ومن طالع کتابه نهج البلاغة جزم بانه مکذوب علی امیر المومنینؑ فقیه السب الصریح والحط علی السیدین ابی بکر وعمر"

جو شخص ان کی کتاب نہج البلاغہ کو مطالعہ کرے اس کو یہ یقین ہو جائے گا کہ اس کو امیر المومنین علیؑ کی طرف دروغ منسوب کر دیا گیا ہے کیونکہ اس میں دونوں سید ابوبکر و عمر کے خلاف شان امور اور صراحت کے ساتھ ان پر سب موجود ہے۔

پروفیسر خلوصی کے اعتراضات

معترضین و منکرین کے اعتراضات و اسباب و انکار کا جائزہ لیتے وقت ہمارے سامنے ماہ اکتوبر ۱۹۵۰ء کا اسلامک ریویو نمبر ۱۰ جلد ۳۸ (THE ISLAMIC REVEW) ہے جو ووکنگ انگلستان (WOKING ENGLAND) سے شائع ہوتا ہے، اس میں ایک مضمون ڈاکٹر ایس، اے خلوصی پی، ایچ ڈی لیکچرر عربی اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز لندن یونیورسٹی کا بابت مضمون شائع ہوا ہے (THE AUTHENTICITY OF NAHJ ALBALAGHA) "حقیقت صحت نہج البلاغہ" ڈاکٹر خلوصی عراق کے ان سنیوں میں سے ہیں جن کو بنی امیہ و بنی عباس سے بہت زیادہ خلوص اور صفائی ہے، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسٹر خلوصی "اثر التشیع فی الادب العربی" کے موضوع پر بھی کوئی مقالہ انگریزی میں تحریر فرما رہے ہیں، موصوف کی فکر و ہمت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ محمد سید گیلانی کے ہفوات پر اعتماد کر کے اسی کو انگریزی میں اپنے الفاظ میں پیش کر دیں گے، کیونکہ اس مضمون میں بھی جو نہج البلاغہ کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا ہے اس میں بھی دوسروں ہی کے مہملات کو اپنایا ہے اور مندرجہ بالا ہر دو گروہ منکرین کی ہمنوائی آپ نے فرمائی ہے، آپ کے مضمون کا ابتدائی حصہ یہ بتلاتا ہے کہ آپ دہریت زدہ یورپ کے افکار سے بہت زیادہ مغلوب و مرعوب ہیں، اور بہر حال ذہبی اور ابن تیمیہ کے ہم مسلک تو آپ پہلے ہی سے ہیں اس لیے مسٹر خلوصی کے شکوک ہر دو گروہ مشککین کے شبہات و شکوک کا مجموعہ ہے۔

علیؑ کے کلام کی غلط توجیہ اور خلوصی کی چالاکی

اس مضمون میں سب سے پہلے عورتوں کی نفسیاتی کمزوری سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے خلوصی صاحب عورتوں کے جذبات سے کھیلے ہیں اور یورپ کی آزاد عورتوں میں "علیؑ بن ابی طالب" کی طرف سے نفرت کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش فرمائی ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "کوئی انگریزی بولنے والی عورت ایسی نہ ہوگی جو مندرجہ ذیل کلام کو بغیر متکلم پر غم و غصہ اور اظہار نفرت کیے ہوئے اطمینان و سکون سے پڑھ سکے۔"

معاشر الناس ان النساء نواقص الایمان

لوگو! عورتوں کا ایمان، حصہ اور عقل ناقص ہے، اور

نواقص الحظوظ نواقص العقول فاما نقصان ایمانهن فقعودهن عن الصلوات والصیام فی ایام حیضهن واما نقصان عقولهن فشهادة امرأتین کشهادة الرجل الواحد واما نقصان حظوظهن فمواریثهن علی الانصاف من مواریث الرجال فاتقوا شرار النساء وکونوا من خیارهن علی حذر ولا تطیعوهن فی المعروف حتی لا یطمعن فی المنکر"

اس پر شریعت گواہ ہے کہ اُن کے ایمان کا نقصان یوں ہے کہ ایام حیض میں وہ نماز و روزہ سے روک دی گئی ہیں اور عقل کا نقصان اس طرح ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے، اور حصہ کا نقصان یوں ظاہر ہے کہ ان کی میراث کا حصہ مرد کے حصہ میراث کے نصف ہے تو لوگو! بُری عورتوں سے بچو، اور ان میں سے جو (بظاہر) نیک ہیں ان سے بھی ہوشیار رہو، نیکی کا کام بھی ان کے فرمان پر نہیں کے مت کرو، تاکہ ان کو یہ (غلط) امید نہ ہو کہ تم اُن کے برائی میں بھی مطیع و فرماں بردار رہوگے،

عورت کی کمزوری اور علیؑ کے کلام کا صحیح مورد

حضرت کا یہ کلام حقیقت نظام وہ ہے جو جنگ جمل کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا تھا، خلوصی صاحب نے انگریزی خواں عورتوں کو اس کلام سے نفرت دلا کر دراصل اُن کو اسلام سے بغاوت پیدا کرانے کی کوشش کی ہے کیونکہ اس کلام میں حضرت علیؑ نے جن احکامات کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ قرآن مجید سے ثابت ہیں اور جن پر تمام فرق اسلامی کا اتحاد و اتفاق ہے، کیا ائمہ اربعہ اہل سنت میں سے کوئی ہے جو اس کی اجازت دیتا ہے کہ عورت حالت حیض میں بھی نماز روزہ ادا کر سکتی ہے؟ ہر امام نے قرآن و سنت سے استنباط کر کے یہی فتویٰ دیا ہے کہ اس حالت میں نماز و روزہ نہیں ادا کر سکتی، اسی طرح سے شہادت اور گواہی میں بھی تمام فقہاء و ائمہ اہل سنت کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے مقابلہ میں ہے اور قرآن میں بھی صاف حکم موجود ہے،

واستشهدوا شهیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء (سورۂ بقر آیت ۲۸۲)

اور اپنے لوگوں میں سے جن لوگوں کو تم گواہی کے لیے پسند کرو (کم از کم) دو مردوں کی گواہی لیا کرو پھر اگر دو مرد نہ ہوں، تو (کم از کم) ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔

اسی طرح سے میراث کا معاملہ ہے، قرآن خود کہتا ہے،

یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ (النساء آیت ۱۱)

خدا تمہاری اولاد کے حق میں تم سے وصیت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

اس کے بعد حضرت نے مردوں کو ان کے اس حق کی طرف متوجہ کیا جو ان کو خدا کی جانب سے عورتوں کے مقابلہ میں عطا کیا گیا ہے،

وللرجال علیهن درجة (بقرہ آیت ۲۲۸)

مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے۔

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض۔ (النساء آیت ۳۴)

مردوں کا عورتوں پر قابو ہے کیونکہ خدا نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

جو عورتیں بُری ہیں اُن کے متعلق تو کوئی کلام ہی نہیں کہ مرد کو کسی حالت میں بھی اُن کا مطیع و بندہ نہ ہونا چاہیئے رہی وہ عورتیں جو بظاہر نیک معلوم ہوتی ہیں ان کی اطاعت بھی مرد کو نہ کرنی چاہیے، کیونکہ ان عورتوں کی اطاعت کسی نیک امر کے متعلق کی جاوے گی، یا کسی برائی میں، نیک کام بھی کسی عورت کے کہنے سے نہ کرنا چاہیے بلکہ اس کام کو اس لیے کرنا چاہیے کہ وہ ایک اچھا کام ہے اور عورت یہ سمجھے کہ مرد اس کام کو اچھا اور مستحسن سمجھ کر کر رہا ہے ورنہ وہ اگر یہ سمجھے گی کہ مرد بغیر سوچے سمجھے اور اچھائی برائی پر بغیر غور کیے یہ کام صرف اس لیے کر رہا ہے کہ یہ عورت کی خواہش ہے تو اس کی وجہ سے عورت ذات جو مغلوب عاطفہ ہے جو تعقل و تدبّر کے بجائے اپنے عواطف سے کام لیا کرتی ہے وہ اپنے نفسیاتی کمزوری میں مبتلا ہو کر یہ چاہے گی کہ مرد عورت کی برائیوں میں بھی اس کا مطیع و منقاد رہے، عورتوں کی اس نفسیاتی کمزوری کی طرف قرآن نے بھی اشارہ کیا ہے،

ومن ینشؤا فی الحلیۃ وھو فی الخصام غیر مبین (الزخرف آیت ۱۸)

عورت وہ جو زیوروں میں پالی پوسی جائے اور محل نزاع و مخاصمت میں دمغلوب عاطفہ ہو کر) اچھی طرح سمجھداری کی بات بھی نہ کر سکے۔

علیؑ کے کلام کو غلط طریقہ سے پیش کرنے کا خلوصی کو کیا حق ہے؟

یہ تقریر حضرت نے جنگ جمل کے بعد بظاہر ایک نیک عورت کی بہت بڑی غلطی کو ظاہر ہونے کے بعد فرمائی، وہ نیک عورت بی بی عائشہ ہیں جن کی خواہش بیجا پر رجال امت اُن کے مطیع و منقاد ہو کر اسلام کی تباہی و خونریزی کا سبب ہوئے، اسلام میں ایک بہت بڑا فتنہ صرف عورت کی غلط اطاعت کی وجہ سے رونما ہوا، علیؑ نے اس تقریر میں مسلمانوں کی اس بڑی غلطی پر ٹوکا ہے جو عورت کی غلط پیروی کر کے انھوں نے ظاہر کی، آپ کی یہ تقریر ایک مخصوص محل مورد رکھتی ہے، خلوصی صاحب کو کیا حق ہے کہ اس کو غلط طریقہ سے پیش کریں، کیا وہ اس طریقہ سے انگلستان کی عورتوں میں اسلام کے خلاف یہ غلط جذبہ پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے نزدیک عورت کا اعتبار بہ نسبت مرد کے کم ہے، جبھی تو دو عورت کی گواہی ایک مرد کے مقابلہ میں ہے یا یہ کہ اسلام عورت کو میراث میں مرد کے مقابلہ میں کم حصہ دیتا ہے یا یہ کہ عورت کو ایک مخصوص مدت میں اس کی ظاہری نجاست کی بنا پر عبادت سے روک دیا ہے، خلوصی کے پروپیگنڈے سے عورت کا یہ غم و غصہ و نفرت و ملامت حضرت علیؑ کے ساتھ نہ ہوگا بلکہ نفس اسلام کے ساتھ ہوگا، لیکن اگر یورپ و انگلستان کی عورتیں اس تقریر کے محل مورد کو معلوم کر لیں گی تو بجائے غصہ و نفرت کے وہ ان عورتوں پر افسوس کریں گی جو اپنے اعمال و کردار سے نہ صرف مذہب بلکہ معاشرت و سیاست میں دخیل ہو کر قوم و ملت کی تباہی اور صنف نازک کی بدنامی کا سبب بنتی ہیں۔

خلوصی صاحب نے حضرت کی تقریر کو محل و مورد کے بغیر بتلائے ہوئے پیش فرمانے میں بالکل وہی حرکت کی ہے جیسے کوئی " وانتم سکاریٰ " کے ٹکڑے کو نکال کر " ولاتقربوا الصلوٰۃ " کے نص کو پیش کر کے یہ کہے کہ قرآن میں نماز کی ممانعت ہے۔

کیا قرآن سے " ان کیدکن عظیم " (اس میں کوئی شک نہیں کہ عورتوں کی مکاریاں بڑی ہوتی ہیں) کو پیش کر کے انگلستان کی عورتوں کو یہ سمجھایا جا سکتا ہے کہ قرآن نے عورتوں کی انتہائی توہین کی ہے اور ان الفاظ قرآنی کو سن کر ان عورتوں کا قرآن کے خلاف غم و غصہ کرنا صحیح ہو سکتا ہے، ہرگز نہیں! اس لیے کہ جس طرح خلوصی صاحب نے واقعات و حالات پر پردہ ڈال کر پیش کیا ہے ویسے ہی یہ بھی الفاظ قرآن تو ضرور ہیں، لیکن ایک مخصوص محل و مورد پر، مخصوص عورتوں کے لیے، ایک مخصوص زبان سے وارد ہوا ہے، اگرچہ تفاسیر اہل سنت کے اعتبار سے یہ کید و مکر عمومی حیثیت سے تمام عورتوں کے لیے ہے جو ان کی فطرت میں داخل ہے جیسا کہ علامہ آلوسی حنفی بغدادی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے، اہل سنت کی اس تفسیر کی بنا پر عورتوں کے کید کے مقابلے میں کید شیطان کچھ حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ اس کے لیے قرآن میں ہے " ان کید الشیطان کان ضعیفا "

خلوصی صاحب کو اپنی تفاسیر کی روشنی میں " ان کیدکن عظیم " کو یورپ کی عورتوں کے سامنے پیش کرنا چاہیے، علیؑ کے کلام کو پیش کرنے سے وہ نتیجہ نہیں برآمد ہوگا جو وہ چاہتے ہیں، علیؑ تو دنیا کے سامنے ایسے حقائق کو پیش کر رہے ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا،

اسلام و پیغمبر اسلام کا شرور نساء سے مقابلہ

اسلام کو ابتدا ہی سے شرور نساء کا مقابلہ کرنا پڑا ہے، وہ عورتیں ہی تھیں جو ابتدائے تبلیغ میں پیغمبر کو اذیت دینے میں بہت پیش پیش تھیں، رسولؐ کے راستے میں کانٹے بچھاتی تھیں اور جسم مطہر پر نجاست ڈالتی تھیں، معاویہ کی پھوپھی ام جمیل بنت حرب بن امیہ بھی عورت ہی تھی جس کا تذکرہ قرآن نے ان لفظوں میں کیا ہے۔ " وامراته حمالة الحطب فی جیدها حبل من مسد "

وہ قریش کی عورتیں ہی تھیں جو اپنے مردوں کو ابھار کر رسول خدا سے جنگ کرنے کے لیے میدان میں لاتی تھیں اور یہ ترانے گاتی تھیں۔

نحن بنات طارق	نمشی علی النمارق	مشی القطا النوازق
والمسك فی المفارق	والدر فی المخانق	ان تقبلوا نعانق
ونفرش النمارق	او تدبروا نفارق	فراق غیر وامق

ہند زوجہ ابوسفیان اور مادر معاویہ ہی وہ عورت ہے جس نے وحشی غلام حبشی کو حمزہ عم رسولؐ کے قتل پر ابھارا تھا اور جب وحشی نے حمزہ کو قتل کیا تو یہی ہند وہ عورت تھی جس نے جناب حمزہ کے اعضاء و جوارح کو کاٹ کر اپنے گلے کا ہار بنایا اور جگر کو نکال کر اس کو چبایا تھا، وہ بھی ایک عورت (یہودیہ) تھی جس نے خیبر میں رسول اللہ کو

زہر دیا تھا وہ بھی عورت ہی تھی جس نے رسولؐ اللہ کے راز کو فاش کیا" وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ" (تحریم آیت ۳) وہ بھی عورتیں ہی تھیں جو رسولؐ اللہ کے خلاف ان کو مغلوب کرنے کے لئے سازش کیے ہوئے تھیں، جیسا کہ قرآن اس کو ظاہر کر رہا ہے "وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرًا" اگر تم دونوں رسولؐ کو مغلوب کرنے کے لیے ایک دوسرے کی اعانت کرتی رہو گی تو کچھ پروا نہیں، خدا اور جبرئیلؑ اور تمام ایمان داروں میں نیک شخص رسولؐ کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ کل فرشتے بھی مددگار ہیں۔

وہ بھی عورتیں ہی تھیں جو اپنے کردار کی وجہ سے رسولؐ کی خانگی زندگی میں اس حد تک سبب کلفت و زحمت ہوئیں کہ آپ ان کو طلاق دینے کے لیے آمادہ ہوئے، جس کی حکایت خدا نے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

"عَسٰی رَبُّہٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗٓ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا" (سورۃ التحریم، آیات ۳، ۴، ۵)

اگر رسولؐ تم دونوں کو طلاق دے دیں تو عنقریب ہی ان کا پروردگار تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بی بیاں عطا کرے، فرماں بردار، ایمان دار، خدا اور رسولؐ کی مطیع، گناہوں سے توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ رکھنے والیاں، بیاہی ہوئی (جو پہلے کسی شوہر کے تحت میں رہ چکی ہیں) اور بن بیاہی کنواریاں ہوں۔

وہ بھی عورتیں ہی تھیں جو رسولؐ کے آخری وقت حضرتؐ کے گرد و پیش تھیں اور جن کو رسولؐ نے "صواحب یوسف" کا خطاب دیا تھا، وہ "صواحب یوسف" جن کے لیے یوسفؑ نے کہا تھا "اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ" بے شک میرا پروردگار ان کے مکروں سے خوب واقف ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عورتوں کے کید و مکر سے رسولؐ کچھ خطرہ محسوس کر رہے تھے، یہ سب کارنامے ان عورتوں کے ہیں جن کا تعلق عہد رسالت سے ہے جن کے ان کارناموں کو "علیؑ" نے رسولؐ اللہ کے ساتھی اور مددگار ہونے کی حیثیت سے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

وہ بھی عورت ہی تھی جس کی درپردہ تدبیروں اور سازشوں سے رسولؐ کے بعد "علیؑ" ظاہری حکومت و منصب امارت نہیں حاصل کر سکے تھے۔

سجاح بنت حارث بھی عورت ہی تھی جس نے پیغمبرؐ کے بعد دعویٰ نبوت کیا، اور بنی تمیم وغیرہ قبائل عرب نے اس کی نبوت کو تسلیم کر لیا تھا (یہ خیال رہے کہ خوارج میں زیادہ تر بنی تمیم ہی تھے) اور جو خلیفہ ابوبکر سے مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ پر چڑھائی کرنا چاہتی تھی اور جس نے ایک دفعہ

مدعی نبوت مسیلمۂ کذاب سے نکاح کر لیا تھا جس کا مہر مسلمانوں سے نماز عشا اور نماز صبح ان دو نمازوں کی کمی کو قرار دیا گیا تھا جس کا اعلان سجاح کے موذن، شبث بن ربعی ریاحی (خارجی و قاتل حسینؑ) نے ان الفاظ میں کیا تھا "ان مسیلمة بن حبیب رسول الله قد وضع عنکم صلاتین مما اتاکم به محمد صلاة العشاء الاخرة وصلاة الفجر" (تاریخ طبری جلد ۳ صفحات ۲۲۸، ۲۴۱ مطبوعہ مصر)

بروایت کلبی "اسی وجہ سے بنی تمیم ذیل اس کے زمانہ تک نماز صبح و عشاء نہیں پڑھتے تھے۔"

سلمیٰ بنت مالک بن حذیفہ بی بی عائشہ کی آزاد کردہ کنیز بھی عورت ہی تھی جو ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں مرتد ہو گئی تھی اور جس نے قبائل خطفان، ہوازن، سلیم، اسد، طیٔ کو برانگیختہ کر کے حکومت اسلامی کے خلاف بغاوت کر کے جنگ کرنے میں کامیاب ہوئی تھی اور جس کا مقابلہ خالد بن ولید نے اسلامی لشکر کے ساتھ کیا تھا، حالت جنگ میں یہ عورت نہایت ہی شان و شوکت کے ساتھ اونٹ پر سوار تھی اور اپنے لشکر کو جنگ کرنے کے لیے ابھار رہی تھی حالت یہ تھی کہ اس کے ماننے والے لشکری اس کے اونٹ کی حفاظت میں قتل ہونے میں سبقت کر رہے تھے (طبری جلد ۳، صفحہ ۲۳۳، ۲۲۴ طبع مصر)

وہ بھی ایک بڑی نیک عورت تھی جو خلیفہ سوم عثمان کے قتل کے لیے لوگوں کو ابھارتی تھیں جو خلیفہ عثمان کو ایک یہودی "نعثل" سے تشبیہ دے کر ان کے قتل کا عام فتویٰ دیتی پھرتی تھیں، اور جب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئیں اور مسلمانوں نے باتفاق حضرت علیؑ کو اپنا امیر تسلیم کر کے عنان حکومت ان کے سپرد کر دی تو پھر بھی نیک عورت جس نے عثمان کے خلاف لوگوں کو آمادہ کیا تھا وہ "علیؑ" سے عثمان کا خون بہا لینے کے بہانے سے بر سر پیکار ہوئیں اور دشمن علیؑ کے باغی فوج کی قیادت کرتے ہوئے اونٹ پر سوار ہو کر علیؑ سے لڑنے کے لیے میدان جنگ میں آئیں، جس کے نتیجہ میں ہزاروں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا اور ان کے اختلاف و افتراق کی خلیج اور وسیع ہو گئی۔

علامہ شیخ عبداللہ العلائلی لکھتے ہیں۔

ظهور المرأة، وهی لا تتسع للافكار الكلية العامة وانما تفكر تفكيراً جزئياً خالصاً فكان لها اثر في التوجيه الجديد وقد ظهرت المرأة بحركات كبيرة استقلالية في مناسبتين يوم الردة في امرأتين احدهما سجاح بنت الحارث، والاخرى هي سلمى بنت مالك بن حذيفه،

عورت کا دل و دماغ بڑے اور اہم امور کو انجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ صرف چھوٹی باتوں اور معمولی و جزئی امور کو سوچ سکتی ہے، عورتوں کی دخل اندازی نے جدید اسلامی سوسائٹی کو (بری طرح) متاثر کیا، اسلام کے ابتدائی دور میں عورت نے بڑی بڑی تحریکوں میں دست اندازی کی، سب سے پہلے شورش ارتداد میں جو اسلام کے خلاف تھی دو عورتوں نے قیادت

وظهور المرأة، يوم الجمل في شخص
عائشة فانها لعبت مثل دور عتيقتها
سلمى بنت مالك فقد خرجت على حكومت
علي كما خرجت الاخرى على حكومة ابيها
والغرض مشابه تقريبا فتلك تثأر لاخيها
وهذه تثأر لعثمان وقد عقدت الصداقة
بينهما ازمنا طويلاً فقد كانت تختلف الى
عائشة كثيرا او تنزل عليها دائما ولا
يبعد عندي ان يكون في جملة المرغبات
التي دفعت عائشة الى الخروج انها كانت
معجبة بالدور الذي لعبته سلمى وقد
كان دوراً معجباً حقاً الهج به الناس
كثيرا حتى قيل بلغ من عزها انه وضع
مائة من الابل لمن يجرّ على نخس جملها
والمرأة ذات تفكير جزئي فيه الميول العواطف
لذالك لا استبعد ان تكون عائشة قد
انطوت على اعجاب عميق بسلمى، وهذا
لاعجاب كان عاملا نفسيا كبيرا هوّن عليها
سبيل الخروج لتقلب دورا مماثلا تكون
فيه القائدة على جمل ايضا يضحى دونه
كثيرون وكان المصير واحدا تقريبًا و
هذا من اغرب لمصادفات التاريخيه
ولتينبه الى اننا لانقول بان اعجاب
عائشه بسلمى كان عاملا من عوامل خروجها
بل نقول كان رغبة في جملة الدوافع التي
تركز عليها عزمها، فخروج عائشة كامرأة
للقيادة العامة شئ جديد في المجتمع

کی ایک سجاح بنت حارث نے اور دوسری سلمیٰ بنت
مالک بن حذیفہ نے اسی طرح جنگ جمل میں عورت کی
کارستانیاں عائشہ کی شخصیت میں ظاہر ہوئی ،
عائشہ بھی مثل اپنی آزادکردہ لونڈی سلمیٰ کے ایک
کھیل کھیلیں اور علیؑ کی حکومت کے خلاف بغاوت
کی جس طرح سلمیٰ نے ان کے باپ ابوبکر کی حکومت کے
خلاف بغاوت کی تھی اور دونوں کے اغراض بھی ایک
ہی قسم کے تھے وہ تو اپنے بھائی کے خون کا عوض لینے
نکلی تھی اور عائشہ عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے
یہ دونوں عورتیں ایک زمانہ تک ایک دوسرے کی
دوست رہ چکی تھیں اور آزاد ہونے کے بعد جب کبھی
سلمیٰ مدینہ آتی تھی تو عائشہ ہی کے یہاں قیام کرتی تھی
اور میرے نزدیک یہ امر بعید نہیں ہے کہ سلمیٰ کی یہ حرکتیں
بھی عائشہ کو امام وقت پر خروج کرنے میں رغبت دلانے
کا سبب ہوئی ہوں اور عائشہ نے سلمیٰ کے کھیل کو
پسند فرمایا ہو، بے شک یہ کھیل مشہور کرنے والا عزت
تھا، لوگوں کی زبانوں پر چرچے ہونے لگے کہ کیسی
عزت والی عورت تھی کہ اس کے اونٹ کے گرد سو
آدمی مارے گئے دراصل عورت ایک ہلکا دل دماغ
رکھتی ہے صرف معمولی باتوں کو سمجھتی بوجھتی ہے اور
بہت جلد خود متاثر بھی ہو جاتی ہے، اس لیے کچھ تعجب
نہیں کہ سلمیٰ کی ان حرکتوں کو پسند کرکے بی بی عائشہ
نے اپنے دل کی گہرائیوں میں محفوظ کر رکھا ہو اور اسی
پسندیدگی نے بغاوت وخروج ایسے خوفناک اقدام
کو ان کے سامنے ہلکا کرکے اس امر پر آمادہ کردیا ہو کہ
وہ بھی مثل سلمیٰ کے ایک کھیل کھیلیں اور اونٹ پر سوار
ہوکر باغیوں کی قیادت کریں ۔ بہت سے لوگ ان پر

الاسلامی الاول فثار حوله تفکیر طویل فی انه هل للمرأة ان تاتی مثل هذه الحرکات ام لا؟

وکان التفکیر فی ذلک من وجهة دینیة محضة فام سلمه زوج النبی والطائفة المحافظة علی القدیم ذهبوا الی انه لا یجوز ذلک لها وطلحة والزبیر والعرب الذین سکنوا البصرة وتأثروا بافکار الفرس ذهبوا کما یظهر من عملهم الی جوازه، فظهور المرأة شئ جدید اثار مسالة جدیدة ما فی ذالک شک۔ (تاریخ تحسین نقد و تحلیل الشیخ عبداللہ العلائی صفحات ۱۸۰، ۱۸۲، ۱۸۷ طبع بیروت)

اس سلسلہ میں قربان بھی ہو جائیں، ان دونوں عورتوں کا انجام بھی تقریباً ایک ہی سا ہوا، دونوں واقعات کا یکساں ہونا بھی عجیب تاریخی اتفاق ہے یہ خیال رہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ سلمیٰ کے اقدام کو پسند کرنا عائشہ کے خروج کا اصل سبب ہے بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ واقعہ ان کے رغبت خروج و رجحان بغاوت کا محرک ہوا اور اسی کو پیش نظر رکھ کر عائشہ نے اپنا منصوبہ باندھا، عائشہ عورت ذات کا عوام کی قیادت کرتے ہوئے خروج کرنا اور میدان جنگ میں اپنی ایک لشکر کی کمان دار بننا یہ اس وقت کی اسلامی سوسائٹی میں ایک ایسی عجیب اور نئی بات تھی کہ عرصہ تک لوگوں میں یہ بات موضوع بحث میں رہی کہ ایک عورت کو ایسی حرکتیں کرنی درست تھی یا نہیں؟ اور آیا شرعاً عورت کے لیے یہ امر جائز ہے یا نہیں؟ ام المومنین ام سلمہ زوجہ پیغمبر اور وہ لوگ جو قدیم اصول اسلام کے محافظین تھے وہ اس کو ناجائز سمجھتے تھے، لیکن طلحہ، زبیر اور بصرہ کے رہنے والے عرب جو ایرانی افکار و رجحانات سے متاثر تھے وہ اس کو جائز سمجھتے تھے بس یہ خود ان کا عمل گواہ ہے اس میں کوئی شک نہیں عورت کا یہ اقدام اور کارستانی اسلام میں ایک بالکل نئی بات تھی اور مسلمانوں کے غور و فکر کے لیے یہ ایک نیا مسئلہ تھا۔"

انھیں حالات میں، جب کہ لوگ اس جدید مسئلہ پر غور و فکر کر رہے تھے، علیؑ نے عورت کے متعلق یہ تقریر جنگ جمل کی تباہ کاریوں کے بعد جو ایک عورت کی لائی ہوئی تھی بصرہ میں ایسے مجمع کے سامنے فرمائی جن کی اکثریت عائشہ کے ساتھ شریک جنگ تھی اور جن میں ایسے بھی قبائل شریک تھے جو سجاح سلمیٰ کی قیادت کو تسلیم کر چکے تھے، علیؑ کی یہ تقریر ماضی کا ایک پس منظر پیش کرتی ہے جو مستقبل کی تباہی کا پیش خیمہ ہوئی تھی، یہ عجیب اتفاق ہے کہ "علیؑ" کے سازش قتل میں بھی ایک عورت شریک ہے، بقول عباس محمود العقاد'

وشاءت المقادیر ان تنقضی حیاة الامام بالمرأة ید فی القضاء علیها فتنتهی حیاته الغالیة مهر القطام التی قال فیها ابن ابی میاس المراد

یہ بھی ایک تقدیری بات ہے کہ علیؑ کی زندگی کو ختم کر دینے میں بھی ایک عورت کا ہاتھ ہے، اس طرح کہ آپ کی قیمتی زندگی "قطام" کا مہر قرار پائی شاعر عرب ابن ابی میاس المرادی کہتا ہے'

ولم أر مهراً ساقه ذو سماحة — كمهر قطام من فصيح وأعجم
ثلاثة آلاف وعبدٌ وقينة — وضرب عليٍّ بالحسام المسمم
فلا مهر أغلى من علي وإن غلا — ولا فتك إلا دون ابن ملجم

(عبقریة الامام العقاد ص۱۹۹ طبع مصر)

احادیث صحاح ستہ و دوسرے کتب احادیث اہلسنت میں عورتوں کی مذمت

کیا خلوص صاحب کو اپنے کتب

صحاح ستہ و مسانید معتبرہ کی خبر ہے کہ ان میں "عورت" کے متعلق کیا بتلایا گیا ہے، میں اس وقت ۳۳ حدیثوں کو موصوف کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ذرا اُن کے متعلق بھی یورپ کی رائے معلوم فرمالیں، علاّمہ شیخ محمد کمال الدین الادھمی لکھتے ہیں،

واما ما ورد من الاحادیث فی ذم النساء فهذا بعض منها قال رسول الله صلعم "النساء حبائل الشیطان" رواه البیهقی وابن عساکر عن عقبه بن عامر، وفی حدیث آخر "النساء لا یستبشرن ولا یختبرن" وفی حدیث آخر "ان اقل ساکنی الجنة النساء" رواه الامام احمد ومسلم عن عمران بن حصین وفی حدیث آخر "عامة اهل النار النساء" رواه الطبرانی عن عبد الله بن حصین و فی حدیث آخر "الا ان النار خلقت للسفهاء وهن النساء الا التی اطاعت بعلها" و فی حدیث آخر "ان ابلیس الملعون یخطب شیاطینه فیقول علیکم باللحم وبکل مسکر وبالنساء فانی لم اجد جماع الشر الا فیها" وفی حدیث آخر "لولا النساء لعبد الله حقاً" رواه الدیلمی عن انس وابن عدی عن عبد الله بن عمر بن الخطاب" وفی حدیث آخر "لولا المرأة لدخل الرجل الجنة" رواه الثقفی

عورتوں کی مذمت میں جو رسول اللہ صلعم کی احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں، رسول اللہ نے ارشاد فرمایا۔

(۱) "عورتیں شیطان کی جال ہیں۔" اس حدیث کو محدث بیہقی و ابن عساکر نے عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے۔

(۲) حدیث، عورتوں سے نہ مشورہ کرو اور نہ ان کو آزماؤ۔ (۳) حدیث، جنت میں رہنے والوں کی کم تعداد عورتوں کی ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں عمران بن حصین سے روایت کی ہے۔ (۴) حدیث، عورتیں عام طور سے جہنمی ہیں اس کو محدث طبرانی نے عبداللہ بن حصین سے روایت کی ہے۔ (۵) حدیث، جہنم بیوقوفوں کے لیے خلق ہوئی ہے اور عورتیں بھی بیوقوف ہیں سوائے ان عورتوں کے جو اپنے شوہر کی مطیع ہیں۔ (۶) حدیث، ابلیس ملعون اپنے ماتحت شیاطین سے تقریر کرتا ہے۔ "تمھارے مفید مطلب گوشت، ہر نشہ آور شے، اور عورتیں ہیں اس لیے کہ تمام بُرائیاں انھیں میں پائی جاتی ہیں۔ (۷) حدیث، اگر عورتیں نہ ہوتیں تو خدا کی عبادت ٹھیک

عن انس وفی حدیث اخر" اطلعت فی الجنة
فرایت اکثر اهلها الفقراء وفی النار فرایت
اکثر اهلها النساء والاغنیاء" رواه عبد الله
ابن الامام احمد بن حنبل عن عبد الله
بن عمرو بن العاص وفی حدیث اخر" مثل المرأة
الصالحة فی النساء کمثل الغراب الاعصم
الذی احد رجلیه بیضاء" رواه الطبرانی
عن ابی امامه وفی حدیث اخر" الدنیا حلوة
خضرة وان الله تعالی مستخلفکم فیها
فناظر کیف تعملون" فاتقوا الدنیا والنساء
فان اول فتنة بنی اسرائیل کانت فی النساء"
وفی حدیث اخر" لیأتین علی الناس زمان
لو وقع حجر من السماء الی الارض ما وقع
الا علی امرأة فاجرة او رجل منافق" وفی
حدیث اخر" النساء غل فمن یقذفه
الله فی عنق من یشاء ثم لا یخرجه الا هو"
وفی حدیث اخر" ما صعب علی الشیطان
امر فاتاه من جهة النساء الا هان علیه"
وفی حدیث اخر" ما اخاف علی امتی فتنة
اخوف علیها من النساء والخمر" رواه
یوسف الخفاف عن علی بن ابی طالب فی
حدیث اخر" ما ترکت بعدی فتنة اضر
علی الرجال من النساء" رواه البخاری
ومسلم والترمذی والنسائی واحمد بن
حنبل عن اسامه بن زید وفی حدیث
اخر" ما رایت ناقصات عقل ودین اسلب
للب ذوی الالباب منکن" رواه ابو نعیم

سے کی جاتی اس کو محدث دیلمی نے انس سے اور ابن عدی
نے عبد اللہ بن عمر بن خطاب سے روایت کی ہے۔
(۸) حدیث اگر عورت نہ ہوتی تو مرد جنت میں ہوتا اسکو
محدث ثقفی نے انس سے روایت کی ہے۔ (۹) حدیث
رسول کہتے ہیں کہ میں نے جنت میں دیکھا تو اس
میں فقراء کی اکثریت تھی اور جہنم میں دیکھا تو اس میں عورتوں
اور دولت مندوں کی اکثریت تھی۔ (۱۰) حدیث، نیک عورت
کی اتنی کمی ہے جس قدر کہ "غراب اعصم" وہ کوا کہ جس کی
ایک ٹانگ سفید ہو نایاب و نادر الوجود ہے اس کو امام
طبرانی نے ابی امامہ سے روایت کی ہے۔ (۱۱) حدیث،
دنیا شیریں اور ہری بھری ہے اور خدا نے تم انسانوں
کو خلیفہ بنایا ہے اس لیے یہ دیکھتے رہو کہ کیا عمل کرتے
ہو، دنیا اور عورتوں سے پرہیز کرو اس لیے کہ بنی اسرائیل
میں سب سے پہلا فتنہ و فساد جو ہوا وہ عورت ہی کی
ذات سے ہوا، (۱۲) حدیث لوگوں پر ایک ایسا زمانہ
بھی آنے والا ہے کہ اگر آسمان سے کوئی پتھر زمین پر آئے
تو وہ نہیں گرے گا لیکن بدکار عورت یا منافق مرد پر،
(۱۳) حدیث، اگر نحوست و بدبختی کسی چیز میں ہے تو
وہ عورت، گھر، گھوڑا یہی تین چیزیں ہیں۔ (۱۴) حدیث
عورتیں گلے کا پھندا اور پھانسی ہیں اس کو خدا جس کے
گلے میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے تب کو سوائے خدا کے
کوئی نکال نہیں سکتا، (۱۵) حدیث، جب شیطان پہ
کوئی کام دشوار ہوتا ہے تو وہ عورتوں کے ذریعہ کامیابی
حاصل کرتا ہے۔ (۱۶) حدیث، میں اپنی امت میں کسی
فتنہ سے اتنا نہیں ڈرتا ہوں جس قدر کہ عورتوں اور
نشہ آور چیزوں کے فتنے سے ڈرتا ہوں (۱۷) حدیث،
میں اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ سوائے عورتوں کے جو مردوں

عن عبد اللہ بن عمر، وفی حدیث أخر
"ما رایت من ناقصات عقل ودین اغلب
لذی لب من احد اکن اما نقصان العقل
فان شہادۃ امرأتین بشہادۃ رجل
واما نقصان الدین فان احد اکن تفطر
رمضان وتقیم ایاما لا تصلی" یعنی فی
حالتی الحیض والنفاس، وفی حدیث أخر
"اتقوا الدنیا واتقوا النساء فان ابلیس
طلاع رصاد وما ھو بشیء من فخوخہ
باوثق لصیدہ فی الاتقیاء من النساء"
رواہ الدیلمی عن معاذ وفی حدیث أخر
استعیذوا باللہ من شرار النساء وکونوا
من خیارھن علی حذر" وفی حدیث أخر
"شاوروھن وخالفوھن فان البرکۃ فی
خلافھن وفی حدیث أخر أخروا النساء
من حیث اخرھن اللہ" وفی حدیث أخر
یقطع الصلاۃ الکلب والحمار والمرأۃ وفی
حدیث أخر اذا استقبلتک المرأتان فلا تمر
بینھما خذ یمنۃ او یسرۃ" رواہ البیہقی
عن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب وفی حدیث
أخر لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ رواہ
البخاری والترمذی والنسائی واحمد بن
حنبل عن ابی بکرۃ وفی حدیث أخر کمل
من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء
الا أسیۃ امرأۃ فرعون ومریم ابنۃ عمران
وخدیجۃ بنت خویلد وفاطمہ بنت محمد"
رواہ البخاری ومسلم والترمذی وابن ماجہ

کے لیے زیادہ مضرت رساں ہو نہیں چھوڑ رہا ہوں
اس کو امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی امام
نسائی اور امام احمد بن حنبل نے اسامہ بن زید سے
روایت کیا ہے (۱۸) حدیث، میں نے تم عورتوں سے
زیادہ ناقص العقل ناقص الدین جو صاحبان عقل
کی سمجھ کو بھی گم کردیں نہیں دیکھا اس کو حافظ ابو نعیم
نے عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے (۱۹) حدیث،
میں نے تم عورتوں سے زیادہ کم عقل جن کے دین میں
بھی نقص ہو نہیں دیکھا عقل کی کمی تو اس سے
ظاہر ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے
برابر ہے اور دین کا نقصان یوں ہے کہ حالت حیض و
نفاس میں نہ تم روزہ رکھ سکتی ہو اور نہ نماز پڑھ سکتی ہو
(۲۰) حدیث، دنیا سے بچو اور عورتوں سے پرہیز کرو کیونکہ
ابلیس تمہاری گھات میں ہے، پرہیزگاروں کے پھانسنے
کے لیے اس کے پاس کوئی جال اور پھندہ عورتوں سے
زیادہ کارگر نہیں ہے اس کو محدث دیلمی نے معاذ سے
روایت کی ہے (۲۱) حدیث، بُری عورتوں سے بچنے
کے لیے خدا سے پناہ مانگو اور نیک عورتوں سے بھی
ہوشیار اور بچتے رہو (۲۲) حدیث، عورتوں سے
رائے لے کر ان کے مشورہ کے خلاف عمل کرو اس لیے
کہ ان کی مخالفت ہی میں برکت ہے (۲۳) حدیث،
عورتوں کو آگے بڑھنے نہ دو پیچھے کرو جیسا کہ خدا
نے ان کو پیچھے ڈھکیلا ہے، (۲۴) حدیث، کتا، گدھا
اور عورت سے نماز ٹوٹ جاتی ہے (نماز پڑھنے
والے کے سامنے ہونے سے) (۲۵) حدیث، راہ چلتے
دو عورتوں کے درمیان سے نہ گزرو، بلکہ ان سے
کترا کر داہنے بائیں چلو، اس کو بیہقی نے عمر بن خطاب

و احمد بن حنبل عن ابی موسی الاشعری و
فی حدیث اٰخر طاعة النساء ندامة رواه
البیهقی و ابن عساکر عن عائشة و فی حدیث
اٰخر هلك الرجال حین اطاعت النساء
رواه الامام احمد والطبرانی والحاکم عن
ابی بکرة و فی حدیث اٰخر ریت النار فاذا اکثر
اهلها النساء لانهن یکفرن العشیر و یکفرن
الاحسان لو احسنت الی احداهن الدهر ثم
رات منك شیئًا قالت ما رایت منك خیرا
و فی حدیث اٰخر من تسع و تسعین امراة واحدة
فی الجنة و بقیتهن فی النار و فی حدیث اٰخر
یا معشر النساء تصدقن فانی رایتکن اکثر
اهل النار قلنا و بم یا رسول الله فقال تکثرن
اللعن و تکثرن الطعن و تکفرن العشیر اذا
جعتن دقعتن[عه] و اذا شبعتن اشرتن و فی روایة
عجلتن و فی حدیث اٰخر ...... رایت کان امراة
سوداء ثائرة الراس خرجت من المدینة حتی
نزلت بمهیعه فاولت ان وباء المدینة نقل
الیها" رواه البخاری والترمذی و ابن ماجه
و عن عبد الله بن عمر بن الخطاب و مناسبة
ذکر هذا الحدیث مع ما قبله کون وباء المدینة
تمثل لرسول الله صلعم بصورة امراة اشارة
الی ان بین النساء والوباء مناسبة و علاقة"

کے بیٹے عبداللہ سے روایت کی ہے (۲۶) وہ قوم کبھی کامیاب
نہیں ہوئی جن کی حاکم عورتیں ہوئیں اس کو امام بخاری نے
اور امام ترمذی نے اور امام نسائی نے اور امام احمد بن حنبل
نے ابی بکرہ صحابی سے روایت کی ہے (۲۷) حدیث، مردوں
میں سے تو بہت کامل ہوئے لیکن عورتوں میں سوائے
آسیہ زن فرعون، مریم دختر عمران، خدیجہ دختر خویلد اور
فاطمہ دختر محمد کے اور کوئی کامل نہیں ہوا اس کو امام بخاری
امام مسلم، امام ترمذی، ابن ماجہ، احمد بن حنبل نے ابو موسی
اشعری سے روایت کی ہے (۲۸) حدیث، عورتوں کی اطاعت
ندامت ہے اس کو محدث بیہقی اور ابن عساکر نے عائشہ
سے روایت کی ہے (۲۹) حدیث، وہ مرد ہلاک ہوگئے جنہوں
نے عورتوں کی اطاعت کی، اس کو امام احمد بن حنبل، طبرانی
امام حاکم نے ابی بکرہ سے روایت کی ہے (۳۰) حدیث،
میں نے جہنم میں دیکھا تو اس میں عورتوں کی زیادتی تھی
کیونکہ وہ اپنی قوم و قبیلہ اور شوہر سے کفران کرتی ہیں اور
نیکی و احسان کو مٹاتی ہیں اگر تم کسی عورت کے ساتھ تمام
عمر نیکی کرتے رہو اور اتفاق سے کوئی بات تم سے اس کے
خلاف مزاج ہو جاوے تو پھر وہ یہی کہے گی کہ تم سے کبھی
کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔ (۳۱) حدیث، ۹۹ عورتوں میں
سے ایک جنت میں ہوگی اور بقیہ سب جہنم میں ہوں گی۔
(۳۲) حدیث، اے عورتو، صدقہ دو اس لیے کہ میں نے
تم میں سے اکثر کو جہنم میں دیکھا ہے، بی بیوں نے عرض کیا
یا رسول اللہ یہ کیوں جہنم میں ہوں گی فرمایا اس لیے کہ لعن طعن

(مرآۃ النساء [illegible] احسن منهن وساء صفحات ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، مطبوعہ مطبع محمودیہ مصر)

عه دقع رضی بالدون من المعیشة وساء احتماله للفقر ولصق بالتراب ذلا و دقرا او اشر بطر،
و عجل دفع رجلا و مشی متربثا علی رجله الاخری کنایة عن البطر۔

کرنے میں تو بات بہت بڑھتی ہے، شوہر و عزیزوں سے کفران نعمت کرتی ہیں، بھوکی ہوئیں تو ذلت و فقر کو ظاہر کرتی ہیں اور پیٹ بھری ہوئیں تو کبر و غرور کرتی ہیں (۲۳) میں نے ایک کالی عورت کو دیکھا کہ مدینہ سے نکل کر جحفہ میں گئی، میں نے اس کی یہ تاویل کی کہ مدینہ سے وبا نکل کر جحفہ میں چلی گئی۔

اس حدیث کو امام بخاری، امام ترمذی، ابن ماجہ نے عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے، حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عورت اور وباء میں کوئی مناسبت و علاقہ ہے تبھی تو وباء رسول اللہ کو عورت کی صورت میں دکھائی دی۔"

یہ وہ حدیثیں ہیں جن کو محدثین اہل سنت نے نقل کیا ہے اور جو صحاح ستہ میں بھی پائی جاتی ہیں، کیا خلوصی صاحب کی نظر ان احادیث پر نہیں گئی، یورپ کی عورتوں کے سامنے ان کو پیش فرمائیے، امیر المومنین علی بن ابی طالب نے اپنے خطبہ میں عورتوں کے متعلق جو کچھ فرمایا اس کی تائید تو آپ کے احادیث صحاح سے ہو رہی ہے۔

یورپ کی عورتیں اپنے عیوب سننے کی عادی ہیں
عورت کے متعلق عقلاء یورپ کے اقوال

خلوصی صاحب کا یہ خیال غلط ہے کہ یورپ کی عورتیں اپنے عیوب کو سننے کی عادی نہیں ہیں، یہ عورتیں "نسلاً بعد نسلٍ" چرچ میں اپنے مقدس پاپ "پادری" سے یہ برابر سنتی آئی ہیں اور ان کے کان اس بات کو سننے میں مانوس ہو چکے ہیں کہ "عورت تمام برائیوں کی جڑ ہے، وہ عورت ہی ہے جس نے جنت سے نکلوایا، اگر "آدم" حوا کے کہنے میں نہ آتے تو اولاد آدم آسمانی سلطنت سے دور نہ ہوتے اور خدا کا اکلوتا انسان گناہوں کے بوجھ کو لاد کر سولی پر نہ چڑھتا۔

وہ عورتیں مشہور جرمنی فلسفی شوپنہار کے اس قول کو بھی ضرور سن چکی ہوں گی "تم مجھ سے نرم، نازک، چکنے سانپ کے بارے میں پوچھتے ہو جو ہر وقت تمہارے سامنے ہے، یہ سانپ سوائے عورت کے اور کون ہے، عورت چاہے فرشتہ ہو یا شیطان ہم کو اس سے کیا، خدا ہم کو اس کے شر سے بچائے، محبت پھول ہے، اور عورت کانٹا ہے، ذرا عورت کو بغیر کسی نگہبان و محافظ کے آزاد چھوڑ تو دو اور ایک سال کے بعد دیکھو کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے، عورت اسی وقت تک مقدس ہے جب تک کہ وہ اپنے گھر بلو یا تون میں منہمک ہے عورت کو چاہیے کہ وہ "عورت" ہی کی حد میں رہے اپنے قدم اس کے آگے نہ بڑھائے" انگریز عورت سر والٹر اسکاٹ کے قول سے بھی ضرور باخبر ہو گی کہ "عورت کی خوبصورتی اس کی عقل میں ہے اور اس کی عقل اس کی خوبصورتی میں" ہاں ہاں اس کو اپنے قومی شاعر شکسپیر کی یہ رائے بھی ضرور معلوم ہو گی، "اگر عورت کے آنسوؤں سے زمین سیراب کی جا دے تو ہر قطرہ سے سانپ اُگے" وہ انگریزوں کی ان قومی کہاوتوں کو بھی بار بار سن چکی ہوں گی۔

عورت شیرخوارگی میں مچھر ہے، بچپنے میں مکھی ہے، اپنی تعلیم کے زمانہ میں جھینگر ہے، شباب میں ٹڈی، اور شادی کے دنوں میں شہد کی مکھی، شادی کے بعد ڈنک مارنے والی بھڑ، اور بڑھاپے میں ڈسنے والی ناگن ہے" عورت کے ڈاڑھی مونچھ اس لیے نہیں کہ وہ پہچان لی جائیں کہ یہ بیوقوف ہیں۔"

مرد عورت کی طرف صرف یہ دکھلانے کے لیے متوجہ ہوتے ہیں تاکہ یہ کہا جاسکے کہ ان میں خوبی ہے اگرچہ درحقیقت ان میں کوئی خوبی نہیں ہے۔"

ان عورتوں کو تو معلوم ہی ہوگا کہ فرانسیسی جب کسی ایسے قتل و فساد کو سنتے ہیں جس کا سبب نہیں معلوم ہوتا تو کہتے ہیں "تحقیق کرو اس خون و فساد کا سبب عورت ہوگی، کیونکہ فی صدی ۹۹ قتل و فساد جو دنیا میں ہوتے رہتے ہیں وہ عورت ہی کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں، دراصل عورت ہی شر و فساد کی اصل جڑ ہے۔"

(مراۃ النساء صفحہ ۴۸، ۴۹ طبع مصر) کیا انگلستان کی عورتوں نے اپنے شاعر شکسپیر کی زبانی اپنے عیب کو ان الفاظ میں نہیں سنا (FRAILTY THY NAME IS WOMAN SHAKESPEARE)

موجودہ دنیائے فکر و تحقیق کا مایۂ ناز ماہر علم النفس "فرائڈ" عورت کی نفسیاتی تحلیل کرنے کے بعد اس امر کا اقرار کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتا کہ "It must be admitted that women have but little semsa of justice, and this is no doubt connected with the preponderence of envy in theis mental life, for the demands of justice are a modification of envy, they lay down the Conditions under wich one is willing as part with it ze say also of women that thoir social interasts are wearket than those of men, and that their capacity for tho sublimation of their instincts is less."

Ch. XXXIII
Psychology of Women
New Introductory Lectures
by
Sigmund Frued

(ترجمہ) اس کا تو ضرور اعتراف کیا جائے گا کہ عورتوں میں جذبۂ عدل و انصاف کی بہت کمی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا تعلق اس رشک و حسد کے مادہ سے ہے جو ان کی نفسانی زندگی میں بدرجۂ افراط موجود ہے اس لیے کہ انصاف کے مطالبات رشک و حسد کے اعتدال کے ساتھ ہیں نہ کہ افراط کے ساتھ) وہ

ایسے شرائط پیش کرتے ہیں جن کے ماتحت ہر شخص اس سے علٰحدگی پر رضامند ہوجاتا ہے ہم عورتوں کے بارے میں یہ بھی کہیں گے کہ ان کے جماعتی اور سماجی حقوق بہ نسبت مردوں کے جماعتی حقوق کے بہت زیادہ کمزور ہیں اور یہ کہ اُن کی استعداد اپنی فطری صلاحیت و مہارت کو بہتر بنانے کی بہت کم ہے۔"

(باب ۲۳ نفسیات زنان، نیو انٹروڈکٹری لکچرس مصنفہ سگمنڈ فرائڈ)

کیا موجودہ علم النفس کا امام "فرائڈ" عورتوں کی نفسیاتی تحلیل و تجزیہ کرنے کے بعد جس نتیجہ تک پہنچا ہے وہی نہیں ہے جس کو امام المتقین امیرالمومنین علی ابن ابی طالب نے آج سے تیرہ سو برس پہلے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا، مادۂ رشک و حسد جو عورتوں کی نفسانی زندگی میں بدرجۂ افراط موجود ہے اسی نے تو ان کے عقول میں نقصان پیدا کیا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کی بناء پر وہ اپنی فطری صلاحیت کو درجۂ کمال تک پہونچانے سے قاصر رہ جاتی ہیں، اور معاشرتی زندگی میں مردوں کے برابر ان کے حقوق نہیں تسلیم کیے گئے، اگر مسٹر فرائڈ "سائیکالوجی آف ومین" کے متعلق یہ سب کچھ بتلا سکتے ہیں اور اس کو سننے کے لیے انگلستان کی عورتیں آمادہ ہیں تو "علی کے کلام معجز نظام کو بھی وہ ضرور بکشادہ پیشانی سننے کے لیے تیار ہوں گی۔

نہج البلاغہ کے متعلق خلوصی کے شکوک ایراد

خلوصی صاحب نے امیرالمومنینؑ کے اس خطبہ کے پردے میں احکامات اسلام کو مورد الزام و طعن قرار دینے کے بعد نہج البلاغہ کے متعلق چند شکوک وارد کیے ہیں، یہ شکوک وہی ہیں جو مخالفین علیؑ و حامیان بنی اُمیہ مثل ابن تیمیہ و ذہبی اور مخالفین اسلام متعصب مسیحی معترضین نے کیے ہیں، ان تمام شکوک کا ماحصل یہ ہے۔

۱۔ سید مرتضٰی و سید رضی سے پہلے یہ خطبے مدوّن نہ تھے اور نہ ان دونوں بھائیوں کے پہلے کے مصنفات میں ان کا کہیں نشان ملتا ہے، یہ خطبے علیؑ کے بہت بعد جمع ہوئے جن کے مصادر کا پتہ نہیں۔

۲۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ کے خطبے لوگوں کو حفظ تھے، آخر خود پیغمبرؐ اور دوسرے خلفاء کے خطب و مواعظ کیوں نہ حفظ ہوکر مدوّن ہوئے جب کہ وہ لوگ علیؑ سے بلند مرتبہ تھے اور ان کے ماننے والے بھی زیادہ تھے۔

۳۔ ان خطبوں میں حضرت علیؑ کی زبانی خلفاء پر سب و شتم و طعن کیا گیا ہے جو حضرت سے ہرگز نہیں ہوسکتا تھا جیسے خطبۂ شقشقیہ، اس لیے خصوصیت سے یہ خطبہ حضرت کا نہیں ہوسکتا۔

۴۔ ان خطبوں میں ایسے بلند افکار، و فلسفیانہ مضامین و علم کلام کی بحثیں ہیں جن کا وجود اس عہد میں نہ تھا، ان مضامین عالیہ کو بیان کرنے پر حضرت علیؑ کیونکر قادر ہوسکے، خصوصاً عہدنامہ

مالک اشتر جو عہد سلطان بایزید دوم کے زمانہ کا نسخہ ہے وہ مختصر ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہج البلاغۃ میں جو عہد نامہ مالک اشتر کا ہے وہ بڑھا دیا گیا ہے اور ان دونوں کے اصل کو اگر حضرت سے تسلیم بھی کیا جاوے تو مختصر الفاظ میں چند سطروں پر مشتمل ہوگا۔

۵۔ نہج البلاغۃ کے خطب میں مذاق تصوف بھی پایا جاتا ہے جو حضرت کے بعد کی پیداوار ہے۔

۶۔ اس میں غیب کی خبریں اور پیشین گوئیاں ہیں۔

۷۔ اس کا اسلوب حضرت کے عہد کا نہیں، مسجع عبارتیں ہیں، طول بہت ہے جو اس زمانہ کا رواج نہ تھا، خالص عربیت نہیں ہے اس میں کچھ حضرت کا اور کچھ دوسروں کا کلام شامل ہے۔

۸۔ اس میں نحوی غلطیاں ہیں اور بعض الفاظ ایسے معنوں میں مستعمل ہیں جو اس زمانہ میں رائج نہ تھے۔

یہ ہے خلاصہ ان شبہات کا جو خلوصی صاحب نے اپنے مضمون میں وارد کیے ہیں اور جن کی تفصیل ہمارے جوابات سے ظاہر ہو جاوے گی۔

پہلے شبہ کا جواب

میں اس مضمون میں بہت وضاحت کے ساتھ تاریخی حوالوں و معتبر ماخذوں سے یہ ثابت کر چکا ہوں کہ امیر المومنینؑ کے خطبے خود حضرت ہی کے عہد میں آپ کے افاضل اصحاب نے مدون و محفوظ کر لیا تھا اور علویئین میں یہ خطبے بطور درس رائج تھے اس کے بعد آئمہ معصومین کے اصحاب نے حضرت کے خطبوں کو مرتب و مدون کیا تھا اس کے علاوہ دوسرے علماء و ادباء نے بھی اپنے سلسلۂ اسناد سے حضرت کے خطب کو جمع کیا، صرف یہی نہیں بلکہ سید رضی سے پہلے کے مورخین و محدثین و علماء فریقین کی ایک کثیر تعداد ہے جنہوں نے اپنے مجامیع کتب و تصانیف میں حضرت کے خطب اقوال کو وارد کیا ہے، اور با کمال کتاب و ادیب اور مقرر و خطیب حضرت کے خطب و رسائل کو یاد کر کے اپنے کمال فن میں جلا دیتے رہتے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ حضرت کے خطب و کلام عہد جاحظ سے پیشتر کے درسیات میں ایک اہم مضمون کی حیثیت رکھتا تھا (ادب الجاحظ باب ۱۲ صفحہ ۱۹۶ طبع مصر) عمر بن بحر الجاحظ المتوفی ۲۵۵ھ نے کتاب البیان والتبین میں اس کا اقرار کیا ہے کہ حضرت کے خطبے مدون و مرتب و متداول و رائج ہیں، جاحظ کے اس بیان کی مجملاً تشریح یہ ہے کہ خود امیر المومنینؑ کے اصحاب نے حضرت کے خطب و دیگر آثار علمیہ کو مدون و مرتب کر لیا تھا لیکن اس ابتدائی تدوین و ترتیب کے بعد بنی امیہ کے تاریک دور میں غالباً یہ خطبے معرض فنا میں آ رہے تھے یا دوسروں کی طرف منسوب ہو جانے کا امکان تھا اس لیے امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام کے اصحاب اس خطرہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور ہشامؒ بن محمد الکلبی صحابی امام محمد باقر علیہ السلام

واسمٰعیل[۱۲] بن مہران السکونی الکوفی و ابراہیم[۱۳] بن الحکم الفزاری، صحابی امام جعفر صادق علیہ السلام مسعدہ[۱۴] بن صدقہ العبدی صحابی امام جعفر صادق و امام موسیٰ کاظم علیہما السلام صالح[۱۵] بن ابی حماد الرازی صحابی امام علی النقی علیہ السلام، سید عبدالعظیم[۱۶] بن عبداللہ الحسنی متوفی حدود سنہ ۲۵۰ھ صحابی امام علی نقی علیہ السلام کے سے مشہور اصحاب ائمہ معصومین علیہم السلام ان خطبوں کی جمع و تدوین کی طرف برابر متوجہ رہے گویا آج کل کی زبان میں علیؑ کے زمانہ سے تقریباً سنہ ۲۵۰ھ تک خطب امیرالمومنین کے چھ ایڈیشن شائع ہوئے جن کو مرتب کرنے والے جلیل القدر اصحاب ائمہ تھے یہ پے در پے جمع و تدوین (ایڈیشن کا نکلنا) اس کا ثبوت ہے کہ اس ادبی خزینہ کے محافظین اپنے فرائض حفاظت کی طرف برابر متوجہ رہے اور دشمنوں کو تصرف و تغلب کا موقع کسی طرح بھی نہ دے سکے۔

علمائے اہل سنت میں سے علی بن محمد مدائنی متوفی سنہ ۲۲۵ھ نے بھی جب کہ ابھی امام حسن عسکری علیہ السلام حیات تھے (حضرت کی وفات سنہ ۲۶۰ھ میں واقع ہوئی) امیرالمومنینؑ کے مکاتیب فرامین کو مدوّن کیا تھا اس کے بعد ابراہیم بن محمد الثقفی الکوفی المتوفی سنہ ۲۸۳ھ نے ایک دوسرا مجموعہ حضرت کے خطب و فرامین کا مرتب کیا اس کے بعد ابو احمد عبد العزیز الجلودی البصری متوفی سنہ ۳۳۲ھ نے حضرت کے خطب و رسائل و مواعظ کے مختلف مجموعے مرتب و مدوّن کیے، اب وہ زمانہ آچکا تھا جب کہ مصنفین و مولفین بکثرت تھے، تصنیف و تالیف کا دور تھا اور جو بھی علم و ادب کی کوئی کتاب لکھتا تھا اس میں وہ امیرالمومنینؑ علی بن ابی طالب کے آثار علمیہ میں سے کچھ نہ کچھ ضرور جمع کرتا تھا اور محدثین و مورخین محلِ موقع کی مناسبت سے اپنی کتابوں میں ان کو جگہ دیتے رہتے تھے، یہاں تک کہ جناب سید رضی موسوی متوفی سنہ ۴۰۶ھ کا زریں عہد آیا اور آپ نے حضرت کے خطبات و رسائل و امثال کے ایک گرانبہا مجموعہ کو مدوّن فرمایا یہ سمجھنا کہ سب سے پہلے سید رضی نے ان کو جمع و مرتب کیا یہ دلیل بے خبری ہے، یا یہ کہ خود شریف رضی ان کے واضع ہیں ایک پوچ و لچر خیال ہے۔

ڈاکٹر زکی مبارک مصری اپنی کتاب "النثر الفنی فی القرن الرابع" میں لکھتے ہیں:-

وقد اراد المسیو دیمومبین (DEMOMBYNES) ان یغض من قیمۃ ما نسب الی علی بن ابی طالب من خطب و رسائل، استنادا الی ما شاع منذ ازمان من ان الشریف المرضی ہو صنع کتاب نہج البلاغہ، اما نحن فنتحفظ فی ہذہ المسألۃ کل التحفظ لان الجاحظ یحدثنا ان خطب علیؑ و عمر و عثمان کانت

مسیو ڈیموبین نے حضرت علیؑ کے خطب و رسائل کے متعلق جو زمانہ دراز سے اسناد کے ساتھ شائع و رائج ہیں ان کی قدر و قیمت گھٹانے کے لیے یہ رائے ظاہر کی کہ کتاب نہج البلاغہ کے وضع کرنے والے شریف رضی ہیں لیکن ہم کو اس مسئلہ میں وثوق کامل ہے کہ یہ مجموعہ حضرت علیؑ ہی کا ہے اس لیے کہ جاحظ کا یہ بیان ہے کہ علیؑ عمر و عثمان کے خطبے مختلف مجموعوں میں مدوّن و

محفوظة فی مجموعات ومعنی هذا ان خطب علیؑ کانت معروفة قبل الشریف الرضی، والذین نسبوا نهج البلاغة الی الرضی یحتجون بانه وضعها لاغراض شیعیة، فلم لا نقول من جانبنا بان تهمة الوضع جاءت لتائید خصوم الحملات الشیعیة

محفوظ ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت علیؑ کے خطبے سید رضی کے بہت قبل زمانے سے مشہور و معروف تھے، جو لوگ نہج البلاغہ کو سید رضی کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ شیعی اغراض کے لیے سید رضی نے ان خطبوں کو وضع کیا ہے ان لوگوں سے جواب میں کیوں نہ یہ کہوں کہ یہ وضع کرنے کی تہمت صرف اس لیے تراشی گئی ہے کہ شیعوں کے دشمنوں کی اس سے تائید ہو۔ (النثر الفنی ص۴۵ طبع مصر جلد اول)

سید رضی نے ان خطبوں کو "علی شروط الصحۃ" صحیح ماخذ و اسناد سے جمع فرمایا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو خود ان کے زمانے میں جب کہ بغداد میں اہل سنت کا غلبہ تھا، جہاں اہل سنت کے اجلۂ علماء و حفاظ و نقاد و راویان اخبار بکثرت موجود تھے تو فوراً سید رضی کو مورد الزام قرار دیتے اور سنی المذہب خلیفۂ وقت کی جانب سے مبتلائے عقاب و عذاب ہوتے حالانکہ معمولی باتوں پر حکومت سید رضی کو مورد عتاب قرار دے دیتی تھی جس کا تذکرہ آیندہ کے صفحات میں کیا جائے گا، علاوہ اس کے خود سید رضی کا تدین کب اس کی اجازت دے سکتا تھا کہ وہ موضوع یا مشکوک کلام کو حضرت علیؑ کی طرف منسوب کر دیں، ایسا کرنے میں خود سید کے عقیدے کے لحاظ سے دنیا و آخرت ہر دو جگہ خطرہ مول لینا تھا، کیونکہ کوئی شیعہ اپنے امام معصوم کی طرف کسی کلام منحول و موضوع کو منسوب کر سکتا ہے جب کہ اس کو دنیا و آخرت میں نقصان ہی نقصان ہو، آخر سید رضی کے معاصرین علمائے اہل سنت نے کیوں نہیں اپنے مصنفات میں اس امر خاص میں سید رضی کا تعاقب کیا، بجائے اس کے یہ لوگ ان کے علم و فضل، زہد و ورع، عفت و اتقاء کی تعریف کرتے ہیں، خود سید رضی ناقد بصیر تھے، موصوف کا ادب و شعر میں بڑا مرتبہ ہے، وہ حضرت علیؑ کے کلام کو پرکھنے میں بہ نسبت دوسروں کے زیادہ کمال رکھتے تھے، انھوں نے نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کے اسی کلام کا انتخاب فرمایا جس کی صحت میں کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا تھا، جو حد تواتر و شہرت کو پہونچا ہوا تھا، اسی لیے کمال وثوق کے ساتھ بغیر ذکر اسناد و ماخذ حضرت کے کلام کو نہج البلاغہ میں جمع فرمایا جس طرح ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں بغیر ذکر اسناد کے اپنے علم و وثوق و صحت کی بناء پر حضرت علیؑ و دیگر خلفاء کے خطبوں کو وارد کیا ہے، ہاں جہاں پر سید رضی نے یہ دیکھا کہ گنجائش کلام ہے وہاں پر اپنے ماخذ کا حوالہ بھی دے دیا یا بتلا دیا کہ یہ کلام در اصل امیر المومنینؑ ہی کا ہے دوسرے کی طرف غلط منسوب کیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت کا یہ خطبہ جس کی ابتدا "ایھا الناس انا قد اصبحنا فی دھر عنود" سے ہے اس کو نقل کر کے متنبہ فرماتے ہیں :۔

اقول ھذہ الخطبة ربما نسبها

میں کہتا ہوں کہ (بعض) جاہل اس خطبہ کو معاویہ

من لاعلم له الی معاویة، وهی من کلام امیر المومنین علیه السلام الذی لایشك فیه واین الذهب من الرغام والعذب من الاجاج وقد دل علی ذالك الدلیل الخریت ونقده الناقد البصیر عمرو بن بحر الجاحظ فانه ذکر من نسبها الی معاویة ثم قال هی بکلام علی علیه السلام اشبه بمذهبه فی تصنیف الناس وبالاخبار عما هم علیه من القهر والاذلال ومن التقیة والخوف أليق، قال ومتی وجدنا معاویة فی حال من الاحوال یسلك فی کلامه مسلك الزهاد ومذهب العباد"

کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ یہ امیر المومنینؑ ہی کا کلام ہے، بھلا سونے کا مقابلہ مٹی کر سکتی ہے، یا آب شیریں کا مقابلہ آب شور کر سکتا ہے، اس امر کا اعتراف واقرار، راہ نمائے ماہر ناقد بصیر عمرو بن بحر جاحظ نے بھی کیا ہے جاحظ نے اپنی کتاب بیان والتبیین میں اس خطبہ کو وارد کیا ہے اور ان کا ذکر کیا ہے جو اس کو معاویہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کے بعد جاحظ اصل حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ " یہ خطبہ علی علیہ السلام کے کلام سے بہت زیادہ مشابہ ہے اور آپ کے روش وطریقہ کے بالکل مطابق ہے، لوگوں کو مختلف اصناف میں تقسیم کرنے اور ان کے او پر گزرنے والے حالات، مغلوبیت و قہر، ذلت و خواری، تقیہ و خوف کو بتلانے میں سزاوار تر ہے علیؑ ہی کے اسلوب و انداز بیان سے اس کے بعد جاحظ نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم نے معاویہ کو کب ایسا پایا کہ وہ اپنے کلام میں زاہدوں کی سی چال چلیں اور خاص بندگان خدا کی سی رفتار اختیار کریں" (نہج البلاغہ طبع مصر ص ۹۶ جلد اول)

علامہ جاحظ کی پوری عبارت جو آج بھی کتاب البیان والتبیین میں موجود ہے، وہ یہ ہے۔

وفی هذه الخطبة ابقاك الله ضروب من العجب منها ان هذا الکلام لایشبه السبب الذی من اجله دعاهم معاویه ومنها ان هذا المذهب فی تصنیف الناس وفی الاخبار عنهم وعما هم علیه من القهر والاذلال ومن التقیّة والخوف اشبه بکلام علیؑ وبمعانیه وبحاله منه بحال معاویة منها انالم نجد معاویة فی حال من الحالات یسلك فی کلامه مسلك الزهاد ولا یذهب مذاهب العباد"

خدا تمھیں سلامت رکھے معاویہ کی طرف اس خطبہ کو منسوب کرنے سے چند قسم کی حیرانی پیدا ہو جاتی ہے از انجملہ یہ کہ یہ کلام ان حالات و اسباب کے مطابق و مشابہ نہیں ہے جس کے لیے معاویہ شامیوں سے یہ تقریر کریں، یہ خطبہ حضرت علیؑ کے کلام سے بہت زیادہ مشابہ اور آپ کے روش وطریقہ کے بالکل مطابق ہے، لوگوں کو مختلف اصناف میں تقسیم کرنے اور ان کے اوپر گزرنے والے حالات، مغلوبیت و قہر، ذلت و خواری، تقیہ و خوف کے بتلانے میں سزاوار تر ہے۔ علیؑ ہی کے اسلوب انداز بیان سے اس کے علاوہ ہم نے معاویہ کو کب ایسا پایا کہ وہ زہاد و عباد کی روش اختیار کریں اور اپنے کلام میں ان لوگوں کا ساطریقہ برتیں۔

(کتاب البیان والتبیین الجزء الثانی ص۱۲ مع شرح حسن السندوبی طبع مصر)

اسی طرح امیرالمومنینؑ کے اس قول "اخبُر تقلہ" کو نقل فرما کر سید رضی فرماتے ہیں :-

ومن الناس من یروی ھذا للرسول صلی اللہ علیہ وآلہ ومما یقوی انہ من کلام امیرالمومنینؑ ما حکاہ تغلب عن ابن الاعرابی قال قال المامون لولا ان علیا قال اخبر تقلہ لقلت اقلہ تخبر"

بعض لوگ اس کلمہ کو حضرت رسولؐ خدا سے روایت کرتے ہیں لیکن قوی یہی ہے کہ یہ امیرالمومنینؑ کے کلمات میں سے ہے جیسا کہ تغلب نے بیان کیا ہے، کہ مجھ سے بیان کیا ابن اعرابی نے کہ خلیفہ مامون رشید نے کہا اگر حضرت علیؑ کا ارشاد "اخبر تقلہ" نہ ہوتا تو میں اس کے بجائے "اقلہ تخبر" کہتا۔ (نہج البلاغہ ص۲۴۷ طبع مصر)

ایک دوسرے "کلمہ" "العین وکاء السہ" کو سید رضی نے نہج البلاغہ میں نقل فرما کر یہ لکھا ہے :-

وھذا القول فی الاشھر الاظہر من کلام النبیؐ علیہ السلام وقد رواہ قوم لامیرالمومنین علیہ السلام وذکر المبرد فی کتاب المقتضب فی باب اللفظ بالحروف۔

در اصل یہ قول بنا بر اشہر اظہر رسول اللہ صلعم کے اقوال سے ہے اور یہ تحقیق کہ ایک قوم نے اس کلمہ کو امیرالمومنینؑ کے کلمات سے ہونا روایت کیا ہے اور مبرد نے بھی اپنی کتاب المقتضب کے باب "اللفظ بالحروف" میں اس کو امیرالمومنینؑ کا کلمہ ہونا بتلایا ہے۔ (نہج البلاغہ ص۲۵۳ طبع مصر)

قابل ملاحظہ ہے یہ امر کہ اگرچہ مبرد اور دوسرے راویان ادب اس قول کو حضرت علیؑ کا بتلاتے ہیں لیکن چونکہ خود سید رضی کی تحقیق اس کے خلاف ہے اس لیے اس کو وہ رسول اللہ صلعم کا قول قرار دیتے ہیں صرف نہج البلاغہ ہی میں نہیں اس کی وضاحت فرمائی بلکہ اپنی دوسری کتاب مجازات النبویہ میں بھی اس قول کو بضمن کلام حضرت رسولؐ خدا وارد فرما کر یہ لکھا ہے کہ اگرچہ اس کلمہ کو محمد بن یزید المبرد نے اپنی کتاب المقتضب کے باب اللفظ بالحروف میں حضرت علیؑ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن اظہر اشہر یہی ہے کہ یہ رسول اللہ کا کلام ہے (مجازات النبویہ ص۱۷۹ طبع بغداد)

سید رضی کا یہ اسلوب تالیف اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ نے نہج البلاغہ میں جہاں پر ماخذ و اسناد کا ذکر نہیں کیا ہے اس کے کلام امیرالمومنینؑ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے بلکہ ماخذ و اسناد کا حوالہ دینا اُسی مقام پر ضروری سمجھا ہے جہاں پر شک کیا جا سکتا تھا۔

مصادر و ماخذ نہج البلاغہ جن کا ذکر سید رضی نے کیا ہے

اس بنا پر سید رضی نے نہج البلاغہ میں جہاں اس کی ضرورت سمجھی ہے مندرجہ ذیل مصادر و ماخذ کا حوالہ دیا ہے۔

۱۔ کتاب البیان والتبیین لعمرو بن بحر الجاحظ۔

۲۔ کتاب المقتضب للمبرد فی باب اللفظ بالحروف۔
۳۔ کتاب المغازی لسعید بن یحییٰ الاموی۔
۴۔ کتاب الجمل للواقدی۔
۵۔ کتاب المقامات فی مناقب امیر المومنین لابی جعفر الاسکافی۔
۶۔ تاریخ ابن جریر الطبری۔
۷۔ حکایت ابی جعفر محمد بن علی الباقر علیہ السلام
۸۔ روایۃ الیمانی عن ابن قتیبہ۔
۹۔ ماوجد بخط ہشام الکلبی (یعنی مجموعہ خطب امیر المومنین جس کو ہشام بن محمد السائب الکلبی نے جمع کیا تھا گویا یہ مجموعہ خطب علیؑ خود اپنے جامع ہشام الکلبی کا لکھا ہوا تھا جس کا حوالہ سید رضی دے رہے ہیں۔
۱۰۔ خبر ضرار بن حمزۃ الضبابی۔
۱۱۔ روایۃ ابی جحیفۃ۔
۱۲۔ حکایت ثعلب۔

کتب مصادر نہج البلاغہ کہاں جمع تھے

دراصل نہج البلاغہ کے مصادر کتب زیادہ تر صاحب ثمانین سید مرتضیٰ متوفی سنہ ۴۳۶ھ کے کتب خانہ میں محفوظ رہے ہوں گے اس خزینۃ الکتب میں ۸۰ ہزار کتابیں تھیں (یتیمۃ الدھر ثعالبی امل الآمل شیخ الحر العاملی ص۴۸ منہج المقال ص۲۳۲ مجالس المومنین قاضی نور اللہ شوستری مجلس پنجم) اس کتب خانہ کے نوادرات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ "وکانت الاصول الاربعمائۃ والکتب الخمسۃ آلاف کلھا موجودۃ عندہ" چارسو کتب اصول اور پانچ ہزار دوسری (انوار النعمانیہ علامہ نعمت اللہ الجزائری ص۲۹۴) کتابیں جو عہد ائمہ معصومین علیہم السلام (زمانہ امام اول تا امام یازدہم) میں تصنیف و تالیف ہوئی تھیں وہ سب موجود تھیں۔"

اس کے معنی یہ ہوئے کہ اصحاب ائمہ نے جو مجموعے خطب امیر المومنینؑ کے جمع کیے تھے وہ سب یہاں موجود تھے، ثعالبی نے یتیمۃ الدھر میں لکھا ہے کہ سید مرتضیٰ کی وفات کے بعد زیادہ تر کتابیں امراء و وزراء نے حاصل کر لی تھیں اس کے بعد باقی ماندہ کتابوں کی قیمت کا اندازہ تیس ہزار اشرفی لگایا گیا تھا (امل الآمل ص۴۸) تنکابنی نے اس قیمت کا اندازہ اسی ہزار تومان بتلایا ہے (قصص العلماء ص۱۹۵ طبع ایران) بہ ظاہر سید مرتضیٰ کے بعد بھی اس کتب خانہ کی کتابیں بغداد ہی میں محفوظ رہی ہوں گی۔

شیعی اسلامی خزائن کتب کی تباہی

لیکن آج یہ مصادر و ماخذ سوائے چند کے محفوظ و موجود

نہیں جس طرح سے امیرالمومنین کے دوسرے مجموعۂ خطب جن کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے نہیں پائے جاتے ہیں اس کا سبب صاف ظاہر ہے، تاریخ اسلام سے دل چسپی رکھنے والے اس سے واقف ہیں کہ ہلاکو نے ۶۵۶ھ میں بغداد کو (جہاں سید مرتضیٰ کا خزینۃ الکتب تھا اور جہاں سید رضی نے نہج البلاغہ کو مرتب کیا) تاراج کرنے کے بعد وہاں کے عظیم الشان کتب خانوں کو دجلہ میں پھنکوادیا تھا، ان کتابوں کی مجموعی تعداد جو دجلہ میں غرق کی گئی ہیں، تقریباً چھ لاکھ بتلائی گئی ہے، (تجلیات روح ایرانی چاپ برلین ص۸۵ و تاریخ ادبیات ایران پروفیسر براؤن) بعض کا بیان ہے کہ اس نے ان کتابوں کو اینٹ کی طرح چنواکر گھوڑوں کے لیے اصطبل تیار کرایا تھا (ابن خلدون ۳، ص۵۳۷) مولوی شبلی نعمانی نے اپنے مضمون "اسلامی کتب خانے" میں لکھا ہے کہ بغداد کے بعض مورخوں نے یہاں تک مبالغہ کیا ہے کہ تاتاریوں نے بغداد کے کتب خانے جب برباد کیے اور تمام کتابیں دریا میں ڈال دیں تو دجلہ کا پانی کالا ہوگیا، لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس فتنہ میں بے شمار کتابوں کا نام و نشان جاتا رہا" تاتار کا سیلاب بغداد پر محدود نہ تھا بلکہ ترکستان ماوراء النہر، خراسان، بلاد جبل، فارس، عراق، جزیرہ، شام ان تمام مقامات سے گزرا اور جہاں گزرا تمام علمی یادگاروں کو مٹاتا گیا، (رسائل شبلی ص۵۰،۵۱ طبع امرتسر) ۵۰۲ھ میں جب عیسائیوں نے طرابلس شام پر قبضہ کیا ہے تو ان لوگوں نے یہاں کے کتب خانوں کو جلا ڈالا، دراصل صلیبی جنگوں میں عیسائیوں نے مصر، شام، اسپین اور دیگر ممالک اسلامی کے کتب خانوں کو بری طرح جلا کر تباہ و برباد کیا ہے، کاؤنٹ برٹرم سینٹ جیل کے حکم سے جب طرابلس الشام کا کتب خانہ جلایا گیا ہے تو اس میں علاوہ قرآن کے کثیر التعداد نسخوں کے خود عیسائیوں کے بیان کے مطابق تین لاکھ کتابیں تھیں (تاریخ ابن الفدا ص۱۲۷ و تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان جلد سوم) اسپین میں جب عیسائیوں کا غلبہ ہوا تو وہاں کے کتب خانے بھی طرح جلائے گئے (ابن خلدون) کارڈی نل، زی، می نس، (CRADINAL XIMENES) نے تو انتہا کردی، صرف ایک دن میں اسی ہزار کتابوں کو نذر آتش کیا (مقدمہ ابن خلدون باب طبیعۃ العمران وما یعرض فیہ و تاریخ آداب اللغۃ العربیہ جلد سوم جرجی زیدان ص۱۱۳ تا ص۱۱۵ طبع مصر)

یہ تو عمومی حیثیت سے مسلمانوں کے کتب خانوں کی تباہی تھی لیکن خصوصی اعتبار سے شیعوں کے کتب خانے اور ذخائر جہاں کتب جامع خطب امیرالمومنین کے محفوظ ہونے کا زیادہ امکان تھا وہ اس سے بھی زیادہ بری طرح تباہ و برباد کیے گئے، تاتاری کفار و مسیحیوں نے اسلام دشمنی میں اگر ان کو تباہ کیا تو خود عام مسلمانوں نے ان کو تباہ و برباد کرکے اپنی شیعی دشمنی کا ثبوت دیا، فاطمئین مصر کا عظیم الشان کتب خانہ جس کا جواب دنیا میں نہ تھا اور جس کے متعلق مصری مورخ استاذ علی ابراہیم حسن نے مورخ ابن خلدون کے حوالہ سے لکھا ہے۔

ولاشر دنقل عنی الفاطمیون عنایتہ — اس میں کوئی شک نہیں کہ شیعی مذہب کی کتابوں

خاصة بازدياد عدد الكتب في المذهب الشيعي حتى كانت مكتبة القصر في القاهرة تنافس غيرها من المكاتب في العالم الاسلامي۔

کی زیادتی اور کثرت کے لیے فاطمی خلفاء نے خاص طور سے توجہ کی تھی جس کی وجہ سے قاہرہ کے قصر شاہی کا کتب خانہ تمام عالم اسلامی کے کتب خانوں پر سبقت لے گیا تھا۔

(تاریخ جوہر الصقلی ص۶۲ طبع قاہرہ)

یہ عدیم النظیر کتاب خانہ صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بُری طرح تباہ و برباد ہوا (کتاب الخطط المقریزی جلد اول ص۲۵۴ طبع مصر) مورخ مقریزی نے صاف لکھا ہے کہ اس کے تباہ کرنے میں یہ جذبہ کام کر رہا تھا کہ "ان فيها كلام المشارقة[1] الذي يخالف مذهبهم" اس میں شیعوں کی کتابیں ہیں جو کہ ان لوگوں کے مذہب کے مخالف ہیں، اسی طرح ۴۲۰ھ میں جب سلطان محمود غزنوی نے رے کو فتح کیا ہے تو وہاں کے شیعی کتب خانوں کو اس نے جلوا دیا (معجم الادباء یاقوت حموی جلد ششم ص۲۵۹ طبع مصر) قاضی ابن عمار الشیعی نے طرابلس شام میں ایک عالی شان کتب خانہ کی تاسیس کی تھی جس میں ایک لاکھ سے زائد کتابیں تھیں (دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ص۲۴۲ طبع مصر) یہ کتب خانہ صلیبی جنگ میں برباد ہوگیا (اعیان الشیعہ جلد اول ص۴۳۳، ۵۴۹ طبع دمشق) اسی طرح اسلامی دنیا کا سب سے پہلا عمومی کتب خانہ (پبلک لائبریری) جس کو ابو نصر شاپور وزیر بہاء الدولہ شیعی نے ۳۸۱ھ میں بغداد کے محلہ کرخ میں قائم کیا تھا، یہ کتب خانہ بہت ہی عظیم الشان تھا، اس میں دس ہزار سے زائد ایسی کتابیں تھیں جو اپنے مصنفین یا مشہور خطاطوں کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی تھیں اس عہد کا ہر مصنف اپنی تصنیف یہاں ضرور بھیجتا تھا، یاقوت الحموی جس نے دنیائے اسلام کے ایک سے ایک بہتر کتاب خانے دیکھے تھے وہ اس کی توصیف میں کہتا ہے "لم يكن في الدنيا احسن منها" دنیا میں اس سے بہتر اور کوئی نہ تھا اس کتب خانہ کو مورخین نے دار العلم کے نام سے بھی یاد کیا ہے (وفیات الاعیان ابن خلکان جلد اول ص۲ طبع مصر) لیکن شیعوں کا یہ مایۂ ناز کتاب خانہ ۴۵۱ھ میں مشہور سنی قائد طغرل بیگ سلجوقی کے بغداد آنے پر جلا دیا گیا (تاریخ الکامل ابن اثیر جلد نہم ص۲۱، وجلد دہم ص۳ طبع مصر) یہیں بغداد میں شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن الطوسی (۳۸۵، ۴۶۰ھ) کا کتاب خانہ کئی مرتبہ جلایا گیا (الاعلام الزرکلی جلد سوم ص۸۸۴ طبع مصر) لیکن آخری مرتبہ ۴۴۸ھ میں اس بری طرح جلایا گیا کہ بالکل تباہ و برباد ہوگیا (کشف الظنون جلد دوم ص۳۱۲، طبقات السبکی جلد ۳، ص۱۵، الاعلام الزرکلی) اسی طرح ۵۴۹ھ میں "اتراک غز" (مسلمان ترکوں کا ایک گروہ جو ماوراء النہر میں رہتا تھا) ان ترکوں نے

---

[1] مورخ ابن اثیر اپنی تاریخ میں لکھتا ہے "وكانت الشيعة تسمى بالمغرب المشارقة نسبة الى عبد الله الشيعي" ابو عبد اللہ شیعی کی نسبت سے ممالک مغرب میں شیعہ "مشارقہ" کہلاتے تھے (کامل ابن اثیر جلد نہم ص۱۰۲ طبع مصر)

خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا (تاریخ الکامل ابن اثیر جلد یازدہم صفحہ ۶۶ طبع مصر) نے نیشاپور کے کتب خانوں کو جلا ڈالا (تاریخ الکامل ابن اثیر جلد یازدہم صفحہ ۶ طبع مصر) اس کے علاوہ ۵۸۶ھ میں ملک مؤید آی بہ "نے نیشاپور کے کتب خانوں کو تباہ و برباد کیا (ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۲ طبع مصر) مشہور علم دوست معارف پرور وزیر صاحب بن عباد شیعی کا عظیم الشان کتب خانہ جو "دار الکتب رے" کے نام سے مشہور تھا اس کو سلطان محمود غزنوی نے اپنی عصبیت کے مظاہرے میں جلا کر تباہ و برباد کر ڈالا (معجم الادباء یاقوت الحموی جلد ۶ صفحہ ۲۵۹ طبع مصر، گبن ہسٹری آف رومن امپائر جلد ۳)

ہمارے خزائن کتب کا احیاء کر کے اس میں ماخذ نہج البلاغہ کو تلاش کرو

ان حالات میں نہج البلاغہ کے مصادر و ماخذ اور کتب مجامیع خطیب امیر المومنین جو سید رضی و سید مرتضیٰ سے پہلے مدون و مرتب کیے گئے تھے وہ سب کے سب کیونکر دستیاب ہو سکتے ہیں ہاں ہمارے ان برباد شدہ کتاب خانوں کو واپس لاؤ، پھر تم ہم سے سوال کرو، یا کتب رجال و تاریخ شیعہ کا مطالعہ کر کے اطمینان حاصل کرو لیکن اس کے باوجود بھی قدماء مورخین و مصنفین کی کتابیں جو ہمارے سامنے ہیں ان میں نہج البلاغہ کے مندرجات کا پتہ چلتا ہے صرف اتنا ہی نہیں جتنا کہ نہج البلاغہ میں ہے بلکہ مندرجات نہج البلاغہ کے علاوہ بھی دوسرے خطب پائے جاتے ہیں جن کا اسلوب و انداز وہی ہے جو خطب نہج البلاغہ کا ہے اور جن میں الٰہیات و ما بعد الطبیعات کے مسائل اسی حکیمانہ انداز میں بیان کیے گئے ہیں جیسے کہ نہج البلاغہ کے خطبۂ اشباح و قاصعہ و توحید میں بیان ہوئے ہیں۔

خلوصی صاحب نے ابو الفرج اموی کی کتاب میں چند خطبے دیکھے

خلوصی صاحب کا مزاج چونکہ اموی نواز واقع ہوا ہے اس لیے ابو الفرج مروانی اموی اصفہانی متوفی سنہ ۳۵۶ھ کی کتاب نگاہوں سے گزری جس میں حضرت علیؑ کے چند خطبے موصوف نے دیکھے، غالباً اسی وجہ سے موصوف نے ابو الفرج کو "کٹر شیعہ (Strong shia) The man" کا خطاب بھی دے دیا۔

ابو الفرج اموی امامیہ اثنا عشریہ نہیں ہے

خلوصی صاحب نے اسلامی تاریخ پر تحقیقات کی ہے اور "اثر التشیع فی الادب العربی" کے موضوع پر تحقیق بھی فرما رہے ہیں لیکن موصوف نے "شیعۂ دینی" اور "شیعۂ سیاسی" کے نازک فرق کو اب تک نہ سمجھا، شیعہ باعتبار دین و مذہب کے وہ ہے جو امامت و خلافت کو ایک رکن سمجھتا ہے ارکان ایمان میں سے، جو امامت کو داخل اصول دین سمجھتا ہے، اور خلافت و امامت کو ائمہ اثنا عشر کے لیے بالنص سمجھتا ہے اور اپنے ائمہ کی عصمت پر اعتقاد رکھتا ہے، لیکن "تشیع سیاسی" ہر وہ شخص رہے جس کی ہمدردی علیؑ اور اولاد علیؑ کی طرف ہو اس لیے نہیں کہ

ان کی محبت اجر رسالت ہے یا اُن کی امامت ارکان ایمان میں سے ہے، بلکہ اس لیے کہ ان میں نفسانی فضائل و کمالات پائے جاتے تھے اور بنی اُمیہ و بنی عباس نے ان پر بہت زیادہ ظلم ڈھایا تھا، فطری طور پر انسان مظلوم کی طرف جھک جاتا ہے' ابو الفرج اموی اپنے ذاتی دین و ایمان کے اعتبار سے کوئی شک نہیں کہ وہ سوادِ اعظم کے مذہب پر تھا، عقیدۃً وہ وہی دین رکھتا تھا جو اُس کے آباؤ اجداد کا تھا، وہ امامت کو اصولِ دین میں نہیں سمجھتا تھا وہ نص اور ائمہ کی عصمت کا قائل نہیں تھا، لیکن چونکہ وہ وسیع النظر تھا اپنے آباؤ اجداد بنی امیہ اور بنی عباس کے ظلم و چیرہ دستیوں سے واقف تھا، زیادہ سے زیادہ اس کو زیدی المذہب سمجھا جا سکتا ہے جو خلفائے ثلثہ کی صحت خلافت کے قائل ہیں اور فقہ میں ابو حنیفہ کے مقلد ہیں، زیدی فرقہ و مذہب اہلسنت میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ علامہ حسن بن احمد السندوبی المصری لکھتے ہیں :-

منھم الزیدیۃ وھولاء ینسبون الی زید بن علی زین العابدین وھم من افضل الشیعۃ وانظفھم عقیدۃ حتی انک لا تکاد تری فرقا بینھم وبین اھل السنۃ"

زیدی فرقہ زید بن علی کی طرف منسوب ہے یہ فرقہ شیعہ مذہب سے افضل ہے اور ان لوگوں سے زیدیوں کا عقیدہ بہت زیادہ پاک و بہتر ہے یہاں تک کہ اہل سنت و زیدی فرقہ میں تم کو کوئی فرق نظر نہ آئے گا۔ (ادب الجاحظ حاشیہ ص۹۵ تالیف علامہ حسن السندوبی طبع رحمانیہ مصر)

اس لیے ابو الفرج اموی کا شمار فرقۂ اہل سنت میں کیا جاوے گا، ابو الفرج کا اصل دین و مذہب کتاب الاغانی سے بھی ظاہر ہو جاتا ہے جو عقیدۃً امامیہ کے بالکل خلاف ہے یہ ضرور ہے کہ ابو الفرج کی نگاہوں میں علیؑ اور اُن کی اولاد مظلوم دکھلائی دی، وہ اس سے متاثر ہوا، بلند حوصلہ تھا اس لیے اس نے مقاتل الطالبین کو تالیف کیا اور اس طرح اُس نے باوجود اموی ہونے کے اپنی فطری ہمدردی کو مظلوم کے ساتھ ظاہر کر دیا، اس کی یہ ہمدردی جس کو "التشیع السیاسی" کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں و سیا ہی ہے جیسا کہ خلیفہ عمر بن عبد العزیز مروانی اموی یا بعض دوسرے خلفاء بنی عباس میں تھا، ابو الفرج اموی کی طرح اور دوسرے ادباء و شعراء بھی تھے جو باوجود متدین بمذہب امامیہ نہ ہونے کے، شیعہ بتلائے جاتے ہیں، ڈاکٹر عمر فروخ اپنی کتاب "عبقریۃ العرب فی العلم والفلسفہ" میں لکھتے ہیں :-

ان کثیرین من الشعراء والادباء لم یکونوا شیعۃ قط ومع ذالک لم یستطیعوا الا ان یکونوا متشیعین یحسون بھذا الالم الذی اصاب آل البیت وھذا الظلم الذی نزل باحفادھم نعد لذلک من ھولاء ابا تمام وابن الرومی، علی شدۃ صلتھم

بہت سے شعراء ادباء ایسے تھے جو دین و مذہب کے اعتبار سے شیعہ ہرگز نہیں تھے لیکن اس کے باوجود تشیع ہوئے بغیر ان کو کوئی چارہ کار نہ تھا وہ اس ظلم و الم کو محسوس کرتے تھے جو اہلبیتؑ پر توڑے گئے تھے، ان لوگوں میں ابو تمام اور ابن رومی کا بھی شمار ہے باوجودیکہ ان کے تعلقات بنی عباس سے تھے

بنی العباس و تورد لک استغراب ابی العلاء المعری حینما وجد اھل بغداد یدعون بان ابن الرومی متشیع فقال ولکننی ما اراہ الا علی مذھب غیرہ من الشعراء مما یدل علی ان بعض خصائص ھذہ الحرکۃ قد انتشر بین غیر اھلھا" (عبقریۃ الادب ص۳۴ طبع اول دمشق)

اس سلسلہ میں آپ ابو العلاء معری کے اس حیرت و استعجاب کو ملاحظہ کیجیے جو انھیں اہل بغداد کے یہ کہنے پر ہوا تھا کہ ابن رومی شیعہ ہے، معری نے سن کر یہ کہا تھا کہ میں تو ابن رومی کو بھی اسی مذہب پر پاتا ہوں، جس مذہب پر بغداد کے تمام شعراء ہیں یعنی سنی المذہب۔

کتب قدماء جن میں مندرجات نہج البلاغہ کا وجود آج بھی ہے

یہ واقعہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ (اس عہد میں) شیعی تحریک کا اثر اتنا ہوگیا تھا کہ جو غیر شیعہ تھے ان کو بھی شیعہ سمجھ لیا جاتا تھا" یہی دکتور عمر فروخ اپنی دوسری تالیف ابن الرومی میں لکھتے ہیں:۔

فان ابن الرومی کان متشیعا علی مذھب اکثر الشعراء العباسیین یألم لمصائب آل البیت ولم یکن شیعیا یقول بان الامامۃ "الخلافۃ" انما ھی فی ابناء علی بالنص۔" (ابن الرومی ص۱ طبع بیروت)

ابن رومی عہد بنی عباس کے اکثر شعرا کی طرح مصائب اہل بیت پر دردمند ہونے کی وجہ سے متشیع معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل عقیدہ ودین کی بنا پر شیعہ نہ تھا جو اس کا قائل ہوتا کہ خلافت وامامت اولاد علی کے لیے منصوص ہے خلوصی صاحب کو "شیعہ دینی" و "متشیع سیاسی" میں فرق کرنا چاہیے، متشیع سیاسی عقیدہ ودین کے اعتبار سے شیعہ امامیہ نہ ہوگا بلکہ سنی المذہب ہوسکتا ہے"

خیر بات کہاں سے کہاں آپڑی "الحدیث ذو شجون" میں یہ عرض کر رہا تھا کہ خلوصی صاحب نے چند خطبے ابو الفرج اموی کی کتاب میں دیکھے، خلوصی صاحب اپنے مطالعہ کو جاری رکھیں وسعت نظر ہی کی خاطر سہی لیکن مندرجہ ذیل مصنفین کی تصانیف بھی ضرور ملاحظہ کریں جو سید رضی صاحب سے مقدم یا ان کے معاصر ہیں، ان کے مطالعہ کے بعد موصوف کو معلوم ہوجاوے گا کہ مندرجات نہج البلاغہ کتب قدماء صدر اول کے ضائع ہوجانے کے بعد بھی کہاں کہاں پائے جاتے ہیں۔

نصر بن مزاحم المنقری التمیمی الکوفی	کتاب الصفین
ابو الحسن علی ابن محمد المدائنی المتوفی سنہ ۲۱۵ھ	تاریخ الخلفاء وکتاب الاحداث والفتن
ابو جعفر محمد بن حبیب النحوی البغدادی المتوفی سنہ ۲۴۵ھ	کتاب المحبر فی تاریخ الخلفاء
عمرو بن بحر الجاحظ البصری المتوفی سنہ ۲۵۵ھ	کتاب البیان والتبیین
ابن قتیبہ الدینوری المتوفی سنہ ۲۷۶ھ	عیون الاخبار، غریب الحدیث، ادب الکاتب، الامامۃ والسیاسۃ
ابن واضح الیعقوبی الکاتب العباسی المتوفی سنہ ۲۷۸ھ	تاریخ

ابو حنیفہ الدینوری متوفی ۲۸۱ھ	اخبار الطوال
ابو العباس المبرد المتوفی ۲۸۶ھ	کتاب المبرد
محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ	تاریخ الرسل والملوک
ابوبکر محمد بن حسن بن درید ازدی بصری متوفی ۳۲۱ھ	کتاب المجتنی
ابن عبد ربہ اندلسی متوفی ۳۲۸ھ	عقد الفرید
محمد بن یعقوب الکلینی متوفی ۳۲۹ھ	اصول الکافی و فروع الکافی و روضۃ الکافی
ابو محمد حسن ابن علی بن شعبۃ الحلبی متوفی ۳۳۲ھ	تحف العقول عن آل الرسول
ابو الحسن علی بن حسین المسعودی الہذلی متوفی ۳۴۶ھ	مروج الذہب
ابو علی القالی متوفی ۳۵۶ھ	نوادر
ابو جعفر ابن بابویہ القمی متوفی ۳۸۱ھ	من لایحضر، کتاب التوحید، علل الشرائع، معانی الاخبار وغیرہ
ابو ہلال العسکری متوفی ۳۹۵ھ	کتاب الاوائل، کتاب من احتکم من الخلفاء الی القضاء
محمد بن محمد بن النعمان الشیخ المفید متوفی ۴۱۳ھ	کتاب الارشاد و کتاب الجمل
ابن مسکویہ متوفی ۴۲۱ھ	تجارب الامم
حافظ ابو نعیم متوفی ۴۳۰ھ	حلیۃ الاولیاء
ابو جعفر محمد بن حسن الطوسی (۳۸۵ھ، ۴۶۰ھ)	کتاب التہذیب، کتاب الامالی
ابو منصور عبد الملک الثعالبی متوفی ۴۲۹ھ	کتاب الاعجاز والایجاز
قاضی ابو عبد اللہ محمد بن سلامۃ القضاعی متوفی ۴۵۳ھ	دستور معالم الحکم و ماثور مکارم الشیم

یہ وہ مصنفین ہیں جو سید رضی سے قبل یا ان کے معاصر و قریب العہد ہیں، اسی سلسلہ میں حافظ ابن عساکر دمشقی متوفی ۵۷۱ھ کی تاریخ، علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی جمع الجوامع اور ملا علی متقی متوفی ۹۷۵ھ کی کنز العمال بھی ملاحظہ فرمائیں، اس مطالعہ کے بعد خلوصی صاحب مشککین میں سے نہ رہیں گے بایں شرط کہ اگر موصوف کو حضرت علیؑ سے طبعاً عناد نہیں ہے، بلکہ انھیں یہ یقین ہو جاوے گا کہ نہج البلاغہ یقیناً امیر المومنین ہی کا کلام ہے۔

دوسرے شبہ کا جواب

کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ کے خطبے لوگوں کو حفظ تھے آخر خود پیغمبر اور دوسرے خلفاء کے خطب و مواعظ کیوں نہ حفظ ہو کر مدون ہوئے؟

علامہ جاحظ لکھتے ہیں:-

"وهذه خطب رسول الله صلی الله علیه وسلم مدونة ومخلدة مشهورة وهذه خطب ابی بکر وعمر وعثمان وعلی رضی الله عنهم" (البیان والتبیین للجاحظ جلد اول ص ۱۴۲ طبع رحمانیہ مصر)

یہ ہیں رسول اللہ صلعم کے مدون ومشہور اور باقی رہنے والے خطبے اور اسی طرح ابوبکر وعمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے مدون ومرتب خطبے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ کے خطب جاحظ سے پہلے اور اس کے بعد بھی جمع کیے گئے چنانچہ ابوالحسن علی بن محمد المدائنی متوفی ۲۵۰ھ نے خطب النبی کا ایک مجموعہ مرتب کیا عبد العزیز الجلودی الشیعی البصری متوفی ۳۳۰ھ نے کتاب خطب النبیؐ کو تالیف کیا اور جاحظ کے بعد بھی خطب النبیؐ کے مجموعے ابوالعباس جعفر بن محمد المستغفری متوفی ۴۳۲ھ اور ابوالعباس الخضر بن نصر بن عقیل بن نصر الاربلی الشافعی متوفی ۵۶۷ھ نے مدون ومرتب کیے لیکن ہم کو خلفائے ثلثہ کے متعلق علم نہیں کہ ان حضرات میں سے کسی ایک کے خطبے کو مستقل مولفین اہل سنت نے کسی ایک کتاب میں مرتب ومدون کیا، فاضل حلبی نے کشف الظنون میں کتب اہل سنت کا استقصاء کیا ہے لیکن اس کتاب میں اس کا کہیں نشان نہیں کہ خلفائے ثلثہ کے خطبوں کا کوئی مجموعہ مرتب کیا گیا یا اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب ہی لکھی گئی، یقیناً جاحظ نے اور ان کے بعد ابن عبد ربہ نے "البیان والتبیین" اور "عقد الفرید" میں خلفائے ثلثہ کے چند خطبوں کو نقل کیا ہے، اصل یہ ہے کہ رسول اللہ کے خطب ومواعظ واحتجاج کی جیسی حفاظت مسلمانوں کو کرنی چاہیے تھی نہیں کی، رسولؐ کے گرد وپیش جن لوگوں کا مجمع رہتا تھا ان کو علوم ومعارف سے کوئی دلچسپی نہ تھی کہ وہ فوراً جمع وتدوین کی طرف متوجہ ہوتے، آنحضرتؐ کا کلام عرصہ کے بعد جمع کیا گیا عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:۔

"واما خطب وادعیة ووصایا واجوبة عن اسئلة کتبت بعد حینها۔"

آنحضرتؐ کے خطبے، دعائیں، وصیتیں، سوالات کے جواب وہ حضرتؐ کے کہیں بعد لکھے گئے۔

(عبقریۃ محمد ص ۱۲۰ طبع مصر)

اصحاب رسولؐ جمع وتدوین کے مخالف تھے

بات یہ ہے کہ اصحاب رسولؐ جمع وتدوین سے کے مخالف تھے، ابتدا میں تو جمع قرآن کو بھی نہیں پسند کرتے تھے، ابوبکر نے صاف کہا تھا "کیف تفعل شیئاً لم یفعله رسول الله"، ہم وہ کام کیونکر کریں جس کو خود رسول اللہ نے نہیں کیا یہ خیال تنہا خلیفہ اول ہی کا نہیں تھا بلکہ زید بن ثابت نے بھی یہی کہا تھا "کیف تفعلون شیئاً لم یفعله رسول الله" آپ لوگ ایسی بات کیونکر کریں گے جو رسول اللہ نے نہیں کی ہے، (صحیح بخاری باب جمع القرآن)

اگرچہ حضرت علیؑ نے اس فرض کو ادا کیا تھا اور رسولؐ کی حیات ہی میں آپ نے قرآن کو جمع ومرتب

فرما دیا تھا جس کے شائع و عام ہونے میں بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تقدیر نے ... دنہیں کی" (ازالۃ الخفاء مقصد دوم صفحہ ۲۷۳) جمع قرآن کے متعلق مشہور تابعی محمد بن سیرین یہاں تک کہتے ہیں۔

مات ابوبکر ولم یجمع القرآن وقتل عمرؓ لم یجمع القرآن" (اتقان السیوطی صفحہ ۷۵ طبع مصر) — ابوبکر مرگئے اور قرآن نہیں جمع ہوا اور عمر قتل کردیے گئے اور قرآن نہیں جمع ہوسکا۔

احادیث و آثار رسولؐ کو مدوّن کرنے کی اجازت نہ تھی

بہرحال بہت بحث و مباحثہ کے بعد کسی نہ کسی طرح قرآن کو جمع کردیا گیا لیکن تحدیث سنت کی جمع و تدوین تو درکنار اس کو روایت کرنے سے بھی روک دیا گیا، خلیفہ اول ابوبکرؓ کا حکم تھا۔

فلا تحدثوا عن رسول اللہ شیئا فمن سألکم فقولوا بیننا وبینکم کتاب اللہ۔ — تم لوگ رسول اللہ کے آثار (حدیث، خطب، ادعیہ وصایا وجوابات) کو کچھ بیان نہ کرو، دیکھو اگر تم سے کوئی اس کو دریافت کرے تو اس سے کہہ دیا کرو ہمارے اور تمہارے درمیان قرآن موجود ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی جلد اول صفحہ ۳ طبع ثانیہ حیدرآباد)

ایک مرتبہ نہ معلوم کس خیال کے ماتحت ابوبکرؓ نے رسول اللہ کی حدیثوں کو جو تعداد میں پانچ سو تھیں جمع کیا اور اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کے سپرد فرمادیا لیکن شب کو موصوف اپنی اس غلطی پر متنبہ ہوئے اور صبح ہوتے ہی اپنی بیٹی کے پاس آئے اور کہنے لگے:۔

فلما اصبح قال ای بنیۃ ھلمی الاحادیث التی عندک فجئتہ بھا فدعا بنار فحرقتھا۔" — بیٹی میری وہ حدیثیں لاؤ جو تمہارے پاس ہیں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب میں اس مجموعہ کو اپنے باپ کے پاس لائی تو انھوں نے آگ لگا کر سب کو جلا دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی جلد اول صفحہ ۵ طبع حیدرآباد، ریاض النضرہ محب الطبری فضائل ابوبکر کنز العمال ملا علی متقی)

صرف یہی نہیں بلکہ اپنے اس نظریہ کی تائید میں یہ لوگ ایک حدیث بھی روایت کرتے تھے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ (صحیح مسلم) — مجھ سے جو سنو اُسے تحریر نہ کرو، اگر کسی نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ اور روایت کرکے قلم بند کیا ہو تو اُس کو مٹا ڈالو۔

حضرت عمرؓ اپنے عمال کو روایت حدیث سے برابر منع کرتے رہتے تھے، چنانچہ قرظہ بن کعب کو جب عراق کا والی مقرر کیا ہے تو یہ حکم دیا تھا کہ

جردوا القرآن واقلوا الروایۃ عن — قرآن کو نمایاں وظاہر کرو اور رسول اللہ صلعم سے

رسول اللہ صلعم و انا شریککم" فلما قدم قرظۃ بن کعب قالوا حدثنا فقال نھانا عمر رضی اللہ عنہ، (سنن الدارمی جلد ۱ صفحہ ۸۵، سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۱۲، مستدرک امام حاکم جلد ۱ صفحہ ۱۰۲، جامع بیان العلم عبد البر جلد ۲ صفحہ ۱۲۰، تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد ۱ صفحہ ۳)

احادیث کی روایت کم کرو، میں اس میں تمہارا شریک ہوں۔ جب قرظہ بن کعب عراق پہونچے تو وہاں کے لوگوں نے احادیث رسولؐ بیان کرنے کی خواہش کی اس پر انھوں نے جواب دیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حدیثوں کے بیان کرنے سے روک دیا ہے۔

اسی پر اکتفا نہیں بلکہ راویان حدیث پیغمبرؐ کو سزا دی جاتی تھی، ایک مرتبہ زمانۂ حضرت عمر کے بعد ابو ہریرہ صحابی رسولؐ سے "ابو سلمہ" نے یہ دریافت کیا کہ "اکنت تحدث فی زمان عمر ھکذا" کیا آپ عمر کے زمانے میں بھی یونہی حدیثوں کو روایت کرتے تھے، اس کے جواب میں موصوف نے فرمایا "لو کنت احدث فی زمان عمر مثل ما احدثکم لضربنی بمخفقتہ" اگر میں اسی طرح سے عمر کے زمانے میں روایت حدیث کرتا جیسا کہ تم لوگوں سے کرتا ہوں تو وہ مجھ کو درّے سے مارتے (تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد اول صفحہ ۷ طبع حیدرآباد)

جامع بیان العلم جلد ۲ صفحہ ۱۲۱ میں ابو عمر سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ یہ کہا کرتے تھے۔

لقد حدثتکم باحادیث لو حدثت بھا زمن عمر بن الخطاب لضربنی عمر بالدرۃ۔

میں تم لوگوں سے احادیث رسولؐ کو بیان کرتا ہوں اگر کہیں عمر بن خطاب کے زمانہ میں روایت احادیث کرتا تو وہ مجھ کو کوڑے سے مارتے۔

خلیفۂ دوم عمر بن خطاب نے ابو ہریرہ کو حکم دیا تھا:۔

لتترکن الحدیث عن رسول اللہ او لالحقنک بارض دوس۔

احادیث رسولؐ کا بیان کرنا ترک کردو ورنہ تم کو شہر بدر کرکے قبیلۂ دوس کی زمین کی طرف بھیج دوں گا۔

اخرجہ ابن عساکر کما فی کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۳۹)

خلیفۂ دوم نے روایت حدیث کے جرم میں صحابۂ کبار کو مقید کیا

خلیفۂ دوم نے روایت حدیث کے جرم میں، ابن مسعود، ابو درداء، ابو مسعود انصاری اور حضرت ابو ذر غفاری ایسے صحابۂ کبار کو مقید بھی کر دیا تھا ملاحظہ ہو،

واخرج الطبرانی عن ابراھیم بن عبد الرحمان ان عمر حبس ثلاثۃ ابن مسعود وابا الدرداء وابا المسعود الانصاری فقال قد اکثرتم الحدیث عن رسول اللہ صلعم حبسھم بالمدینہ حتی استشھد،

محدث طبرانی نے ابراہیم بن عبد الرحمان سے اخراج کیا ہے کہ عمر نے ابن مسعود، ابو درداء، ابو مسعود انصاری کو قید کر دیا تھا اور ان سے یہ کہا تھا کہ تمہارا جرم یہ ہے کہ تم لوگوں نے رسول اللہ سے بہت زیادہ احادیث روایت کی ہیں یہ لوگ مدینہ میں قید رہے یہاں تک کہ عمر قتل کیے گئے۔

(تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد ۱ صفحہ ۷ مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۴۹)

امام حاکم لکھتے ہیں :۔

ان عمر بن الخطاب قال لابن مسعود ولابی الدرداء ولابی ذر، ما ھذا الحدیث عن رسول اللہ صلعم، واحسبہ حبسھم بالمدینہ حتیٰ اصیب،

عمر بن خطاب نے ابن مسعود، ابو درداء، اور حضرت ابو ذر سے کہا یہ تم لوگ رسول اللہ کی حدیثیں کیا بیان کرتے رہتے ہو اور اسی روایت حدیث کے جرم میں ان سب اصحاب رسولؐ کو مدینہ میں مقید کر دیا یہاں تک کہ خود عمر قتل ہو گئے۔ (مستدرک امام حاکم جلد اول صـ۱۱۰)

جمال الدین الحنفی لکھتے ہیں :۔

ان عمر حبس ابا مسعود وابا الدرداء وابا ذر حتیٰ اصیب وقال، ما ھذا الحدیث عن رسول اللہ صلعم ثم قال، و روی عنہ ایضا ان عمر قال لابی مسعود وابی ذر ما ھذا الحدیث؟ قال احسبہ حبسھم حتیٰ اصیب،

عمر نے ابو مسعود، ابو درداء، اور ابو ذر، کو قید کر دیا تھا اور اس وقت تک یہ لوگ مقید رہے کہ عمر قتل ہو گئے عمر ان لوگوں سے یہ کہتے تھے کہ تم لوگ احادیث رسول کیوں بیان کرتے ہو،

(المعتصر جلد اول صـ۴۵۹)

اس شدت امتناع کا یہ نتیجہ تھا کہ

قال الشعبی، قعدت مع ابن عمر سنتین او سنۃ ونصفا فما سمعتہ یحدث عن رسول اللہ صلعم الاحدیثا،

شعبی یہ کہتے ہیں کہ میں دو ڈیڑھ سال عبد اللہ بن عمر کے ساتھ ہمہ وقت رہا برابر رہا لیکن میں نے ان کو احادیث رسولؐ کو روایت کرتے کبھی نہیں سنا سوائے ایک حدیث کے۔ (سنن الدارمی ا صـ۸۴، سنن ابن ماجہ جلد ا صـ۱۵)

وقال السائب بن یزید صحبت سعد بن مالک من المدینہ الی مکۃ فما سمعتہ یحدث بحدیث واحد۔" (سنن ابن ماجہ جلد صـ۱۶)

سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں سعد بن مالک کے ہمراہ مدینہ سے مکہ تک رہا ان کو ایک حدیث بھی بیان کرتے نہیں سنا۔

جب روایت حدیث کی اجازت نہ تھی تو پھر آثار پیغمبر کو مدون و محفوظ کیونکر کیا جاتا، علامہ جلال الدین السیوطی تدریب الراوی میں لکھتے ہیں :۔

کان بین السلف من الصحابۃ والتابعین اختلاف کثیر فی کتابۃ العلم فکرھا کثیر منھم واباحھا طائفۃ وفعلھا منھم علیؑ وابنہ الحسن۔"

سلف صحابہ وتابعین میں تدوین وتالیف اور کتابت علوم کے متعلق سخت اختلاف تھا صحابہ وتابعین کی اکثریت اس کو برا سمجھتی تھی سوائے چند لوگوں کے جن میں حضرت علیؑ اور امام حسنؑ ہیں جو اس کو نہ صرف

مباح ہی سمجھتے تھے بلکہ خود ان حضرات نے تالیف و تدوین بھی کیا۔

سیوطی تدریب الراوی میں دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

"وکانت الآثار فی عصر الصحابۃ وکبار التابعین غیر مدوّنۃ ولا مرتبۃ لسیلان اذھانھم وسعۃ حفظھم ولانھم کانوا نھوا اولاً عن کتابتھا کما ثبت فی صحیح مسلم خشیۃ اختلاطھا بالقرآن ولان اکثرھم کان لا یحسن الکتابۃ۔"

صحابہ و تابعین کے زمانہ میں حدیث نبوی غیر مدوّن تھے کیوں کہ اونھوں نے اپنے حافظہ میں اس کو محفوظ کر لیا تھا اس کے علاوہ صحابہ اولاً کتابت حدیث سے روک دیئے گئے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے اس خوف سے کہ قرآن میں حدیث مخلوط نہ ہو جاوے علاوہ ازیں صحابہ کی اکثریت تو کتابت کے فن سے واقف ہی نہ تھی۔

علامہ مصطفےٰ بن عبداللہ الکاتب الحلبی لکھتے ہیں :-

"کانوا مستغنین عن تدوین علم الشرائع والاحکام حتی ان بعضھم کرہ الکتابۃ العلم واستدل بما روی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ استاذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی کتابۃ العلم فلم یاذن لہ وروی عن ابن عباس انہ نھی عن الکتابۃ وقال انما ضل من کان قبلکم بالکتابۃ وجاء رجل الی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما فقال انی کتبت کتابا ارید ان اعرض علیک فلما عرض علیہ اخذ منہ ومحا بالماء۔"

صحابہ علوم شریعت و احکام کی تدوین سے بے پروا و غافل تھے یہی نہیں بلکہ بعض اصحاب کتابت علوم کو برا سمجھتے تھے اور صحابی رسول ابوسعید الخدری کی اس روایت سے استدلال کرتے تھے کہ انھوں نے رسول اللہ صلعم سے علوم کو تحریر کرنے کی اجازت چاہی لیکن حضرت نے اجازت نہیں دی اور ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت نے کتابت سے منع فرمایا اور یہ فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ کتابت و تحریر ہی کے سبب گمراہ ہوئے ایک شخص عبداللہ بن عباس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے ایک کتاب لکھی ہے چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے پیش کردوں جب اُس نے پیش کیا تو عبداللہ بن عباس نے اس سے لے لیا اور پانی سے تحریر کو مٹا ڈالا۔

(کشف الظنون جلد اول المقدمہ صٓ۲۶ طبع مصر، وکتاب البستان فی الاحادیث، باب کتابۃ العلم الشیخ الفقیہ ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ)

مورخ یافعی عروہ بن الزبیر کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے۔

"قال عروہ بن الزبیر کنا نقول لا نتخذ کتابا مع کتاب اللہ فمحوت کتبی۔"

ہم لوگوں کا یہ قول ہے کہ قرآن کے ساتھ کسی دوسری کتاب کو باقی نہ رکھیں اسی لیے میں نے اپنی تمام کتابوں کو برباد کر دیا (تاریخ مرأۃ الجنان یافعی بذکر عروہ بن زبیر طبع مصر)

مشہور تابعی سعید بن جبیر سے ایک شخص نے تفسیر قرآن لکھنے کی فرمائش کی تو آپ غضب ناک ہوئے اور انکار کر دیا۔ فغضب وقال لان یسقط شقی احب الی من ذالک (وفیات الاعیان ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۰۵ طبع مصر)

امام التابعین ابن شہاب الزہری اس امر کے متعلق اپنے عقیدے کو ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔

کنا نکرہ کتابۃ العلم — ہم مطالب علمیہ کو قید تحریر میں لانے کو بری نگاہ سے دیکھتے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء حافظ ابونعیم جلد سوم صفحہ ۳۶۳ طبع مصر، الطبقات الکبیر لابن سعد الجزء الرابع صفحہ ۲ طبع قاہرہ)

ان حالات میں سوادِ اعظم میں کون تھا جو رسول اللہ کے خطبوں کو مدون کیا بلکہ روایت کرتا، یہی سبب ہے جس کی وجہ سے رسولؐ کے خطب و وصایا و احتجاج و جوابات عامۂ اسلام کو جس طرح محفوظ کرنا چاہیے تھا محفوظ نہ کر سکے حالانکہ حضرت مسجد مدینہ میں برابر رشد و ہدایت کے لیے خطبے ارشاد فرماتے رہتے تھے آپ کی خدمت میں علمائے یہود و نصاریٰ آئے ہیں ان لوگوں نے مباحثے کیے ہیں اور حضرتؐ نے جوابات عطا فرمائے ہیں، آپ مواعظ و وصایا بھی فرماتے رہتے تھے، مختلف موقعوں پہ حضرت نے بہت طولانی خطبے ارشاد کیے مثلاً خطبۂ حجۃ الوداع، خطبۂ غدیر خم، مگر کتب عامہ میں دیکھیے کہ وہ ان تمام چیزوں سے خالی ہے، حجۃ الوداع کے خطبہ کا ایک ٹکڑا نقل کیا جاتا ہے، حد ہے کہ اس خطبہ کو نہ معلوم کس مصلحت سے موضوعات میں شمار کیا جاتا ہے۔

قال الصنعانی ان من الکتب الموضوعۃ خطبۃ الوداع المنسوبۃ الی النبیؐ — صنعانی کہتے ہیں کہ کتب موضوعہ میں حجۃ الوداع والا پیغمبر کا خطبہ بھی ہے جو حضرت صلعم کی طرف منسوب ہے۔ (کشف الظنون باب الخاء جلد اول صفحہ ۴۶۹ طبع مصر)

غدیر خم کے مکمل و تمام خطبہ کو عامہ نے نقل ہی نہیں کیا، ہاں پیغمبرؐ کے یہ آثار جو بروایت صحیحۂ اہلبیت ہم تک پہونچے ہیں وہ کتب شیعہ میں آج تک محفوظ ہیں، کتاب الاحتجاج الطبرسی، کتاب النبوۃ، بحار الانوار مجلسی ملاحظہ کی جاویں۔

رسولؐ اللہ کے آثارِ علمیہ، خطب و مواعظ کے محافظ اُن کے اہلبیتؑ تھے، ان کتابوں کو دیکھا جائے جو روایات اہلبیت کی حامل ہیں، ان سے معلوم ہو جاوے گا کہ پیغمبر کے کلام کی حفاظت کرنے والوں نے کیوں کر حفاظت کی ہے، وہ اکثریت کیا رسول اللہ کے کلام کو مدون و مرتب کرنے کی طرف متوجہ ہوتی جو رسولؐ اللہ کے جنازے میں بھی نہیں شریک ہوئی۔

خلفا کے خطبے کیوں نہیں مدون کئے گئے جبکہ علیؑ کے خطب اقوال کی جمع و تدوین ہوئی

رہا یہ امر کہ خلفاء ثلثہ کے خطب و مواعظ کو لوگوں نے کیوں نہ یاد رکھا اور ان کو کیوں نہ محفوظ رکھا جب کہ علیؑ کے کلام کو یاد رکھنے اور محفوظ رکھنے میں لوگوں نے دل چسپی لی؟ یہ بات تو اس وقت کہی جا سکتی

تھی جب کہ خلفاء ثلثہ بھی خطابت و بلاغت کے مرد میدان ہوتے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی غیر عالم بدوی عرب صحابی رسولؐ کے متعلق یہ تمنا ظاہر کی جاتی، درحقیقت خلفاء ثلثہ اس میدان کے مرد نہ تھے، ولکل فن رجال
علامہ جاحظ لکھتے ہیں کہ عثمان جب خلیفہ ہوئے اور سب سے پہلے منبر پر خطبہ کہنے کے لئے گئے تو

صعد عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ المنبر فارتج علیہ، فقال ان ابابکر و عمر کانا یعدان لھذا المقام مقالاً و انتم الی امام عادل احوج منکم الی امام خطیب۔

منبر پر پہونچنے کے بعد عثمان کی زبان بند ہو گئی اور خطبہ نہ کہہ سکے اس وقت آپ نے فرمایا ابوبکر و عمر یہ دونوں حضرات پہلے سے خطبہ تیار کر کے ازبر کر لیتے تھے، اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ امام عادل کے زیادہ محتاج ہو بہ نسبت ایسے امام کے جو خطیب ہو۔

(کتاب البیان والتبیین جلد اول ص۱۸۶ و جلد ۲ ص۱۲۹ مطبوعہ مطبعۃ الفتوح الادبیہ قاہرہ ۱۳۳۲ھ) و کتاب الصناعتین لابی ہلال الحسن بن عبد اللہ بن سہل العسکری المتوفی ۳۹۵ھ باب اول فصل سوم صفحہ ۲۲ مطبوعہ مصر)
ابن عبد ربہ اندلسی نے نقل کیا ہے کہ یہ بھی کہا تھا:۔
"لوگو پہلے پہل کی ہر سواری بڑی دشواری ہوتی ہے اگر زندہ رہا تو خطبہ تیار کر کے لاؤں گا اور خدا ہر دشواری کے بعد آسانی پیدا کرتا ہے۔" (عقد الفرید جلد دوم ص۳۶۳ طبع مصر)
بہر حال خلیفۂ سوم کے اس عجز و اقرار سے نہ صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود خطیب نہ تھے بلکہ ان کے پیش رو خلفاء ابوبکر و عمر بھی خطابت پر قدرت نہیں رکھتے تھے، جبھی تو وہ حضرات پہلے سے خطبہ تیار کر کے رٹتے اور پھر منبر پر جاتے۔
علامہ جاحظ مشہور و معروف ماہر لسانیات و اخبار عرب محمد بن سلام الجمحی البصری متوفی ۲۳۲ھ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

قال محمد بن سلام الجمحی کان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذا رأی الرجل یتلجلج کلامہ۔

عمر رضی اللہ عنہ (تقریر کے وقت) جب کسی کو دیکھ لیتے تو ان کی زبان لڑکھڑانے لگتی۔"

(البیان والتبیین جلد اول ص۲۳)
خود خلیفۂ ثانی کا یہ قول تھا کہ "ما یتصعد نی کلام کما تصعد فی خطب النکاح" مجھے باتوں میں اتنی دشواری و پریشانی نہیں ہوتی جتنی خطبہ نکاح پڑھتے وقت ہوتی ہے (کتاب البیان والتبیین جلد اول ص۶۵) ظاہر ہے کہ خطبۂ نکاح مختصر اور عموماً زیادہ بلیغ نہیں ہوتا، بہ نسبت دوسرے خطبوں کے جن کی شان علمی و ادبی ہوا کرتی ہے، ابن المقفع مشہور بلیغ و ادیب سے لوگوں نے اس کا سبب پوچھا کہ اس کی کیا وجہ تھی، انھوں نے جواب دیا ممکن ہے کہ یہ وجہ ہو کہ خطبۂ نکاح میں سننے والے بالکل قریب ہوتے ہیں اور لوگوں سے نگاہیں چار ہوتی ہیں لیکن منبر پر جانے سے یہ بات نہیں بلکہ حاکمانہ شان اور رعب و دبدبہ پیدا ہو جاتا ہے جو کچھ بھی کہہ جاؤ کوئی چون و چرا

کرنے والا نہیں، یہ بھی تاویل کی ہے کہ خطبۂ نکاح میں مدح بھی کرتے ہیں چونکہ اس میں غیر مستحق کی مدح کا خیال رہتا ہے اس لیے دشواری ہوتی تھی لیکن جاحظ کہتے ہیں:۔

ولعمری ان هذا التاویل لیجوز اذا کان الخطیب موقوفا علی الخطابة فاما عمر بن الخطاب رضی الله عنه واشباهه من الائمة الراشدین رضوان الله تعالیٰ علیهم اجمعین فلم یکونوا لیتکلفوا ذالك الا فیمن یستحق المدح۔"

اپنی جان کی قسم یہ تاویل ٹھیک اس وقت درست ہوتی جبکہ کوئی پیشہ ور خطیب ہو، جو مدح کرنے کے لیے مجبور رہے، لیکن عمر بن خطاب یا مثل ان کے دوسرے ائمہ راشدین رضوان اللہ علیہم پس یہ حضرات غیر مستحق کی مدح کرنے کے لیے کب مجبور ہیں کہ مدح کرنے کے لیے دل آمادہ نہیں لیکن کرنی پڑتی ہے اور اس کی وجہ سے خطابت میں دشواری ہوتی ہے۔ (کتاب البیان والتبیین ص۶۵ جلد اول)

کسی ماہر خطیب و مقرر کے لیے، بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر خطبہ دینا یا تقریر کرنا یکساں ہے اس کے کمال کا مظاہرہ ہر حالت میں ہوگا، اسی مقام پر جاحظ نے امیر المومنین علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے۔

روی ابو مخنف عن الحارث الاعور قال والله فقد رایت علیاً وانه لیخطب قاعدا کقائم ومحارباً کمسالم، یرید بقوله قاعدا خطبة النکاح۔

ابو مخنف، حارث اعور ہمدانی سے روایت کرتے ہیں کہ حارث کہتے ہیں کہ بخدا میں نے علیؑ کو دیکھا کہ وہ بیٹھ کر اسی شان سے خطبہ دیتے تھے جیسے کہ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے اور جنگ کی حالت میں بھی اسی جلالت وجزالت سے خطبہ فرماتے تھے، جس طرح کہ امن واطمینان کی حالت میں خطبہ فرماتے تھے، (جاحظ کہتے ہیں کہ بیٹھ کر خطبہ دینے سے مراد خطبہ نکاح ہے) (البیان والتبیین جلد اول ص۹۵ طبع قاہرہ ۱۳۳۲ھ)

خلیفۂ عمر میں تقریر کرنے کی فطری صلاحیت نہ تھی صحیح تلفظ پر بھی قادر نہ تھے

"عباس محمود العقاد عبقریہ عمر میں لکھتے ہیں کہ عمر کی خطابت صفات ذہن سے متعلق نہ تھی بلکہ ایسا تھا جس طرح کہ خلقی یا توتلی لوگ ہوتے ہیں بس اسی طرح ان کی بھی حالت تھی" "فکان له فم یمتلی بالکلام" بغیر سوچے سمجھے ہر وقت بات کرنے پر آمادہ گویا دہن باتوں سے بھرا ہوا ہے، ظاہر ہے کہ ایسا انسان باکمال خطیب بلیغ کیونکر ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ ان میں یہ عیب بھی تھا۔

انه کان ینطق ببعض الحروف کالصاد من کلا شدقیه وهی تنطق فی الاغلب من شدق واحد۔ (عبقریہ عمر ص۲۰۳ طبع مصر)

بعض حروف کو وہ دہن کے دونوں گوشوں سے ادا کرتے تھے جیسے حرف صاد کو حالانکہ یہ حرف زیادہ تر ایک ہی گوشۂ دہن سے ادا کیا جاتا ہے۔

خلیفۂ اول کو بھی ملکۂ تقریر حاصل نہ تھا

اسی طرح خلیفۂ اول ابوبکر بھی خطابت پر قدرت تامہ نہیں رکھتے

تھے جیسا کہ حضرت عثمان کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے، دراصل ان حضرات کی نشوونما اور زندگی کا ماحول ایسا نہ تھا جس سے ان میں ملکۂ خطابت پیدا ہوتا، بغیر سوچے سمجھے جو منہ میں آتا کہہ دیتے تھے جس کی وجہ سے بعض موقعوں پر ذلّت اور شرمندگی کا سامنا ہوتا تھا اور ایسے موقعوں پر یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے تھے ان البلاء موکل بالمنطق "بات کرنی بھی سخت آفت ہے" (کتاب مجمع الامثال للمیدانی جزء اول صـ۱۲ طبع مصر وکتاب الامثال) دراصل یہ نتیجہ تھا اُن کے ذاتی پیشہ کا جس میں انسان فضول بکواس کرتا ہے اور صحیح خطابت سے کام نہیں لیتا، مورخ ابن جریر الطبری ابوبکر کے پیشہ کے متعلق لکھتا ہے۔

کان ابوبکر قبل ان یشتغل بامور المسلمین تاجرا فکان یغدو کل یوم الی السوق ویبتاع "...... وکانت لہ قطعة غنم تروح علیہ وربما خرج ھو بنفسہ فیھا وربما کفیھا فرعیت لہ وکان یحلب للحیّ اغنامھم۔"

ابوبکر خلیفہ ہونے سے قبل تجارت کرتے تھے اور ہر روز صبح کو اپنے جائے قیام سُنح (جو مدینہ سے باہر فاصلہ پر تھا) سے مدینہ کے بازار بیچنے کے لیے آتے تھے، چند بھیڑ بکریاں بھی تھیں، کبھی خود چراتے اور کبھی کوئی دوسرا چرا دیا کرتا، اور قبیلہ کی بھیڑ بکریوں کا دودھ بھی دوہا کرتے تھے (تاریخ الطبری جلد دوم صـ۲۲۰، ۲۲۱ طبع مصر)

اسی طرح خلیفہ دوم اپنے متعلق بیان کرتے ہیں:۔

کنت ارعی ابل الخطاب بھذا الوادی فی مدرعة صوف وکان فظا یتبعنی اذا عملت ویضربنی اذا قصرت وقد امسیت ولیس بینی وبین اللہ احد۔

میں اس وادی ضجنان میں خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا اور کمبل کا کرتا پہنے رہا کرتا تھا اور خطاب مجھ پر بہت سخت تھے جب میں ان کا کام کرتا تھا تو وہ میری کھوج میں رہتے تھے کہ دیکھوں یہ ٹالتا تو نہیں اور اگر کام میں کوتاہی کرتا تو مجھے مارتے تھے اور اب تو میں اس حال میں ہوں کہ میرے اور خدا کے درمیان کوئی حاکم نہیں خلیفۂ وقت ہوں۔ (تاریخ الطبری جلد ۴ صـ۳۹ طبع مصر)

خطاب کے زمانہ میں یہ کام کرتے تھے اس کے بعد پیشہ ور دلال ہو گئے تھے، چنانچہ علاّمہ دمیری لکھتے ہیں:۔

وکان عمر بن الخطاب دلالًا بین البائع والمشتری۔"

عمر بن خطاب خریدار اور بیچنے والے کے درمیان دلالی کیا کرتے تھے۔

(حیوٰة الحیوان علامہ دمیری وانوار اللغة مولانا وحید الزماں حیدرآبادی پارہ ۲ صـ۳۳)

ظاہر ہے کہ ایک دلال اور ادنیٰ درجہ کا پھیری کا بیوپاری اپنے روزمرّہ کے معمولات کے اعتبار سے کچھ نہ کچھ بات چیت کرنے پر ضرور قدرت رکھتا ہے، لیکن فصیح وبلیغ عالمانہ خطبے وتقریریں نہیں کر سکتا ہے اور نہ اُن میں کوئی فنّی وادبی شان پیدا ہو سکتی ہے، جس کی بنا پر لوگ اُس کو یاد رکھیں یا محفوظ ومدّون کرنے کی فکر کریں اسی نقص کو دیکھ کر خلفاء کے ماننے والوں نے یہ کوشش کی کہ اُن کی طرف کچھ خطبے اور حکیمانہ اقوال ومواعظ کو منسوب کریں، چنانچہ یہی معاویہ نے چاہا جیسا کہ خود اُس کا بیان ہے، علاّمہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:۔

قال ابراهيم بن سعد الثقفي فحدثني
محمد بن عبد الله بن عثمان بن علي بن
محمد بن أبي سيف عن أصحابه أن
عليا لما كتب إلى محمد بن أبي بكر هذا
الكتاب كان ينظر فيه ويتأدب بأدبه فلما
ظهر عليه عمرو بن العاص وقتله أخذ كتبه أجمع
فبعث بها الى معاوية فكان معاوية ينظر في
هذا الكتاب ويتعجب منه فقال الوليد
بن عقبة وهو عند معاوية وقد رأى اعجابه
به مر بهذه الاحاديث ان تحرق فقال
معاوية مه لا رأي لك فقال الوليد أفمن
الرأي ان يعلم الناس ان احاديث ابي
تراب عندك تتعلم منها فقال ويحك
أتأمرني ان احرق علما مثل هذا والله
ما سمعت بعلم هو اجمع منه ولا احكم
فقال الوليد ان كنت تعجب من علمه وقضائه
فعلام تقاتله فقال لولا ان ابا تراب قتل عثمان
ثم افتانا لأخذنا عنه ثم سكت هنيهة ثم
نظر الى جلسائه فقال انا لا نقول ان هذه
من كتب علي بن ابي طالب عليه السلام ولكن
نقول هذه من كتب ابي بكر الصديق كانت
عند ابنه محمد فنحن ننظر فيها ونأخذ منها۔

ابراہیم بن سعد ثقفی کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن عبد اللہ
ابن ابی سیف نے اپنے اصحاب کے سلسلۂ اسناد سے
بیان کیا کہ جب حضرت علیؑ نے محمد بن ابو بکر کو سنت و تعلیمات
نبوی و آداب حکومت کے مضامین پر مشتمل ایک کتاب
لکھ بھیجی تو محمد اس کو برابر پڑھا کرتے اور اس سے علم و
ادب حاصل کرتے رہتے تھے لیکن جب عمرو عاص نے
محمد پر غلبہ حاصل کر کے ان کو مصر میں قتل کر دیا تو اس نے
اُن تمام رسائل و کتابوں کو محمد کے سامان میں سے
ضبط کر کے معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ معاویہ اس کتاب کو عظمت
کی نگاہ سے دیکھنے لگا، ایک روز جب کہ معاویہ
اس کو بہ نگاہ عظمت دیکھ رہا تھا، ولید بن عقبہ بھی اس
کے قریب بیٹھا ہوا تھا، وہ معاویہ کے اس تاثر کو دیکھ
کر کہنے لگا ان احادیث کو جلا دینے کا حکم دے دیجیے
یہ سُن کر معاویہ نے کہا، خاموش تمہاری یہ رائے
بہتر نہیں ہے، ولید نے کہا تو کیا یہ رائے مناسب
ہے کہ لوگ یہ جان لیں کہ ابو تراب کی احادیث آپ
کے پاس ہیں جس سے آپ علم حاصل کرتے رہتے ہیں؟
معاویہ نے جواب دیا وائے ہو تجھ پر ایسے علوم کو جلا دینے
کا مشورہ دیتا ہے، بخدا میں نے آج تک اس سے
زیادہ مفید و محکم علم کو سُنا ہی نہیں ولید نے جواب
دیا کہ جب آپ علیؑ کے علم و حکمت کے قائل ہیں اور آپ
ان کی اس بزرگی کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر اُن سے برسرِ پیکار
کیوں ہیں۔ معاویہ نے جواب دیا اگر ابو تراب عثمان کو نہ قتل کرتے اور ہمارے معاملہ میں دخل دے کر فتنہ میں
نہ مبتلا کرتے تو ہم ہرگز نہ لڑتے، یہ کہہ کر تھوڑی دیر کے لیے معاویہ خاموش ہو گئے پھر کچھ سوچ کر اپنے مصاحبین
سے کہنے لگے "میں یہ نہ کہوں گا کہ یہ علیؑ کی تحریریں ہیں بلکہ یہ کہوں گا کہ یہ ابو بکر صدیق کے نوشتہ جات ہیں جو اُن
کے بیٹے محمد کے پاس تھیں جن کو ہم پڑھتے اور مستفید ہوتے ہیں۔" (شرح ابن ابی الحدید جلد دوم ص ۲۸ طبع مصر) یہ
معاویہ نے اس سلسلہ میں بڑا پروپگنڈا کیا، جس کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ ابو الحسن المدائنی نے کتاب الاحداث

میں کیا ہے، معاویہ نے تمام ممالک محروسہ کے گورنروں کو یہ حکم بھیجا تھا:

"فاذا جاءکم کتابی ھذا فادعوا الناس الی الروایۃ فی فضائل الصحابۃ والخلفاء الاولین ولا تترکوا خبرا یرویہ احد من المسلمین فی ابی تراب الا واتونی بمناقض لہ فی الصحابۃ مفتعلۃ فانی ھذا احب الی واقر لعینی وادحض لحجۃ ابی تراب وشیعتہ۔"

میرے اس حکم کے پاتے ہی تم لوگ فوراً راویوں اور واعظوں کو بلا کر حکم عام دیدو کہ اب فضائل صحابہ و خلفاء سابقین کے متعلق احادیث فضیلت بیان کریں، دیکھو جب کوئی شخص امت اسلامی میں کوئی حدیث یا روایت ابو تراب (علیؑ) کی شان میں بیان کرے تو اسی وقت اس کی مناقض حدیث صحابہ کی شان میں تیار کرلی جاوے کیونکہ یہ امر مجھ کو سب سے محبوب ہے اور اس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچتی ہے اور علیؑ و ان کے شیعوں کے حجت و دلائل کو توڑنے کا یہی ایک طریقہ ہے، پھر کیا تھا اس حکم کے پہونچتے ہی یہ نتیجہ ہوا کہ

"فرویت اخبار کثیرۃ فی مناقب الصحابۃ مفتعلۃ لا حقیقۃ لھا وجد الناس فی روایۃ ما یجری ھذا المجری حتی اشادوا بذکر ذالک علی المنابر والقی الی معلمی الکتاتیب فعلموا صبیانھم وغلمانھم من ذالک الکثیر الواسع حتی رووہ و تعلموہ کما یتعلمون القرآن وحتی علموہ بناتھم ونساءھم وخدمھم وحشمھم فلبثوا اذالک ماشاء اللہ۔"

لوگوں نے کثرت سے فضائل صحابہ میں ایسی ایسی خبروں کو روایت کیا جن کی کوئی حقیقت ہی نہ تھی، انھیں اخبار و احادیث کو لوگوں نے گذرگاہوں پر چلتے پھرتے مشہور کیا یہاں تک کہ مسجد کے منبروں پر یہ اخبار و جعلی احادیث بیان کیے گئے خود ساختہ معلموں نے ان کو کتابوں میں لکھ کر لڑکوں اور جوانوں کو پڑھایا اور ازبر کرایا پھر تو اس تعلیم کی اتنی ترقی ہوئی کہ یہ قرآن مجید کے تعلیم کے برابر ہوگئی اور مسلمانوں کی تمام لڑکیوں، عورتوں، اور گھر کی لونڈی غلاموں تک پڑھایا اور یاد کرایا گیا اور ایک عرصہ تک یہی سلسلہ جاری رہا۔"

(ابن ابی الحدید جلد سوم صفحہ ۱۵، ۱۶، طبع مصر)

ابو حیان توحیدی نے شیخین کے لیے کلام فصیح وضع کیا

اسی اموی پروپیگنڈہ کا نتیجہ تھا کہ ابو حیان التوحیدی المتوفی ۱۴۱ھ نے شیخین کی کمال بلاغت و فصاحت کو ظاہر کرنے کے لیے بسلسلۂ حدیث سقیفہ ابوبکر کی زبانی ایک مفصل پیغام اور بزبان عمر ایک گفتگو وضع کرکے شیخین کی طرف منسوب کرنا اپنا ایک مذہبی فریضہ سمجھا اور ظاہر کیا:

"لا اعرف فی الارض رسالۃ اعقل منھا ولا ابین وانھا لتدل علی علم وحکم وفصاحۃ وفقاھۃ فی دین ودھاء وبعد غور وشدۃ

زمین پر میں اس حکیمانہ و مدلل پیغام سے بہتر کوئی پیغام نہیں جانتا جو اپنے متکلم کے علم و حکمت فصاحت فقاہت، تدبیر و سیاست اور انتہائے

غوص۔" غور وفکر پر دلالت کرتا ہو،

لیکن ابوحیان کی اس موضوع و منحول (من گھڑت) تقریر وگفتار کو خود اہل سنت نے بھی شیخین کا کلام نہیں تسلیم کیا، اور نہ متکلمین اہل سنت عام اس سے کہ معتزلہ ہوں یا اشاعرہ کسی نے بھی اس سے استدلال نہیں کیا، بلکہ ابن ابی الحدید جو شیخین کی خلافت وامامت کو ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے، اس نے اس کلام کے وضعی وجعلی ہونے پر اپنی شرح میں دلائل پیش کیے ہیں اور صاف کہا ہے۔

ان هذه المراسلات والمحاورات والكلام كله مصنوع موضوع وانه من كلام ابي حيان التوحيدي لانه بكلامه ومذاهبه في الخطابة والبلاغة أشبه وقد حفظنا كلام عمر ورسائله وكلام ابي بكر وخطبه فلم نجدهما يذهبان هذا المذهب ولا يسلكان هذا السبيل في كلامهما وهذا كلام عليه اثر التوليد ليس يخفى واين ابوبكر وعمر من البديع وصناعة المحدثين ومن تامل كلام ابي حيان عرف ان هذا الكلام من ذالك المعدن خرج۔"

یہ تحریریں، بات چیت، اور کلام سب کا سب وضعی اور خود ساختہ ہے، دراصل یہ ابوحیان توحیدی ہی کا کلام ہے کیونکہ یہ توحیدی کے سبک تحریر و انداز نگارش وطرز کلام اور اس کی خطابت وبلاغت سے بالکل مشابہ ہے۔ ہم نے عمر کے کلام اور ان کے خطوط کو اور ابوبکر کے کلام اور ان کے خطبوں کو دیکھا سمجھا اور یاد رکھا ہے ان دونوں خلفاء کے کلام سے اس کو کوئی مناسبت اور لگاؤ ہی نہیں ہے اس کلام میں "تولید" کے آثار ہیں جو پوشیدہ نہیں، بھلا ابوبکر وعمر کو ان صنائع وبدائع سے کیا تعلق جو بعد میں ایجاد ہوئیں جو شخص ابوحیان کے کلام پر ذرا گہری نظر ڈالے تو یہ سمجھ لے گا کہ یہ کلام بھی جو دونوں خلفاء کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اسی معدن سے نکلا ہے،

ابن ابی الحدید اس کے جعلی و وضعی ہونے پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وكان ابن الباقلاني شديداً على الشيعة عظيم العصبية على امير المومنين فلو ظفر بكلمة من كلام ابي بكر وعمر في هذا الحديث لملأ الكتب والتصانيف بها وجعلها هجيراه ودابه والامر فيما ذكرناه من وضع هذه القصة ظاهر لمن عنده ادنى ذوق من علم البيان ومعرفة كلام الرجال ولمن عنده ادنى معرفة بعلم السير واقل انس بالتواريخ۔

ابوبکر باقلانی جو شیعوں کے سخت مخالف تھے اور حضرت علیؑ سے ان کو بہت زیادہ تعصب تھا، اگر ابوبکر وعمر کا یہ کلام ان کو مل جاتا تو وہ اپنی کتابوں کو اس سے بھر دیتے اور اس کی آڑ لے کر (شیعوں کے خلاف) بڑا زور لگاتے اور حقیقت تو یہی ہے جیسا کہ ذکر کر چکا ہوں کہ یہ سب کلام فرضی وجعلی ہے اور یہ امر ہر اس شخص پر صاف وروشن ہے جس کو کچھ بھی علم بیان کا ذوق ہے اور لوگوں کے کلام کو سمجھنے بوجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے یا سیر وتاریخ سے اس کو کچھ بھی مس ہے۔ (ابن ابی الحدید جلد دوم ص ۵۹۷ طبع مصر)

استاذ احمد زکی صفوت، اس کے موضوع ومصنوع ہونے کے متعلق اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر

کرتے ہیں :-

"فیشهد الله انا بدأنا قرأتها حتی ساورتنا منها ريبة ولم نأت عليها حتی تجسمت فی نظرنا تلك الريبة واستيقنا انها قصة موضوعة منحولة لما غلب عليها من الصنعة البديعية البينة فی اسلوبها مما لم يعرف فی رسائل ابی بكر وعمر وخطبها ولا فی كلام احد من اهل هذا العصر فضلا عما فيها من اسهاب ومد لم يعهد منهم وان ما تراه فيها من الفقر القصيرة المسجوعة المجنسة ليحملك علی الاعتقاد بانها شبيهة بنسيج البديع الهمدانی واضرابه من كتاب العصر الذی نشأ فيه ابو حيان۔"

خدا گواہ ہے کہ ہم نے اس کلام کو پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ مجھے شک ہونے لگا کہ یہ شیخین کا کلام نہیں ہے اور ابھی ختم بھی نہیں کر چکا تھا کہ اس شک نے یقین کی صورت اختیار کر لی کہ یہ بالکل موضوع، خود ساختہ اور گڑھا ہوا کلام ہے کیونکہ اس عبارت میں صنائع بدائع کا اتنا غلبہ ہے جو ابوبکر و عمر کے رسائل و خطب میں پایا ہی نہیں جاتا اور نہ ان کے اسلوب سے یہ ملتا ہے، بلکہ اس کا طرز اسلوب ابوبکر و عمر کے زمانے کے کسی شخص سے بھی نہیں ملتا جلتا مزید برآں اس میں اس قسم کی طوالت اور پھیلاؤ ہے جو اس عہد کا طور طریقہ نہیں ہے علاوہ ازیں چھوٹے چھوٹے جملوں اور فقروں میں صنعت سجع و جناس کا استعمال اس طرح ہوا ہے جس طرح چوتھی صدی ہجری کے لکھنے والے بدیع الزماں ہمدانی، اور ان کے امثال استعمال کرتے تھے جس عہد میں کہ خود ابوحیان توحیدی کی نشو و نما ہوئی۔ (ترجمہ علی بن ابی طالب ص۹ طبع مصر)

اسی طرح دکتور زکی مبارک نے اپنی کتاب "النثر الفنی فی القرآن الرابع" جلد اول میں زیر عنوان "اخبار التوحیدی" اس کے موضوع ہونے پر روشنی ڈالی ہے، اور یہ بتلایا ہے کہ یہ توحیدی کا خود ساختہ ہے۔ (النثر الفنی جلد اول ص ۲۸۳، ۲۸۵ طبع قاہرہ) دکتور احمد فرید رفاعی نے بھی اس کے موضوع ہونے پر اشارہ کیا ہے (المقدمہ صفحہ ۴۵ مطبوعۃ المعارف مصر) الاستاذ حسن السندوبی نے بھی اپنی کتاب "اعیان البیان" اور "حیاۃ ابوحیان التوحیدی و آثارہ و مرویاتہ" صفحہ بصفحہ ۴۰، ۴۱ اس کو موضوع اور جعلی ثابت کیا ہے (حیاۃ ابوحیان التوحیدی مطبوعہ بضمن المقابسات التوحیدی تحقیق و شرح الاستاد حسن السندوبی ص ۴۰، ۴۱ مطبوعہ رحمانیہ مصر)

بہرحال چند خطبات و رسائل، مواعظ و اقوال جو خلفائے ثلثہ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں وہ عقد الفرید ابن عبد ربہ، البیان والتبیین جاحظ، اور دوسرے کتب اہل سنت میں موجود ہیں یہ اور بات ہے کہ اگر تحقیق کی نظر ڈالی جائے تو اس میں سے اکثر ان حضرات کا نہ ثابت ہو سکے گا اور ممکن ہے کہ ایسا اکثر حصہ علی ابن ابی طالب ہی کا ہو، جس طرح سے حضرت کا بعض کلام، معاویہ اموی، قطری بن الفجاۃ خارجی، عبداللہ بن المقفع پارسی، سحبان وائل متوفی ۵۴ھ بعہد معاویہ و مجہول الاسم اعرابی سے منسوب کر کے نقل کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود علیؑ کے آثار علمی و ادبی باوجودیکہ صدیوں و قرنوں مسلسل، ظلم و جور، قہر و غلبہ کے ساتھ

ان کو مٹانے کی انتھک کوششیں کی گئیں پھر بھی وہ آج تمام عالم پر چھا چکا ہے،

نہج البلاغہ معجزات کلام اور ادب عربی کا بہترین سرمایہ ہے

نہج البلاغہ ...... اخت القرآن ...... کی حیثیت سے ادب عربی میں قرآن کے بعد دوسری کتاب ہے جس کا جواب لانے سے ادباء عرب عاجز و قاصر ہیں بلکہ وہ اس کو "معجزات اللسان العربی" "و بدائع العقل البشری" سمجھتے ہیں (تاریخ الادب العربی احمد حسن الزیات ص۱۰۱ طبع مصر) اسی وجہ سے اس کو ادب عربی کا مایۂ ناز گرانبہا خزانہ قرار دیتے ہیں، استاذ احمد زکی صفوت لکھتے ہیں:۔

وحسبك انه لم يدون لاحد من فصحاء الصحابة ما دون له واحسبك ان كلامه انفس عدة الادباء وخير زاد الخطباء على مثلته يحذو كل قائل خطيب وبه يستعين كل واعظ بليغ وملاك القول انه خلف للادب العربي أثمن كنوز انفس تراث۔

فصحاء صحابہ میں سے کسی ایک کا بھی اتنا ذخیرہ و گرانقدر مجموعہ کلام نہیں مدوّن کیا جا سکا جتنا کہ امیرالمومنین حضرت علیؑ کا ہے، ادباء کے لیے حضرت کا کلام بہترین ذخیرہ، اور خطباء کے لیے بہت اچھا زاد اور سرمایہ ہے اور آپ کے مثال پر ہر بولنے والا خطیب چلنے کی کوشش کرتا ہے اور ہر واعظ بلیغ آپ کے کلام سے مدد چاہتا ہے، مختصر یہ کہ حضرت نے ادب عربی کے لیے بہت قیمتی و بیش بہا خزانہ چھوڑا ہے اور عربوں کو نفیس ترین میراث کا مالک بنایا ہے" (ترجمہ علی ابن ابی طالب ص۱۰۸ طبع مصر)

علیؑ نے اولین معلم اسلام کی حیثیت سے اشاعت علوم کے لیے سعی فرمائی

اس سے تو انکار کیا ہی نہیں جا سکتا کہ پیغمبر اسلام نے انؑ کو تعلیم و تربیت دے کر اپنے بعد کے لیے منصب رشد و ہدایت میں اپنا قائم مقام بنایا تھا، علیؑ نے اپنی اس ذمہ داری کا احساس پوری طرح سے کیا حکومت ظاہری جس کا کہ وہ اپنے کو احق سمجھتے تھے نہ ملی اس پر خاموش رہے لیکن نیابت نبوت کا جو فریضہ آپ پر عائد ہوتا تھا اس کو آپ برابر انجام دیتے رہے اور عربوں میں اس روح کو پیدا کرنے کی کوشش کی جو دنیا کو حیات جاودانی بخشنے والی تھی، اس عہد میں جب کہ آپ حکومت کی ذمہ داریوں سے بالکل الگ رہے اس میں کافی موقع تھا کہ آپ اپنی تحریک علمی کو آسانی سے آگے بڑھاتے لیکن حجازی ماحول اس کے لیے کچھ سازگار نہ تھا، ہو سکتا تھا کہ کسی دوسری جگہ کو اس کے لیے انتخاب فرماتے لیکن اس طولانی عہد میں علیؑ کہیں باہر نہ جا سکے تاریخ اس کا سبب بتلانے میں خاموش ہے کہ علیؑ کیوں مجبور و معذور رہے، یہ تو ظاہر ہے کہ علیؑ اشرافیت، طبقات، اختلاف قوم قبیلہ و ملک و نسل کے امتیازات کے بالکل مخالف تھے، علیؑ کا مدینے سے باہر جانا اشرافیت کے لیے عظیم خطرہ تھا ہو سکتا ہے کہ اسی سبب سے علیؑ کو مدینے سے باہر نکلنے کا موقع نہ دیا گیا ہو، لیکن علیؑ کو یہ تمنا تھی کہ

ایسے حوزۂ علمیہ کی تاسیس فرمائیں جہاں مختلف ملک و نسل و قوم و قبیلہ کے ہوش مند ایک ساتھ اکتساب علم و فضل کر سکیں اور یہ لوگ آپ کے فکر و ادب کے امین ہو کر اس کو تمام دنیا تک پہونچا دیں، اس کے لیے آپ عقل و ہوش رکھنے والے بلند حوصلہ ساتھیوں کو چاہتے تھے، عام اس سے کہ وہ کسی زمین کے رہنے والے کیوں نہ ہوں، اسی لیے جیسا کہ بتلا چکا ہوں، علیؑ نے اپنے حکومت میں حجاز کو چھوڑ کر عراق کو نہ صرف دار الحکومت بلکہ اس کو دار العلم بھی بنایا اگرچہ وہاں بھی آپ کو اطمینان نہ حاصل ہو سکا اور آپ کو داخلی شورشوں و بغاوتوں کے ذریعہ جنگ میں الجھا دیا گیا، مگر "فی تقلب الاحوال علم جواھر الرجال" (امیر المومنین) یہ علیؑ ہی کا کام تھا کہ آپ نے اپنے پر زور خطابت کے ذریعہ جس کا موقع نہ صرف مسجد کوفہ بلکہ میدان جنگ میں بھی پڑتا تھا عوام میں صحیح تعلیمات قرآنی و روح اسلامی کو پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کی:-

علیؑ نے خطب نہج البلاغہ کے ذریعہ صحیح تعلیمات اسلام کو پیش فرمایا

موجودہ عربی دنیا کا ماہر فلسفہ و تاریخ اور نفسیات قوم پر بحث کرنے والے عالم الاستاد العلامہ شیخ عبد اللہ العلائلی نے اس حقیقت کو اپنے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے:

ولدت هذه المشاهد فی نفس علی اسیٰ مریرًا اظهر جلیًا فی خطب النهج، هذه الظاهرة لا تدع شكًا فی صحة نسبة النهج، الذی یعبر احسن تعبیر مما یجب ان یصدر من فواد علیؑ وسط هذه الزوبعة العاصفة خرت علی نفسه هذه الفرطات المؤلمة، ولذعته كثيرًا فانصرف الی تثقیف الجمهور بروح الاسلام من جدید وتقدیم المثل الاعلیٰ للمسلم الصحیح فی شخصه، وما فتئ یضرب علی هذه النغمة حتی خر صریعًا وهو ینادی الناس الی الصلوٰة الی الفلاح فی غلس اللیل،

ان مشاہدات نے علیؑ کو انتہا سے زیادہ متاثر کیا اور آپ کا جگر خون ہو گیا، جس کے اثرات نہج البلاغہ کے خطبوں میں صاف طور سے ظاہر ہیں، نہج البلاغہ علیؑ کے تاثرات کا مظہر اور پرتو ہونے کی وجہ سے یہ یقین دلاتا ہے کہ یہ حضرت ہی کا کلام ہے اور اس کی نسبت حضرت ہی کی طرف بالکل صحیح ہے اس لیے کہ نہج البلاغہ کی عبارتوں میں آپ کا سوز دروں اور درد دل کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے ان دردناک حالات نے علیؑ کے دل میں پیچ و تاب پیدا کر کے اس امر پر آمادہ کر دیا کہ آپ از سر نو اپنی صحیح تعلیمات سے جمہور عرب کی تربیت کر کے ان میں روح اسلام کو پیدا کریں اور صحیح و بلند مثالی (آئیڈیل) مسلمان دنیا کے سامنے پیش کریں اور آپ اسی طرح (روح پرور حیات بخش اسلامی) نغمے برابر سناتے رہے یہاں تک کہ آپ (مسجد کوفہ میں) اپنے خون میں غلطاں ہوئے اس حالت میں کہ آپ تاریک رات میں لوگوں کو عبادت و نجات کے لیے بلا رہے تھے،

بیشک علیؑ اپنے پاک مقصد میں کامیاب ہوئے اور جہاں آپ نے میثم بن یحییٰ، حجر بن عدی، عمرو الحمق وغیرہ وغیرہ کے سے بلند مثال شخصیتوں کو پیش کیا، وہاں آپ نے ابن عباس، ابو الاسود، کمیل، حارث، اصبغ زید، سُلیم، عبید اللہ وغیرہ وغیرہ کے سے قوی الحافظہ، صحیح الفکر، ذہین اور گہری فکر و نظر رکھنے والے علم و ادب

کے شیدائی بھی پیدا کر دیئے، صرف عرب ہی نہیں بلکہ غیر عرب موالی، عجمی، نبطی، بھی آپ کے فیض علم سے ایسا مستفید ہوئے کہ بالآخر یہی غیر عرب گوئے سبقت لے کر جولان علم میں آگے بڑھ گئے، اب آپ نے عربوں میں بلوغ نظر پیدا کر کے ان کو اتنا رواداربنا دیا تھا کہ علم وادب کو قرشی و عربی عصبیت سے کچلا نہیں جا سکتا تھا، اب ہر عربی بولنے والا اس فکر میں رہتا تھا کہ اپنے میراث ادب کی حفاظت کرے، جن کو علیؑ سے سیاسی اختلاف تھا وہ بھی علیؑ کے ادب کی حفاظت ضروری سمجھتے تھے، کیونکہ عربی بولنے والوں کی یہ گراں مایہ دولت تھی، جس کو وہ برباد نہیں کر سکتے تھے، علیؑ کے بعد جتنے فصیح و بلیغ ادیب پیدا ہوئے چاہے وہ نسلاً عرب ہوں یا غیر عرب، وہ سب کے سب اس سے فائدہ حاصل کرتے رہے کیونکہ بغیر اس کے ان میں وہ کمال نہیں پیدا ہو سکتا تھا جس کو وہ چاہتے تھے وہ علیؑ کے خطبوں کو زبانی یاد رکھتے تھے اور ایک دوسرے سے روایت کرتے تھے، علیؑ سے اختلاف رکھنے والے، زیاد ناصبی، قطری بن الفجاۃ خارجی، حجاج ناصبی، کون ایسا بلند مرتبہ خطیب ہے جو حضرت کے خطبوں سے متاثر نہیں ہوا، اسی طرح عبدالحمید بن یحییٰ الکاتب الاموی، عبداللہ بن المقفع الکاتب العباسی، ابن نباتہ الخطیب المشہور وغیرہ وغیرہ سبھی تو ہیں، جو مستفید و مستفیض ہوئے یہ لوگ علیؑ کے خطبے رسائل کو یاد کر کے اپنے خطابت و کتابت کے قدرتی چشموں میں جوش و روانی پیدا کرتے تھے، اگرچہ اس سلسلہ میں یہ بھی ہوا کہ غلط فہمی سے علیؑ کے بعض خطبوں و مقالوں کو دوسروں کا سمجھ لیا گیا یا اموی ذہنیت ایسا سمجھانے کی کوشش کرتی رہی، لیکن حقیقت پر پردے نہ پڑ سکے، اور یہ معلوم ہو کے رہا کہ یہ جوہر کس معدن کا ہے، یہ ہیں وہ تاریخی و نفسیاتی اسباب جن کی بنا پر حضرت کے خطبے لوگوں میں مشہور رہے اور ان کو مدون و محفوظ رکھنے کی کوشش کی گئی۔

جواب شبہۂ سوم ۳

یہ کہا جاتا ہے کہ نہج البلاغہ میں بعض خطب و عبارات ایسے ہیں خصوصاً خطبۂ شقشقیہ جس میں اصحاب کو برے الفاظ وسب و شتم سے یاد کیا گیا ہے، اس لیے یہ کلام حضرت کا نہیں ہو سکتا، خلوصی صاحب کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

" The abusive language' Calsings and revilings of The Companions' espesially in The Famous shuqshiqiya (Shaqshaqiyya) are not attritulele to a pious and God fearing Imam like Ali"

معترضین و مشککین جس وقت یہ اعتراض یا شک ظاہر کرتے ہیں غالباً وہ اس وقت نہ صرف تاریخی حقائق بلکہ فلسفۂ اخلاق سے اپنی لاعلمی کا ثبوت پیش کرتے ہیں، حالانکہ باطل کو مٹانے اور حق کو ظاہر کرنے

کے لیے یہ ضروری ہے کہ نقد کی اجازت دی جاوے تاکہ عیوب پوشیدہ نہ ہونے پائیں بلکہ دنیا اُن عیوب کو سمجھ لے اور جان لے یہی وجہ تھی جس کی بنا پر صاحب خلق عظیم حضرت پیغمبر صلعم نے اپنے درباری شاعر حسان بن ثابت انصاری کو خصوصیت سے اس کام کے لیے متعین فرمایا، کہ وہ اپنی نظموں میں باطل پر قائم رہنے والے ظالم وجابر شخصیتوں کی ہجو کریں اور ان کی برائیوں کو صاف اور کھُل کر دنیا کے سامنے پیش کریں، امام راغب اصفہانی اپنی کتاب المحاضرات میں لکھتے ہیں :۔

قال النبی علیہ السلام لحسان بن ثابت اھجھم وروح القدس معك ، آنحضرتؐ نے حسان بن ثابت کو حکم دیا کہ تم ان لوگوں کی ہجو کرو روح القدس (جبرئیل) کی تائید تمہارے ساتھ ہے۔ (محاضرات راغب اصفہانی مخطوط کتب خانہ ناصریہ)

صرف یہی نہیں بلکہ آپ نے حسان کو معائب قوم کو معلوم کرنے کا حکم دیا تھا، "سل ابا بکر معائب القوم" ابوبکر سے قریش کی فضیحت وعیب کو معلوم کرلو کیونکہ وہ زیادہ واقف ہیں (شرح دیوان حسان بن ثابت الانصاری لمحمد العنانی صـــ ۱۳۴ طبع مصر) حسان کا دیوان موجود ہے اس میں حکم رسولؐ سے قریش کی کیسی فضیحت کی ہے، ان اشعار کو وہ رسول اللہ کے سامنے پڑھتے تھے اور آپ ان کو سُن کر خوش ہوتے اور اُن کو دعائیں دیتے میں چند اشعار کی طرف اشارہ کرتا ہوں، آپ ان کو دیوان میں مکمل مع ان دوسرے اشعار کے جن کو نقل نہیں کیا گیا ہے، پڑھیئے، ابوسفیان وہند، معاویہ کے والدین کے لیے کہتے ہیں۔

اشرت لکاع وعاد تھا — لؤماً اذا اشرت مع الکفر
لعن الالہ وزوجھا معھا — ھند الھنود طویلۃ البظر

فما منع العیر الضروط ذمارہ — وما منعت مخزاۃ والدھا ھند
ولکن ھجین منوط بھم — کما نوطت حلقۃ المحمل

ھلا امر تم حین حان ھجینکم — بشتم سوی حسان ان کان شاتما
تکلت ابنتی ان لم یقطعك احد — حسام یجدّ العیر مثلك واجما

عضضت بایر من ابیك وخالد — وعضت بنو النجار بالشکر الرطب
ولست بخیر من ابیك وخالد — ولست بخیر من معاظلۃ الکلب
ولست بذی دین ولا ذی امانۃ — ولست بحرّ من لؤی ولا کعب
ولکن ھجین ذو دناءۃ لمقرف — مجاجۃ ملح غیر صاف ولا عذب

ہند مادر معاویہ کی ہجو۔

لمن الصبیّ بجانب البطحاء | وفی الترب ملقیً غیر ذی مهد
نجلت به بیضاءُ آنســة | من عبد شمس صلته الخد
تسعی الی الصّبّاح معولــة | یا هند انك صلبة الحرد
فاذا تشاء دعت بمقطرةٍ | تذکی لها بالُوّة الهند
غلبت علی شبهه الغلام وقد | بان السواد لحالك جعد
اشرت لکاع وکان عادتها | دقّ المشاش بناجذٍ جلد

لمن سواقط صبیان منبذةٍ | باتت تفحصّ فی بطحاء اجیاد
باتت تمخّض ما کانت قوابلها | الا الوحوش والاجنّة الوادی
فیهم صبیٌ له امٌ لها نسب | فی ذروة من ذُری الاحساب یاد
تقول وهنا وقد جدّ المخاض بها | یا لیتنی کنت ارعی الشول للغادی
وقد غادروه لحر منعفرا | وخالها وابوها سید النادی

عمرو بن العاص کی ہجو (جو معاویہ کا وزیر باتدبیر تھا اور جس کو امیرالمومنین نے "ابن النابغہ" کہہ کر خطاب کیا ہے)

زعم ابن نابغة اللئیم باننا | لا نجعل الاحساب دون محمد

قوم ابن نابغة اللئام أذلّةٌ | لا یقبلون علی صغیر المرعد
وبنی لهم بیتاً ابوك مقصّرا | کفراً ولؤما بئس بیت المحتد

اما ابن نابغة العبد الهجین فقد | انحی علیه لساناً صارماً ذکرا
ما بال امك ذاعت عند ذی شرفٍ | الی جزیمة لمّا عفّت الاثرا
ظلمت ثلاثا وملحانٌ معانقها | عند الحجون فما ملّا وما فترا

بہرحال رسولؐ کے قابل احترام صحابی کا پورا دیوان مثالب و معائب کے تفصیلات سے پُر ہے، رسول اللہؐ ان مثالب و معائب کو بہت کشادہ پیشانی سے سنتے تھے، اور شاعر کو دعائیں دیتے تھے، اگر معائب کا بیان کرنا بُرا ہوتا تو کیا صاحب خلق عظیم، معلم مکارم الاخلاق اس کو

بہ نظر استحسان ملاحظہ فرماتے، اچھا قرآن حکیم کو ملاحظہ فرمائیے اس میں بھی حضرت احدیت نے بروں کو نہ صرف نہایت سخت و درشت الفاظ سے یاد کیا ہے بلکہ آپ کے الفاظ میں سب و شتم سے بھی کام لیا ہے، ملاحظہ ہو۔

تبّت یدا ابی لھب وّتبّ (الھمزہ)	ابو لہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ستیاناس ہو جائے
ویلٌ لّکلّ ھمزۃٍ لّمزۃ	(الھمزہ) ہر طعنہ دینے والے چغل خور کی خرابی و بربادی ہو
لنسفعًا بالناصیۃ ناصیۃٍ کاذبۃٍ خاطئۃ	(اقراء) ہم پیشانی کے پٹے پکڑ کر گھسیٹیں گے، جھوٹے، خطاکار کی پیشانی کے پٹے۔ (اللیل) دجہنم میں) بس وہی داخل ہوگا
لا یصلٰھا الا الاشقی الذی کذّب وتولّی	جو بڑا بدبخت ہے جس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا، جب ان
اذ انبعث اشقٰھا (الشمس)	میں کا بڑا بدبخت اٹھ کھڑا ہوا تمہارا دشمن ہی اولاد سے منحوس ہے۔
انّ شانئک ھو الابتر (الکوثر)	تم ایسے کی اطاعت نہ کرنا جو بہت قسمیں کھاتا ہو۔
ولا تطع کلّ حلّافٍ مّھینٍ ھمّازٍ	ذلیل اوقات، عیب جو، اعلیٰ درجہ کا چغل خور، مال کا بہت
مّشّاءٍ بنمیمٍ مّنّاعٍ للّخیر معتدٍ	بخیل، حد سے بڑھنے والا گنہگار، تندمزاج، اور اس کے
عتلٍّ بعد ذالک زنیمٍ ان کان	علاوہ بدذات اور حرامزادہ ہے۔ چونکہ مال اور بہت
ذا مالٍ وّبنین۔	سے بیٹے رکھتا ہے (اس لیے اکڑتا ہے) (القلم ۹ — ۱۴)

کیا معاذ اللہ قرآن مجید کے ان آیات پر بھی شک کیا جائے گا کہ یہ کلام الٰہی ہے یا نہیں؟ (کیونکہ اشد معائب و اقبح قبائح کا بیان ہوا ہے جس کا اقرار مفسرین کرتے ہیں (تفسیر فخر الدین رازی جلد ثامن صفحہ ۲۶۵، ۲۶۶ و تفسیر ابی السعود برحاشیہ تفسیر فخر رازی جلد ۸ صفحہ ۲۶۴) معالم التنزیل البغوی میں ابن قتیبہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں:۔

قال ابن قتیبہ لا نعلم ان اللہ وصف	خداوند عالم نے کسی کے بھی عیب کو اس طرح
احدًا ولا ذکر من عیوبہ ما ذکر	نہیں بیان کیا جیسا کہ ولید بن مغیرہ کی برائی کو اس نے
من عیوب الولید بن المغیرہ	بیان کیا ہے جس سے اس کو ایسی رسوائی حاصل
فالحق بہ عار الایفارقہ فی الدنیا	ہوئی کہ دنیا و آخرت میں کہیں بھی نہیں مٹ
والاخرۃ۔"	سکتی۔

نہج البلاغہ میں جن مقامات پر سب و شتم بتلایا جاتا ہے وہ قرآن کے مندرجہ بالا "بیان مثالب" سے زیادہ سخت نہیں ہیں، قرآن نے ولید بن مغیرہ میں جو اکابر صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں انہیں معائب و مثالب کا ہونا بیان کیا ہے جن کو علیؑ بن ابی طالب ذرا اچھی وضاحت سے عمرو بن عاص و معاویہ وغیرہم میں بتلا رہے ہیں، احمد زکی صفوت جو نہج البلاغہ کے بعض مقامات کو شک کی نظروں سے دیکھتے ہیں

وہ بھی ایسے کلام کو امیر المومنینؑ ہی کا کلام سمجھتے ہیں، جیسا کہ لکھتے ہیں :۔

نقول اما هذا الكلام واشباهه فانا نلتمس لعلیؑ فيه العذر وان هو الا نفثة مصدور ومن دهاء عمروؓ وما نصب له من حبائل الكيد وما ناله من معاويه ما تنفطر منه القلوب على انه ليس بغريب ولا مستنكر على علیؑ وقد جرد علیؑ عمروؓ ومعاويه واشياعهما سيفه وخاض معهم معمعان القتال ان يصب عليهم من لسانه وابلا من اللعنات، تلك سجية بشريه لا يقوى على مغالبتها الصلاح مهما كان كاملا وهل يبقى للعدو حرمة بعد ان ازهاق الارواح واراق الدماء؟

میں کہتا ہوں کہ علیؑ اس قسم کے سخت و درشت کلام فرمانے میں معذور ہیں، کیونکہ یہ تو ستائے ہوئے مصیبت زدہ دل کی ایسی بھڑاس تھی جو عمرو عاص کی غداری و مکاری، فریب و دھوکا اور معاویہ کے وہ مظالم جن کا تحمل قلب نہ کر سکے بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاوے ان سب کو برداشت کرنے کے بعد علیؑ کے دل سے نکلی تھی اس بنا پر اس قسم کے کلام کا علیؑ سے سرزد ہونا بعید نہیں ہے، معاویہ و عمرو عاص اور ان کے ساتھیوں پر جب علیؑ کی تلوار نیام سے نکل آئی اور میدان قتال میں ان سے مقابلہ ہو گیا تو پھر اب کیا رہ گیا اگر آپ نے زبان سے بھی ان لوگوں پر لعن و طعن فرمایا، جانوں کے تلف ہونے اور خون کے بہنے کے بعد پھر دشمن کا احترام کب رہ جاتا ہے، (ترجمہ علیؑ ابن ابی طالب صفحہ ۱۴۲ طبع مصر)

امیر المومنینؑ نے معاویہ اور عمرو عاص کے خلاف جو سخت و درشت الفاظ استعمال فرمائے اس کو علامہ احمد زکی صفوت اس لیے حق بجانب سمجھ رہے ہیں کہ ان لوگوں نے حضرتؑ کو ستایا اور آپ ان لوگوں کے مقابلہ میں مظلوم تھے بے شک قرآن نے بھی مظلوم کو ظالم کی برائیاں علانیہ بیان کرنے سے نہیں روکا جیسا کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے۔

لا يحب الله الجهر بالسوء من القول الا من ظلم وكان الله سميعاً عليما،

خدا کسی کے علانیہ برا کہنے کو پسند نہیں کرتا مگر مظلوم (ظالم کی برائیاں بیان کر سکتا ہے) اور خدا سب کی سنتا اور ہر ایک کو جانتا ہے۔ (پ ۶ النساء آیت ۱۴۸)

اس آیت کا مفہوم صاف ہے کہ خدا اس بات کو پسند کرتا ہے کہ مظلوم ظالم کی برائیوں کا اعلان کرے اس آیت کی روشنی میں خطبۂ شقشقیہ کو دیکھئے، وہ کیا ہے ؟ ایک مظلوم کے دل کی بھڑاس! جیسا کہ خود حضرتؑ ہی نے ابن عباس سے فرمایا تھا۔

تلك شقشقة هدرت ثم قرت۔

یہ ایک ٹوٹے ہوئے دل کی آواز تھی (جو دفعتاً فضائے دہر میں) گونجی اور خاموش ہو گئی۔

رہا یہ امر کہ خلفاء ثلثہ نے آپ کو ستایا یا نہیں، اس کا فیصلہ معاویہ کا وہ خط کرتا ہے جو انھوں نے محمد بن ابی بکر

کے خط کے جواب میں لکھا تھا، واقعہ یہ ہے کہ محمد بن ابی بکر نے معاویہ کو اس مضمون کا ایک خط لکھا تھا کہ تو نے علیؑ پر ظلم کیا ہے اور علیؑ کے حق خلافت کو غصب کرنے والا ہے، اس کا جواب معاویہ نے محمد بن ابی بکر کو دیا تھا اس خط و کتابت کو مورخین نے نقل کیا ہے میں مورخ مسعودی کے حوالہ سے نقل کرتا ہوں، معاویہ نے محمد ابن ابو بکر کو جواب میں لکھا،

من معاوية بن صخر الى الزاري على ابيه محمد بن ابی بکر اما بعد فقد آتانی کتابك تذکر فيه ما الله اهله فی عظمته وقدرته وسلطانه وما اصطفی به رسول الله صلی الله علیه وسلم وعلی اله مع کلام کثیر لك فیه تضعیف ولابیك فیه تعنیف ذکرت فیه فضل ابن ابی طالب وقدیم سوابقه وقرابته الی رسول الله صلی الله علیه وسلم ومواساته ایاه فی کل هول وخوف فکان احتجاجك علیّ وعیبك لی بفضل غیرك لا بفضلك فاحمد ربا صرف هذا الفضل عنك وجعله لغیرك فقد کنا وابوك فینا نعرف فضل ابن ابی طالب وحقه لازما لنا مبرورا علینا فلما اختار الله لنبیه علیه الصلوٰة والسلام ما عنده واتم له ما وعده واظهر دعوته فابلج حجته وقبضه الله الیه صلوات الله علیه کان ابوك وفاروقه اول من ابتزه حقه وخالفه علی امره وعلی ذالك اتفقا واتسقا ثم انهما دعواه الی بیعتهما فابطاء عنهما وتلکاء علیهما فهمّا به الهموم وارادا به العظیم ثم انه بایع لهما وسلم لهما ولا یشرکانه فی امرهما

معاویہ بن صخر کی جانب سے اپنے باپ کو رسوا کرنے والے محمد بن ابی بکر کی طرف، اما بعد، مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم نے خدا کی عظمت و قدرت و سلطنت کا ذکر کیا ہے جس کا وہ اہل ہے اور محمد مصطفیٰؐ کی وہ صفتیں بیان کی ہیں جن کی وجہ سے خدا نے ان کو برگزیدہ قرار دیا ہے اس کے ساتھ ہی اس خط میں وہ کلام بھی ہے جس سے تمہاری تضعیف اور جس سے تمہارے باپ کی رسوائی ہے، اس خط میں تم نے علیؑ بن ابی طالب کے فضائل و سوابقات و قرابت رسولؐ کا ذکر کیا ہے و نیز بیان کیا ہے کہ علیؑ بن ابی طالب نے رسول خدا کے ساتھ ہر خطرہ و جنگ میں مواسات کی، پس تم میرے خلاف احتجاج کرتے ہو اور میرے عیب بیان کرتے ہو لیکن اپنے فضائل کی وجہ سے نہیں بلکہ ان فضائل کے مقابلہ میں جو تمہارے سوائے دوسرے میں یعنی علی ابن ابی طالب میں ہیں پس میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یہ فضائل اس نے تم کو نہیں دیئے اور تمہارے دوسرے یعنی علیؑ کو دیئے ہیں تمہارے باپ اور ہم سب علیؑ بن ابی طالب کے فضائل اور ان کی حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے، پس جب خداوند عالم نے اپنے نبیؐ کو وہ انعامات و اکرامات دیئے جن کا اس نے وعدہ کیا تھا اور اس کے نبیؐ کی دعوت ظاہر و مکمل ہوئی اور پھر اُن کی وفات ہو گئی تو تمہارے باپ (ابو بکر) اور ان کا دوست (عمر) فاروق یہ سب سے پہلے تھے جنہوں نے علی بن ابی طالب کا حق غصب

ویطلقانه علی سرهما حتی قبضهما الله ثم
قام ثالثهما عثمان فهدی بهدیهما وسار
بسیرهما فعبته انت وصاحبك حتی طمع
فیه الاقاصی من اهل المعاصی فطلبتما
له الغوائل واظهرتما عداوتکما حتی بلغتما
فیه مناکما، فخذ حذرك یا ابن ابی بکر
وقس شبرك بفترك یقصر عن ان توازی
وتساوی من یزن الجبال بحلمه، لا یلین
عن قصر قناته ولا یدرك ذومقال اناته
مهد مهاده وبنی لملکه وشاده فان یك
ما نحن فیه صوابا فابوك استبد به و
نحن شرکاؤه ولولا مما فعل ابوك من قبل
ماخالفنا ابن ابی طالب ولسلمنا الیه و
لکنا رأینا اباك فعل ذالك به من قبلنا
فاخذنا مثله فعب اباك بما بدالك اودع
ذالك والسلام علی من اناب۔ (مروج الذہب

علامہ مسعودی جلد دوم ص۴۳ طبع اول مطبع ازہریہ
مصر ۱۳۰۳ھ)

کرلیا اور ان دونوں نے علیؑ کی مخالفت اس خلافت کے
بارے میں کی، ان دونوں نے مل کر خلافت علیؑ سے چھین لی
اور اس میں وہ دونوں آپس میں متفق رہے اور پھر ان
دونوں نے علیؑ کو اپنی بیعت کی طرف بلایا، لیکن علیؑ نے ان
دونوں کی بیعت سے انکار کیا تو ان دونوں نے علیؑ پر بہت
ظلم و زیادتیاں کیں، اور ان کے خلاف بڑی سازش تیار کی،
آخرکار مجبور ہو کر علیؑ نے ان کی بیعت کرلی، اور ان کی حکومت
کو ان کے لیے تسلیم کرلیا لیکن اس پر بھی وہ دونوں علیؑ کو اپنے
کام میں شریک نہیں کرتے تھے، اور اپنے بھیدوں سے علیؑ
کو مطلع نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ مرگئے، پھر انھیں
کی جماعت کا تیسرا عثمان کھڑا ہوا اور وہ بھی ان دونوں کے
طریقہ پر چلا اور ان دونوں کے طرزعمل کی پیروی کی، لیکن تم
نے اور تمہارے ساتھی نے ان میں عیب نکالنا شروع
کیا، یہاں تک کہ دور دور تک کے گناہگاروں نے
اس کے زمانہ حکومت میں لالچ کیا اور ناجائز فائدہ اٹھانے
کی فکر میں لگ گئے پس تم دونوں نے اس کے لیے اپنے
دل میں کینہ کو راہ دی اور اس سے اپنی عداوت کو ظاہر
کیا یہاں تک کہ اس امر میں تم نے اپنا مقصد حاصل کرلیا

پس اے ابوبکر کے بیٹے دل میں ڈر اور قیاس کر اپنے بالشت کو اپنے انگوٹھے اور انگشت شہادت کے درمیانی فاصلہ پر (یعنی اپنی حد سے آگے نہ بڑھو اور اپنے بزرگوں کے منہ نہ آؤ) تمہارا بالشت قاصر ہے اس بات سے کہ وہ برابری کرسکے اس شخص کی جو اپنے حلم میں پہاڑوں کے وزن کو تول دیتا ہے، نہیں نرم بنا سکے گا اس کے نیزہ کو جبر و قہر سے، اور نہیں پا سکتا ہے کوئی بہت بولنے والا اس کے وقار و حلم کو، پس اگر ہماری بحث درست ہے تو تمہارے باپ نے علیؑ کے اوپر بہت ظلم کیا اور ہم تمہارے باپ کے اس میں شریک ہیں اگر اس سے پہلے تمہارا باپ وہ نہ کرتا جو اس نے کیا تو ہم بھی علی ابن ابی طالب کی مخالفت نہ کرتے اور خلافت ان کے سپرد کردیتے، پس چونکہ ہم نے تمہارے باپ کو ان کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کرتے ہوئے دیکھا لہذا ہم نے بھی ویسا ہی کیا، پس اب جو کچھ ہوا اس پر اپنے باپ ہی کو ملامت کرو اور الزام دو یا چپ ہوکر بیٹھ جاؤ، سلام ہو اس پر جو حق کی طرف پلٹا۔"

علیؑ اور اہل بیت رسولؐ پر جو ظلم بعد رسولؐ کیا گیا ہے اس کو تاریخ الطبری جلد سوم "تاریخ ابوالفداء جلد اول

عقد الفرید ابن عبد ربہ جلد دوم، تاریخ روضۃ المناظر ابن شحنہ برحاشیہ جلد یازدہم تاریخ الکامل، کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ جلد اول کتاب الملل والنحل شہرستانی جلد اول، ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ محدث دہلوی در مقصد دوم مآثر ابوبکر، استیعاب عبد البر جلد اول اور اس کے علاوہ دوسری کتب اہل سنت میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں، ان مظالم کے تفصیلات سے دل کانپتا ہے۔

علیؑ سے جبریہ بیعت لینے کے سلسلے میں جو ظلم کیے گئے

ایک مرتبہ خود معاویہ نے امیرالمومنینؑ کی خدمت میں یہ لکھ کر بھیجا

"ابطائك علی الخلفاء وانت فی کل ذالك" اے علیؑ آپ ہی وہ ہیں جو خلفاء کی بیعت کرنے سے کنارہ کش رہے "تقاد کما یقاد البعیر المخشوش حتی تبایع وانت کاره" اور ہر مرتبہ اسی سرکش اونٹ کی طرح جس کی ناک میں خاردار نکیل ڈال کر گھسیٹا جاتا ہے خلفاء کی بیعت کے لیے زبردستی لائے گئے اور تم نے بہ جبر کراہت سے بیعت کی (ترجمہ علی بن ابی طالب احمد زکی صفوت ص۲۵ طبع مصر و صبح الاعشی الجزء الاول شیخ ابی العباس احمد القلقشندی ص۲۲۸ طبع دار الکتب المصریہ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۲ء)

اس کا جو جواب حضرت نے دیا تھا وہ نہج البلاغہ میں موجود ہے، شیخ ابو العباس احمد القلقشندی و احمد زکی صفوت لکھتے ہیں کہ حضرت نے معاویہ کے جواب میں تحریر فرمایا،

"وقلت انی کنت اقاد کما یقاد الجمل المخشوش حتی ابایع ولعمر الله لقد اردت ان تذم فمدحت وان تفضح فافتضحت وما علی المسلم من غضاضة فی ان یکون مظلوما ما لم یکن شاکا فی دینه ولا مرتابا بیقینه وهذه حجتی علی غیرك (صبح الاعشی الجزء الاول ص۲۳۰ طبع مصر ترجمہ علی بن ابی طالب احمد زکی صفوت ص۴۶ طبع مصر)

اے معاویہ تو جو یہ لکھتا ہے کہ مجھ کو قہر و غلبہ سے کھینچتے ہوئے بیعت کے لیے لے گئے جیسا کہ سرکش اونٹ کی ناک میں خاردار نکیل ڈال کر لے جاتے ہیں، خدا کی قسم تو چاہتا تھا کہ اس طرح میری مذمت کرے لیکن تو نے یہ میری مدح کی ہے تو مجھ کو ذلیل کرنا چاہتا تھا لیکن خود رسوا ہو گیا، مرد مسلمان کے لیے مظلوم ہونا ذلت کی بات نہیں ہے جب کہ اس کو اپنے دین میں شک نہ ہو اور یقین میں اس کو شبہ نہ ہو، اور یہی ہماری حجت و دلیل ہے تیرے غیر پہ میرے حق کو غصب کر لینے میں۔"

وداد سکاکینی مصری اپنی کتاب امہات المومنین واخوات الشہداء میں لکھتے ہیں :۔

واکرہ علیؑ علی البیعة فسیق قسراً الی الخلیفة بعد ان لقی ضروباً لشدة من عمر فغضبت فاطمه،

علیؑ کو ابوبکر کی بیعت ناگوار تھی اس بنا پر ان کو بظلم و ستم کھینچتے ہوئے زبردستی خلیفہ کی طرف لے جایا گیا، بعد اس کے کہ عمر نے آپ پر مختلف قسم کی سختیاں و زیادتیاں کیں تھیں۔" (امہات المومنین ص۳۴ مطبوعات دار الفکر العربی قاہرہ)

شہیرات النساء فی العالم الاسلامی میں بھی یہی الفاظ ہیں' " واخذ من بعدہ علیا للمبایعۃ ولما رات السیدۃ فاطمۃ زوجھا یساق قسرا فولولت (شہیرات النساء جلد دوم صـ۳۲ طبع مصر) اس کے بعد علیؑ کو بیعت کرنے کے لیے گرفتار کر لیا گیا، جب جناب فاطمہؑ نے دیکھا کہ ان کے شوہر حضرت علیؑ کو زبردستی گھسیٹے لیے جا رہے ہیں تو آپ نے فریاد کی" اس زبردستی کے بعد کیا ہوا اس کو مورخ ابن قتیبۃ الدینوری یوں بیان کرتا ہے'

ثم ان علیا کرم اللہ وجھہ اتی بہ الی ابی بکر وھو یقول وانا عبد اللہ واخو رسول اللہ، فقیل لہ بایع ابا بکر فقال انا احق بھذا الامر منکم لا ابایعکم وانتم اولی بالبیعۃ لی اخذتم ھذا الامر واحتججتم علیھم بالقرابۃ من النبی صلعم وتاخذوہ منا اھل البیت غصبا الستم زعمتم للانصار انکم اولی بھذا الامر منھم لما کان محمد منکم فاعطوکم المقادۃ وسلموا الیکم الامارۃ فانا احتج علیکم بمثل ما احتججتم علی الانصار نحن اولی برسول اللہ حیا ومیتا فانصفونا ان کنتم تومنون والا فبوؤا بالظلم وانتم تعلمون فقال لہ عمر انک لست متروکا حتی تبایع فقال لہ احلب حلبا لک شطرہ وشد لہ الیوم یردہ علیک غدا"

حضرت علیؑ کو گرفتار کر کے خلیفہ ابوبکر کے پاس لائے، اس حالت میں کہ حضرت یہ کہتے جاتے تھے میں خدا کا بندہ مطیع اور اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں آپ سے کہا گیا کہ ابوبکر کی بیعت کرو، جواب دیا کہ بیعت لینے کا میں تم سے زیادہ مستحق ہوں میں تمہاری ہرگز بیعت نہ کروں گا خود تم کو چاہیئے کہ میری بیعت کرو، تم نے انصار سے خلافت اس دلیل سے لی ہے کہ تم کو رسولؐ خدا سے قرابت ہے جو ان کو حاصل نہیں تھی اور اب ہم اہلبیت سے یہ امر خلافت تم غصب کر کے لیے لے رہے ہو، کیا تم نے انصار سے سقیفہ میں یہ نہیں کہا تھا کہ تم بہ نسبت ان کے خلافت کے زیادہ مستحق ہو کیونکہ محمد تم ہی سے تھے اس دلیل کو مان کر انھوں نے امر خلافت تمہارے سپرد کر دیا اب میں تم پر وہی حجت قائم کرتا ہوں جو تم نے انصار پر قائم کی تھی' ہم رسولؐ اللہ کے ان کی حیات و ممات میں ولی و وارث ہیں پس اگر تم ایمان لائے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو ورنہ ظلم کرنے والوں کا جو انجام ہے وہ تمہیں معلوم ہے' یہ سن کر عمر نے کہا ہم تو تمہیں نہیں چھوڑیں گے جب تک بیعت نہیں کرو گے حضرت نے جواب دیا، تم دونوں تاقۂ خلافت کے تھن سے اپنے اپنے حصے کا دودھ نچوڑ لو، آج تم ان کے لیے امر خلافت مضبوط کر دو کل تمہارے لیے مضبوط کر جائیں گے۔" (کتاب الامامۃ والسیاستہ طبع قاہرہ صـ۹-۱۰)

خود خلیفۂ دوم عمر بن خطاب کو بھی اس کا اقرار ہے کہ علیؑ پر ظلم ہوا، جیسا کہ ابن ابی الحدید نے کتاب الموفقیات لابی عبد اللہ الزبیر بن بکار الزبیری قاضی مکہ (۱۷۲ ولادت ۲۵۶ وفات) کے حوالہ سے لکھا ہے'

عن عبد اللہ بن عباس قال انی لاماشی عمر بن الخطاب فی سکۃ من سکک المدینۃ

عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں کہ ایک دن میں اور حضرت عمر مدینہ کے ایک کوچہ میں جا رہے تھے کہ موصوف

اذقال لی یا ابن عباس ما اُری صاحبک الا مظلوماً فقلت فی نفسی واللہ لایسبقنی بھا فقلت یا امیرالمومنین فاردد الیہ ظلامتہ فانتزع یدہ من یدی ومضی یھمھم.....“

(ابن ابی الحدید جلد سوم ص۱۰۵ طبع مصر)

نے اس طرح گفتگو شروع کی، اے ابن عباس میرا خیال وا قعی یہی ہے کہ تمہارے صاحب (ابن عم) علیؑ پر ظلم ہوا، یہ سن کر عبداللہ ابن عباس نے دل میں کہا اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دوں گا، اس کے بعد زبان سے بولے، اے امیرالمومنین پھر آپ وہ شئے جو بظلم علیؑ سے چھینی گئی ہے وہ واپس کردیں یہ سن کر عمر نے میرے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ نکال لیا جو پہلے سے دیے ہوئے تھے اور تھوڑی دور کچھ گنگناتے ہوئے چلے“

صرف یہی نہیں بلکہ خلیفہ عمر کو اس کا بھی اقرار ہے کہ حضرت علیؑ ان کو اور ابوبکر دونوں کو کاذب، آثم، غادر، خائن سمجھتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم جلد دوم کتاب الجہاد والسیر باب حکم الفئی ص۹۱ مطبوعہ انصاری دہلی میں موجود ہے۔

خطبۂ شقشقیہ کو محققین اہلسنت قبول کرتے ہیں

غصب خلافت کی یہی وہ داستان ہے جس کو امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالب نے خطبۂ شقشقیہ میں بیان فرمایا ہے، اس خطبہ کو محققین اہل سنت قبول کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ علیؑ ہی کا کلام ہے، علامہ ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے استاد شیخ ابوالخیر مصدق بن شبیب واسطی نے ۶۰۳ھ میں بیان کیا کہ اُنھوں نے جب اپنے استاد شیخ ابومحمد عبداللہ بن احمد معروف بہ ابن خشاب[1] کے سامنے خطبہ شقشقیہ پڑھا تو ان سے دریافت کیا "اتقول انھا منحولۃ" کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ خطبہ صحیح نہیں ہے اور گڑھا ہوا ہے؟ ابن خشاب نے کہا "لا واللہ وانی لاعلم انھا کلامہ کما اعلم انک مصدق" لا واللہ! ایسا ہرگز نہیں ہے میں یقیناً یہ جانتا ہوں کہ یہ علیؑ ابن ابی طالب ہی کا کلام ہے، اس کا یقین مجھے اتنا ہی ہے جتنا اس بات کا کہ تم مصدق ہو" مصدق نے کہا "ان کثیراً من الناس یقولون انھا من کلام الرضی" لیکن بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ وہ خود سید رضی کا خود ساختہ انھیں کا کلام ہے، ابن خشاب نے جواب دیا۔

انی للرضی ولغیر الرضی ھذا النفس وھذا الاسلوب وقد وقفنا علی رسائل الرضی

بھلا رضی یا رضی کے علاوہ کسی اور کو کہاں یہ قدرت اور یہ طرز بیان میسّر، میں نے سید رضی کے رسائل و مصنفات

[1] اگرچہ ابومحمد عبداللہ بن احمد بن احمد بن عبداللہ بن نصر بن خشاب بغدادی مشہور بہ ابن خشاب متوفی ۵۶۷ھ کا شمار محدثین و مفسرین و ادباء کے طبقے میں کیا جاتا ہے لیکن ان پر فنون ادبیہ کا بہت زیادہ غلبہ تھا جس کی بنا پر ان کا شمار اعاظم ادباء میں کیا گیا ہے اور اس موضوع پر ان کے بہت سے مصنفات ہیں منجملہ ان کے، شرح جمل، شرح لمع، رد شرح جمل ابن بابشاذ، رد تہذیب اصلاح المنطق خطیب تبریزی، رد مقامات حریری وغیرذالک۔

وعرفنا طريقته وفنه في الكلام المنثور وما
يقع مع هذا الكلام في خل ولا خمر ثم قال
والله لقد وقفت على هذه الخطبة في كتب
صنّفت قبل ان يخلق الرضي بمائتي سنة
ولقد وجدتها مسطورة بخطوط اعرفها
واعرف خطوط من هي من العلماء و
اهل الادب قبل ان يخلق النقيب ابو احمد
والد الرضي۔"

کو دیکھا ہے ان کے طرز نگارش کو اچھی طرح پہچانتا
اور ان کے کلام منثور اور جو کچھ بھی اس میں اچھائی برائی
ہے سب کو جانچ چکا ہوں، رضی کے کلام کو اس کلام سے
کوئی تعلق ہی نہیں ہے، خدا کی قسم میں نے اس خطبہ
شقشقیہ کو ان کتابوں میں دیکھا ہے جو رضی کے پیدا
ہونے سے دو سو برس پہلے لکھی اور تصنیف کی گئی
ہیں اور میں نے اس کو ایسے علماء اور ادباء کے خطوط
سے لکھا پایا ہے جن کی تحریر کو میں پہچانتا ہوں علماء
وادباء کے ہاتھوں سے لکھا ہوا یہ خطبہ شقشقیہ اتنا قدیم العہد ہے کہ علامہ سید رضی تو کیا اس وقت ان کے باپ
نقیب ابو احمد بھی نہیں پیدا ہوئے تھے۔"

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد خود ابن ابی الحدید کہتے ہیں:

قلت وقد وجدت انا كثيرا من هذه
الخطبة في تصانيف شيخنا ابي القاسم البلخي
امام البغداديين من المعتزلة وكان في
دولة المقتدر قبل ان يخلق الرضي بمدة
طويلة ووجدت ايضا كثيرا منها في كتاب
ابي جعفر بن قبّه احد متكلمين الاماميّة
وهو الكتاب المشهور المعروف بكتاب الانصاف
وكان ابو جعفر هذا من تلامذة الشيخ ابي القاسم
البلخي ومات في ذالك العصر قبل ان يكون الرضي
موجودا۔

میں نے اس خطبہ کے اکثر حصے کو اپنے شیخ ابو القاسم
بلخی کی تصانیف میں دیکھا ہے جو سید رضی کی پیدائش سے
بہت پہلے مقتدر باللہ العباسی کے عہد میں تھے اور معتزلہ
بغداد کے امام تھے، نیز اس خطبے کے اکثر اجزا کو ابو جعفر
ابن قبّہ کی کتاب الانصاف میں دیکھا ہے، یہ ابو جعفر
فرقۂ امامیہ کے متکلم تھے اور شیخ ابو القاسم بلخی کے
شاگردوں میں سے تھے اور سید رضی کے عالم وجود
میں آنے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو چکا تھا۔"

(ابن ابی الحدید جلد اول صفحہ ۶۹ طبع مصر)

علامہ شیخ کمال الدین ابن میثم اپنی شرح میں لکھتے ہیں:

لقد وجدت هذه الخطبة في موضعين
تاريخهما قبل مولد الرضي بمدة احدهما
انها مضمنة كتاب الانصاف لابي جعفر ابن
قبّة تلميذ ابي القاسم الكعبي احد شيوخ
المعتزلة وكانت وفاته قبل مولد الرضي لثا

میں نے خطبۂ شقشقیہ کو دو جگہوں پر پایا جن کی تاریخ
کتابت سید رضی کی ولادت سے بہت پہلے کی تھی، ایک
تو کتاب الانصاف ابو جعفر بن قبہ میں جو ابو القاسم بلخی
شیخ المعتزلہ کے شاگرد تھے اور جن کی وفات سید رضی کی
ولادت سے پہلے ہو چکی تھی دوسرے میں نے ایک صحیفے

وجدتها بنسخة عليها خط الوزير ابی الحسن علی بن محمد بن الفرات وکان وزیر المقتدر باللہ وذالک قبل مولد الرضی بنیف وستین سنة، قال والذی یغلب علی ظنی ان تلک النسخة کانت کتبت قبل وجود ابن الفرات بمدة۔"	نسخہ میں دیکھا جس پر ابن الفرات وزیر مقتدر باللہ خلیفہ عباسی کا خط تھا جو کچھ اوپر ساٹھ برس قبل سید رضی کے لکھا ہوا تھا اور گمان غالب یہ ہے کہ وہ نسخہ ابن فرات کے وجود سے ایک مدت پیشتر کا لکھا ہوا تھا۔

(شرح ابن میثم ص۲۵۲ طبع ایران)

شیخ ابو جعفر ابن بابویہ القمی المتوفی ۳۸۱ھ نے کتاب علل الشرائع باب العلۃ التی من اجلہا ترک الناس علیاً" میں اور" کتاب معانی الاخبار باب معانی خطبۃ امیر المومنین" میں دو مختلف اسناد سے جو عکرمہ عن ابن عباس تک منتہی ہوتا ہے خطبۂ شقشقیہ کو روایت فرمایا ہے، آخر الذکر کتاب معانی الاخبار کا ایک نسخہ جو بحیات مصنف ۳۳۱ھ کا لکھا ہوا تھا جناب سید علی بن طاؤس صاحب کتاب الطرائف کی نظروں سے گزرا ہے[۱] اور سید علی بن طاؤس نے خطبۂ شقشقیہ کو اپنی کتاب الطرائف میں جناب ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن سعید بن ہلال الثقفی کی کتاب الغارات سے نقل کیا ہے،

علامہ ابو ہلال العسکری متوفی ۳۸۲ھ نے بھی اپنی کتاب مواعظ وزواجر میں خطبۂ شقشقیہ کو نقل کرکے اس کی شرح کی ہے، یہاں تک کہ خود سید رضی کے عہد کے مشہور متکلم اہلسنت قاضی القضاۃ عبد الجبار صاحب المغنی معاصر شریفین مرتضیٰ و رضی نے خطبۂ شقشقیہ کو قبول کرکے اس کے معنوں میں تاویل کی ہے جس کا جواب سید مرتضیٰ نے کتاب شافی میں دیا ہے جو کتاب المغنی کی رد ہے (کتاب الشافی صفحہ ۲۱۴، ۲۱۵، طبع ایران) ابو سعید منصور بن الحسین الابی الوزیر المتوفی ۴۲۲ھ نے اپنے مصنفات نثر الدرر ونزہتہ الادب میں خطبۂ شقشقیہ کو نقل کیا ہے۔

ابو الفضل احمد بن محمد بن ابراہیم الادیب النیشاپوری المتوفی ۵۳۹ھ نے کتاب مجمع الامثال میں خطبۂ شقشقیہ کا اعتراف کیا ہے کہ امیر المومنینؑ کا کلام ہے۔

ابو السعادت مبارک مجد الدین ابن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ نے کتاب النہایہ فی غریب الحدیث میں بذیل مقامات، بہ مندرجۂ ذیل لغات کے ضمن میں خطبۂ شقشقیہ کا اعتراف کیا ہے" (۱) جذ (۲) جذ (۳) شنق (۴) سفف (۵) نفج (۶) خضم (۷) ربض (۸) حلا (۹) زبرج (۱۰) خلق (۱۱) نسم (۱۲) عفط (۱۳) عطف

[۱] معانی الاخبار کا ایک قلمی نسخہ حقیر کے پاس ہے جو ۱۰۹۵ھ کا لکھا ہوا ہے اور جس کا کاتب محمد معصوم بن محمد صالح دیاوندی ہے اس نسخہ کے ورق ۱۶۶ سے ورق ۱۶۸ تک خطبۂ شقشقیہ بروایت عکرمہ عن ابن عباس مع شرح بعض لغات موجود ہے۔ سبط الحسن

(۱۴) شقشق (۱۵) نشل۔

علامہ سبط ابن الجوزی الحنفی المتوفی ۶۵۴ھ نے اپنی کتاب خواص الامہ میں ابوالقاسم الانباری کے اسناد سے جو عکرمہ بن عباس تک منتہی ہوتا ہے خطبۂ شقشقیہ کو بہ تمام وکمال نقل کیا ہے (تذکرہ خواص الامہ صفحہ ۷۳، ۱۴، طبع ایران)

علاء الدولہ علاء الدین ابوالمکارم احمد بن محمد السمنانی المتوفی ۷۳۶ھ نے بھی اپنی کتاب عروۃ الوثقیٰ میں خطبۂ شقشقیہ کا اعتراف کیا ہے۔

محدث لغوی مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۶ھ نے کتاب قاموس میں بضمن لغت شقشقیہ اس کا اعتراف کیا ہے کہ یہ خطبہ امیرالمومنین علیہ السلام کا ہے۔

"شقشقۃ بالکسر شیٔ کالرئۃ یخرجہ البعیر من فیہ اذا هاج والخطبۃ الشقشقیۃ العلویۃ لقولہ لابن عباس رضی اللہ عنہ لما قال لہ لو اطردت مقالتک من حیث افضیت یا ابن عباس ھیھات تلک شقشقۃ ھدرت ثم قرت"

شقشقیہ ایک شئے ہے جو غصہ وہیجان کے وقت اونٹ کے منہ سے باہر آتا ہے اور حضرت علیؑ کا خطبہ شقشقیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ جب ابن عباس نے آپ سے خواہش کی ہے کہ آپ اپنے کلام کو جاری کیجیے اس مقام پر سے جہاں تک پہونچا تھا تو آپ نے ابن عباس سے فرمایا تھا، اب کہاں اے ابن عباس وہ تو ایک شقشقہ یعنی جوش کا نتیجہ تھا، جو بلند ہوا اور اب ختم ہو گیا۔"

علامہ محمد طاہر فتنی حنفی گجراتی متوفی ۹۸۶ھ نے بھی اپنی کتاب مجمع البحار میں بضمن لغات متذکرہ نہایہ ابن اثیر جن کو ابھی درج کر چکا ہوں اس خطبہ کو کلام امیرالمومنین ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

قاضی القضات شہاب الدین احمد الخفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ خطبۂ شقشقیہ کو امیرالمومنین کا کلام تسلیم کرتے ہوئے اس کی عبارت کو بطور استشہاد پیش کرتے ہیں چنانچہ موصوف نے شرح درۃ الغواص میں حریری کے اس اعتراض کو کہ "بینا" کے ساتھ "اذا" و "اذ" کا استعمال صحیح نہیں ہے علم نحو و محاورات عرب سے غلط ثابت کیا ہے اور اپنی تائید میں شعراء و فصحائے عرب و حدیث بلکہ خود معترض کے کلام "مقامات" سے شواہد پیش کیے ہیں اسی ضمن میں علامہ خفاجی نے خطبہ شقشقیہ کے ایک جملہ کو بھی مقام استشہاد میں پیش کیا ہے جس میں "اذ" جواب "بینا" کی حیثیت سے وارد ہوا ہے خفاجی لکھتے ہیں۔

وفی الحدیث بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ اتانا رجل وفی کلام امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ بینا ھو یستقیلھا فی حیاتہ اذ عقدھا لاخر بعد وفاتہ (شرح درۃ الغواص فی اوہام الخواص صفحہ ۹ مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۲۹۹ھ)۔

علامہ خفاجی کہتے ہیں، اور حدیث میں یہ فقرہ موجود ہے۔ "بینما نحن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تانا رجل" اور امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ کے کلام میں یہ جملہ بھی موجود ہے "بینما ھو یستقیلھا فی حیاتہ اذعقدھا لاخر بعد وفاتہ" خفاجی جس کلام امیرالمومنین میں اس جملہ کا وارد ہونا بتلا رہے ہیں، وہ خطبۂ شقشقیہ ہے چنانچہ اس خطبہ میں یہ جملہ انھیں لفظوں میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو نہج البلاغہ خطبہ مذکورہ ترجمہ اس جملہ کا یہ ہے، یا تو وہ (خلیفہ اول) اپنی زندگی ہی میں اپنی لغزشوں سے سنبھلنے کے لیے دوسروں کی مدد چاہتے تھے یا یہ ہوا کہ وہ خلافت کو اپنی موت کے بعد دوسرے شخص (عمر) کے لیے مضبوط کر گئے۔"

تمام شارحین اہل سنت قبول کرتے ہیں کسی نے انکار نہیں کیا

کہاں تک شواہد پیش کیے جائیں مختصر یہ ہے

کہ تذکرہ بالا علماء اہل سنت کے علاوہ تمام وہ شارحین نہج البلاغہ جو علمائے اہل سنت سے ہیں وہ سب خطبۂ شقشقیہ کو قبول کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ امیرالمومنینؑ کا کلام بلاغت نظام ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اس کے معنوں میں توجیہ وتاویل کریں یا بغیر کچھ اظہار رائے کیے ہوئے ناظرین کے ذمہ چھوڑیں کہ وہ اخبار وتاریخ کی روشنی میں باصول درایت خود صحیح نتیجہ اخذ کریں جیسا کہ مفتی محمد عبدہ مصری نے کیا ہے، چنانچہ وہ اپنی شرح کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

ولم اتعرض لتعدیل ما ودی عن الامام فی مسئلۃ الامامۃ او تجریحہ بل ترکت للمطالع بحکم فیہ بعد الالتفات الی اصول المذاھب المعلومۃ فیھا والاخبار الماثورۃ الشاھدۃ علیھا۔"	اور امام علیہ السلام سے مسئلہ امامت وخلافت کے سلسلہ میں جو کچھ نہج البلاغہ میں ہے اس کی جرح وتعدیل کی طرف میں نہیں متوجہ ہوا ہوں بلکہ اس کا فیصلہ ناظرین پر محول کرتا ہوں وہ خود ہی اصل موضوع کے مسلمات و طرق اصول کی روشنی میں اور احادیث وتاریخ کی شہادت پر

اس کا صحیح فیصلہ کریں۔ (شرح محمد عبدہ مقدمہ شارح صک طبع مصر)

ملا یعقوب لاہوری شرح تہذیب الکلام میں لکھتے ہیں:۔

ولا ینبغی لاحد ان ینسب ھذا الکلام الی رجل شیعی وماذکر فیہ من بعض الالفاظ الموھم بخلاف اھل السنۃ فعلی تقدیر ثبوتہ لہ محامل وتاویلات۔"	کسی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ ایسے کلام کو کسی شیعہ کی جانب نسبت دیدے، رہا یہ امر کہ اس میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو سنی عقائد کے خلاف ہیں اور ان سے مذہب اہل سنت کی مخالفت کا وہم پیدا ہوتا ہے تو یہ

کوئی ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے یہ کہا جاوے کہ یہ حضرت علی کا کلام نہیں ہے ان کو بہ تقدیر تسلیم مختلف توجیہات و تاویلات سے درست ثابت کیا جا سکتا ہے۔"

علامہ محمد محی الدین عبد الحمید الاستاذ فی کلیۃ العربیہ بالجامع الازہر نے بھی اپنی شرح نہج البلاغہ (مطبوعہ مطبعۃ الاستقامۃ مصر) کے مقدمہ میں ان تعریضات اور سخت الفاظ وفقرات کو جو خلفاء ثلثہ اور دوسرے اصحاب کے خلاف آپ کے خطب میں وارد ہوئے ہیں صراحت کے ساتھ نہ صرف ان کو قبول فرمایا ہے بلکہ یہ ثابت کیا ہے کہ یہ امیر المومنین ہی کا کلام ہے، موصوف کی اصل تقریر کو ناظرین آئندہ کے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔"

چوتھا شبہہ

نہج البلاغہ کے خطبوں میں ایسے بلند افکار و مضامین فلسفیانہ و علم کی بحثیں ہیں جن کا وجود اس عہد میں نہ تھا خصوصاً عہد نامہ مالک اشتر، اس عہد نامہ کا ایک نسخہ جو ۸۵۸ھ کا لکھا ہوا ہے اور جو سلطان بایزید دوم (متوفی ۱۰۱۲ھ) کے پاس تھا دستیاب ہوا ہے، یہ نسخہ نہج البلاغہ والے عہد نامہ مالک اشتر سے مختصر و مختلف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سید رضی نے عہد نامہ میں اضافہ کر دیا ہے درحقیقت ان دونوں نسخوں کی اصل کو اگر ہم اس کو حضرت علیؑ سے تسلیم بھی کریں تو وہ بہت مختصر اور چند سطروں میں ہوگا۔

مضمون کے اعتبار سے طاہر بن الحسین نے جو عہد نامہ اپنے بیٹے عبد اللہ کو لکھا یہ عہد نامہ مالک اشتر کے مطابق ہے اس لیے یہ دونوں ایک ہی زمانہ کے معلوم ہوتے ہیں! نہ کہ حضرت علیؑ کے عہد کا۔

جواب

معترض کا یہ اعتراض اسلام ناشناسی کی دلیل ہے، اسلام نے غور و فکر کی دعوت دی ہے" تدبر و تفکر کرنے کو وہ عبادت بتلاتا ہے وہ عقل ہی کو صداقت مذہب کا معیار بتلاتا ہے۔

مفکر مکان و زمان کے قید و بند سے آزاد ہوتا ہے اور نہ فطرت کی بخششیں اس کو فیض پہچانے میں بخل کرتی ہیں، یہ فلسفہ و حکمت کیا ہے؟ غور و فکر کرنے والے انسان کا ایک فطری کمال ہے، علامہ ابن خلدون نے فلسفہ کی یہی تعریف کی ہے۔

ھی طبیعۃ للانسان من حیث انہ ذو فکر۔	فلسفہ بحیثیت اس کے کہ انسان صاحب فکر ہے اس کی فطرت میں داخل ہے۔

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ علیؑ ابن ابی طالب سب سے پہلے مفکر اسلام تھے، ایک مفکر میں جن فطری خصوصیات و صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے وہ علیؑ ابن ابی طالب میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں پھر پیغمبر اسلام کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ہی ساتھ ان کے علم کے آپ حامل و محافظ بھی تھے جس کا اقرار تمام

مسلمانوں کو ہے، اس لیے امیر المومنین علیؑ کے آثار فکر و علم پر شک کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، جبران خلیل جبران مسیحی عرب مفکر نے جن الفاظ میں علیؑ کی عظمت فکر و علم کا اعتراف کیا ہے اس کو کسی دوسری جگہ پر نقل کر چکا ہوں، لیکن اس مسیحی مفکر کے چند جملوں کو پھر دہرا دوں وہ کہتا ہے۔

كان اول عربي لازم الروح الكلية وجاورها وسامرها وهو اول عربي تناولت شفتاه صدى اغانيها على مسمع قوم لم يسمعوا بها من ذي قبل فلم يعرف العرب حقيقة مقامه ومقداره حتى قام من جيرانهم الفرس يدركون الفارق بين الجواهر والحصى مات قبل ان يبلغ العالم رسالته كاملة وافية مات شان جميع الانبياء الباصرين الذين ياتون الى بلد ليس ببلدهم والى قوم ليس بقومهم في زمن ليس بزمنهم۔"

حضرت سب سے پہلے وہ عرب ہیں جن میں روح اعظم پائی جاتی ہے اور سب سے پہلے عربی ہیں جن کے لب و دہن سے ایسے پاکیزہ روحانی نغمے سنے گئے کہ اس سے پہلے عربوں نے ان نغموں کو کبھی نہیں سنا تھا" "عرب آپ کی حقیقی منزلت اور مرتبہ کو نہ جان سکے حتی تک کہ عربوں کی ہم جوار قوم ایرانیوں نے بڑھ کر جواہرات اور کنکر پتھر میں امتیاز نہ پیدا کر دیا" قبل اس کے کہ علیؑ کی تعلیمات دنیا میں ہمہ گیر ہوتی آپ کو موت آ گئی علیؑ پیغمبروں کی شان سے موت سے بغل گیر ہوئے، جو بظاہر کسی ایسے شہر، قوم اور زمانہ میں پیدا ہوئے تھے جو ان کے لیے نہ تھا۔

اسلام کے سب سے پہلے مفکر علیؑ نے استدلال عقلی سے کام لیا

علیؑ کے خطبات میں اگر حکیمانہ خیالات و علم کلامی کی بحثیں ہیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے علیؑ بن ابی طالب خود ایک زبردست حکیم و مفکر تھے، جو اسلامی عقائد کو دلائل عقلیہ کی روشنی میں دنیا کے سامنے پیش فرماتے تھے، یہ کلام کیا ہے؟ ابن خلدون مغربی بتلاتے ہیں کہ علم کلام "الحجاج عن العقائد الايمانية بالادلة العقلية" کا نام ہے، عربوں کی علمی و ادبی تاریخ کو پڑھیے، اس سے معلوم ہو جائے گا کہ علی بن ابی طالب ہی کی وہ ذات ہے جس نے سب سے پہلے عقائد اسلامی کا دفاع دلائل عقل سے فرمایا ہے، لیکن اموی ذہنیت رکھنے والے علیؑ کے مخالفین جب یہ دیکھتے ہیں کہ اس سے علیؑ کی بلند شخصیت بحیثیت محافظ اسلام سب سے بلند و برتر نظر آتی ہے تو وہ انکار کرنے کے لیے مختلف گوشے پیدا کرتے ہیں اور کبھی کبھی مخالف اسلام یورپ کے بل بوتے پر فرضی دلائل کی ایک عمارت بنا لیتے ہیں، چنانچہ اسی علم کلام کے لیے یہ ادعا کیا جاتا ہے کہ دراصل یہ عربوں یا مسلمانوں کے ابتکارات میں سے نہیں ہے، ڈکٹر فی الفلسفہ عمر فروخ اپنی کتاب "عبقرية العرب في العلم والفلسفة" میں لکھتے ہیں:۔

وقد تعود نفر من الشرق والغرب ان تضيق صدورهم كلما رأوا للعرب فضلاً

بعض شرق و غرب کے لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب وہ عرب کی کسی فضیلت و فضل کو دیکھتے ہیں تو ان کا سینہ اس

وفضيلةً فكانوا اذا الفوا للعرب ابتكاراً او عبقرية نسبوها الى الامم السالفة او الشعوب المجاورة وكذالك فعلوا بعلم الكلام فزعموا مرة ان لفظ "كلام" ماخوذة من اللفظ اليوناني المسيحي "لوغوس" بمعنى الكلمة، وان التركيب الاضافي "علم الكلام" ماخوذ من تعبير ورد عند افلاطون هو "ديالكتيكة" بمعنى المساجلة والجدل، ثم زعموا اخرى ان علم الكلام نشا من احتكاك المسلمين بنصارى سوريه و بما كان عندهم من علم اللاهوت۔"

سے تنگی کرنے لگتا ہے، اسی لیے وہ عربوں کی علمی وفنی عبقریت وابتکار کو گذشتہ امتوں یا جو عربوں کی قرب جوار میں قومیں آباد ہیں ان کی طرف منسوب کر دیا کرتے ہیں، ایسے ہی ان لوگوں نے علم کلام کے لیے بھی کیا، کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ "کلام" یونانی ومسیحی لفظ "لوگوس" سے ماخوذ ہے۔

اور "علم الکلام" میں جو ترکیب اضافی ہے وہ ماخوذ ہے، لفظ ڈائی لاگ سے جس کو افلاطون نے مساجلہ وجدل کے معنوں میں استعمال کیا ہے، کبھی یہ ادعا کرتے ہیں کہ شامی عیسائیوں سے جب مسلمانوں کا میل جول ہوا اس وقت مسلمانوں میں علم کلام عالم وجود میں آیا کیونکہ ان عیسائیوں میں علم لاہوت کا وجود تھا۔ (عبقریۃ العرب ص۲۹ مطبوعہ مطبعۃ دار الیقظہ دمشق)

غرض کہ ان خیالات ومزعومات کی آڑ لے کر منکرین و مشککین "علیؑ بن ابی طالب" کی اس عظمت کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو "نہج البلاغہ" سے پیدا ہوئی ہے، لیکن یہ مزعومات محققین کے نزدیک کچھ حقیقت نہیں رکھتے ہیں، خود "دکتور عمر فروخ" نے بھی اس حقیقت کو ظاہر کیا ہے کہ علم کلام خالص عربوں کا علم ہے اور رسول اللہ صلعم کے زمانہ ہی میں اس کا بیج بویا گیا وہ لکھتے ہیں:۔

اما نشاة علم الكلام نفسها فكانت نشأة اسلامية خالصة، وكانت مظهراً من عبقرية العرب يجب ان يشار اليها في كل حين، ومن البذور الاولى التي يرجع اليها علم الكلام مارواه الطبري في تفسيره (۱۳ : ۷۳–۷۴) من ان رسول الله ارسل يدعو رجلاً من فراعنة العرب فقال ذالك الرجل أرسول الله! وما الله؟ أمن ذهب هو او من فضة او من نحاس؟ وذالك قبل ان يخرج الاسلام من شبه جزيرة العرب وقبل ان يحتك بالامم المجاورة بل قبل ان

در اصل علم کلام کی پیدائش خالص اسلامی ہے اور یہ علم عربوں کی عبقریت کا ایک مظہر ہے جس کی طرف ہر زمانہ میں متوجہ کرنا ضروری ہے، اور ابتدائی بیج جو اس علم کی تولید کا باعث ہوا وہ رسول اللہ کے زمانہ ہی میں پڑا جیسا کہ طبری نے اپنی تفسیر (جلد سیزدہم صفحہ ۷۳، ۷۴) میں روایت کی ہے کہ حضرت پیغمبر نے اپنی دعوت اسلام ایک ایسے شخص تک پہونچائی جو فراعنہ عرب سے تھا، اُس نے پیام اسلام کو سُن کر کہا، خدا کا رسول! کیسا ہے اور یہ اللہ کیا ہے؟ سونے کا، چاندی کا، پیتل کا، آخر کاہے کا ہے؟ آپ نے اس سوال وجرح کو دیکھا یہ سوال اس وقت کیا گیا ہے جب اسلام کے قدم جزیرہ نمائے عرب

يسمح له او يخطر له ان يحتك بغيره ثم انا نجد فى القرآن الكريم جميع القضايا التى تألف منها علم الكلام فيما بعد كالقضاء والقدر ورؤية الله يوم القيامة وان القرآن كلام الله وتعدد صفات الله مما يقطع بان هذه القضايا عرضت للعرب منذ اول عهدهم بالاسلام وان الآيات التى وردت فيها هذه القضايا كانت ردًا على اسئلة وجهها العرب فى اثناء حياة الرسول نفسه او تحدثوا بها فيما بينهم" والاسلام دين يدعو الى الاستدلال بالعقل على ان كثيرًا مما ورد فيه ورد مجملًا يحتاج الى تفصيل فصله الحديث والسنة ثم ان القرآن الكريم نفسه نزل باللغة العربية فجرى على اساليب العرب فى المجاز والكناية والتشبيه والاستعارة فى سائر اوجه البلاغة فرب لفظ لو عدل به قارئه عن ظاهره لبطل معناه"

الا ان هنالك آيات يجب فيها التاويل يجب الا يأخذ القارى بظاهرها والا اخطأ المراد منها وخرج به ذالك الى البدعة والفسق والكفر هذه الآيات ليست قليلة فى القرآن الكريم من ذلك كله آية الاستواء " ثم على العرش استوى" او كما وردت فى صيغة اوضح " الرحمن على العرش استوى" فلو اننا اعتبرنا الاستواء هنا على العرش

سے باہر نہیں نکلے تھے اور ابھی قرب و جوار کی قوموں سے اس کا میل ملاپ نہیں ہونے پایا تھا۔ بلکہ ابھی اسکے لئے یہ بھی نہیں سونچا جا سکتا تھا کہ اس کے دوسری قوموں سے تعلقات ہوں گے، اس کے علاوہ ہم علم کلام کے تمام وہ مسائل جن سے اس علم کی تدوین ہوئی ہے۔ جیسے قضاء و قدر، رویت باری، قرآن کا کلام خدا ہونا تعداد صفات خدا، یہ سب قرآن میں پائے جاتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے زمانے ہی میں عربوں کو ان مسائل سے مقابلہ پڑا تھا۔ اور وہ آیات جن میں ان مسائل کا ذکر ہے دراصل یہ جوابات ہیں ان سوالات کے جو رسول اللہ کی زندگی میں خود آنحضرت سے کئے گئے تھے یا خود ان عربوں میں یہ مسائل معرض بحث میں تھے اور قرآن نے اس پر روشنی ڈال کر صاف واضح کیا۔" اسلام ایک ایسا دین ہے جو استدلال عقلی کی دعوت دیتا ہے۔ اور اسی طرح قرآن میں بہت کچھ اجمال سے کام لیا گیا ہے جس کی تفسیر و تفصیل حدیث و سنت سے ہوتی ہے علاوہ ازیں قرآن زبان عرب میں انھیں اسالیب کلام و وجوہ بلاغت کی پابندی کے ساتھ نازل ہوا ہے جو عربوں میں موجود تھا۔ مثلاً مجاز و کنایہ، تشبیہ و استعارہ، سب کچھ اس میں پایا جاتا ہے۔ بہت سے ایسے الفاظ ہیں کہ اگر ان کے ظاہری مدلول سے تجاوز کیا جاوے تو معنی غلط ہو جائیں، لیکن بہت سے ایسے بھی مقامات ہیں جہاں ظاہری معنی سے تجاوز کر کے تاویل کرنا ضروری ہے ورنہ مراد قرآن کے سمجھنے میں صرف خطا ہی نہیں بلکہ بدعت و کفر و فسق

کاستواء الملوک علی عروشها اخرجنا الی تشبیه الله بالناس والی ان العرش یحتوی الله ونقد اشار الامام علی الی ذالک صراحة فی اثناء خطبه الاولی فی نهج البلاغة عند الکلام علی تنزیه الله فقال "ومن قال علی م؟ فقد اخلی منه ومعنی ذالک اننا اذا قبلنا ظاهر المعنی من الایة لزمنا ان نعتقد ان الله فوق العرش فقط ولیس ایضا عن یمینه و یساره و تحته" (عبقریة العرب صفحہ ۳۰ و صفحہ ۳۷)

کی حد تک پہونچنا پڑے گا، اس قسم کے آیات قرآن میں کم نہیں ہیں جن میں تاویل ضروری ہے منجملہ ان کے آیت استوا ہے "ثم استوی علی العرش" یا "الرحمن علی العرش استوی" کیونکہ اگر ہم یہاں پر "استوی" کے وہی معنی لیں جس طرح ملوک اپنے تخت پر بیٹھتے ہیں "کاستواء الملوک علی عروشها" تو ہم خدائے پاک و برتر کو انسانوں کے مشابہ کر دیں گے، اور یہ کہ عرش خدا کو گھیرے ہوئے ہے، اسی امر کی طرف حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ میں اشارہ فرمایا ہے جس میں آپ نے خدا کی تنزیہ کو بیان فرمایا ہے "اور جس نے کہا کہ خدا کس چیز پر ہے تو اس نے گویا اس جگہ کے علاوہ دوسرے مقام کو اس سے خالی کر دیا" اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اگر آیۃ استوی کے ظاہر معنی کو مراد لیں تو پھر خدا عرش ہی پر رہ گیا اور اس کے سوا کہیں نہیں۔"

علیؑ بالطبع منطقی تھے ارسطو کی منطق کے محتاج نہ تھے

عمر فروخ و کتور فی الفلسفہ کی تقریر سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ علم کلام کی پیدائش ابتدا عہد اول میں ہو چکی تھی اور امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب کے خطبات میں علم کلام کی بحثیں موجود ہیں وہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ نہج البلاغہ میں جو پہلا خطبہ تنزیہ باری و خلقت زمین و آسمان کے متعلق ہے وہ حضرتؑ ہی کا خطبہ ہے اور یہی اصل مطلوب ہے جس کو اس محل پر میں ثابت کر رہا ہوں اسی خطبہ کے متعلق مشککین یہ وہم کرتے ہیں کہ اس میں منطقیانہ انداز استدلال ہے اور اس میں علم کلام کے مسائل ہیں، یہ مشککین اس کو تو دیکھتے ہیں لیکن اس طرف نہیں متوجہ ہوتے کہ خود علم منطق کی ایجاد سے پہلے ایک مفکر صحیح استدلال کرتا تھا اور انھیں اصول کو دیکھ کر جو صاحبان فکر استعمال کرتے تھے علم منطق اس قابل ہوا ہے کہ صحیح استدلال کے شرائط مقرر کرے، ترتیب مقدمات جو اصطلاح میں صغری و کبری کہلاتے ہیں اور اس سے نتیجہ اخذ کرنا" یہ فطرت مستقیمہ و فکر صحیح رکھنے والا انسان برابر کرتا رہتا ہے، اس کا تعلق اکتساب فن سے نہیں ہے محتاج فن تو وہ ہیں جو استخراج نتائج کی فطری صلاحیت نہ رکھتے ہوں لیکن جو فطری صلاحیت کی بنا پر بالطبع منطقی واقع ہوئے ہیں وہ اس فن کے محتاج نہیں ہوتے، یورپ کا مشہور مفکر و بلند مرتبہ مصنف لاک (LOCKE) نے کیا خوب بات کہی ہے کہ "ایسا بھی کیا غضب ہے کہ خدا انسان کو فقط دو پیر والا جانور بنا کر چھوڑ دیتا اور ان کو دانشمند بنانے کا کام ارسطو (موجد منطق) کے سپرد کرتا۔"

سب سے پہلے علیؑ ہی نے مسائل توحید کو علمی انداز میں بیان فرمایا

علیؑ بن ابی طالب کے

خطبات واقوال پر نظر کرو تو معلوم ہو گا کہ وہ ایک ایسے مفکر ہیں جو اپنی فطرت مستقیمہ سے بالطبع منطقی واقع ہوئے ہیں علیؑ کے ہر کلام میں منطقیانہ استدلال پایا جاتا ہے عام اس سے کہ آپ کا کلام کسی موضوع سے کیوں نہ متعلق ہو در اصل یہ علیؑ بن ابی طالب ہی ہیں جنھوں نے سب سے پہلے مسائل توحید کو علمی انداز سے دلائل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

خلفاء نے مطالب قرآن پر غور و فکر سے روکا

ڈاکٹر عمر فروخ کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن میں بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں تاویل بہت ضروری ہے، لیکن اس کے باوجود اصحاب و تابعین میں بکثرت ایسے لوگ ملتے ہیں جو تاویل و درایت و عقل سے کنارہ کش ہو کر ظاہر معنی کو مراد لیتے ہیں اور خدا کی تجسیم اور اس کی رویت کے قائل ہو جاتے ہیں، دراصل یہ نتیجہ ہے اس کا کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد لوگوں کو سختی کے ساتھ قرآن کے معانی و مطالب کو سمجھنے سے روکا گیا تھا۔

جو قرآن کے مطالب کو سمجھنا چاہتا تھا اس کو سزا دی جاتی

چنانچہ خلیفہ دوم کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص صبیغ نامی مدینہ آیا اور آیات متشابہات قرآنی کے متعلق معلومات بہم پہونچانا چاہیں یہ خبر جب حضرت عمر کو ہوئی تو آپ نے اسے بلا بھیجا اور پہلے سے اس کے لئے سنٹیاں فراہم کر لی تھیں اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا خدا کا بندہ صبیغ ہوں یہ سنتے ہی آپ نے سنٹی اٹھائی اور دھڑا دھڑ مارنا شروع کیا اور فرماتے جاتے تھے کہ تو خدا کا بندہ صبیغ ہے اور میں خدا کا بندہ عمر ہوں اسے اتنا مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور خون جاری ہو گیا، اس نے کہا کہ اے امیر المومنین بس کیجیے اپنی سزا کو پہونچ گیا، اسی روایت کو دوسرے عنوان سے نافع مولی عبداللہ نے بیان کیا ہے اور اس میں یہ ہے کہ اتنا مارا کہ صبیغ کی پشت لہولہان ہو گئی پھر اسے چھوڑ دیا اور اتنے دنوں انتظار کیا کہ زخم پشت اچھے ہو جائیں اور پھر بلا کے مارنا شروع کیا پھر بیٹھ زخمی ہوئی پھر چھوڑا، پھر زخم اچھے ہوئے پھر بلایا تو صبیغ نے کہلا بھیجا کہ اگر مجھے آپ قتل ہی کرنا چاہتے ہیں تو قتل جمیل کا حکم دیجیے اس روز روز کی زد و کوب سے نجات پاؤں اور اگر بلا کے میرے زخم دیکھنے ہیں تو اب میں اچھا ہو گیا ہوں، خیر حضرت عمر نے درگذر کیا اور اسے اس کے وطن جانے کی اجازت دے دی مگر ابو موسیٰ اشعری کو جو اس سرزمین کے گورنر تھے حکم بھیج دیا کہ اس شخص کا جس کا نام صبیغ ہے بائیکاٹ کیا جاوے اور کوئی شخص اس کے پاس نہ اٹھے بیٹھے اور نہ اس سے راہ و رسم رکھی جائے سائب بن یزید روایت کرتے ہیں کہ صبیغ کے متعلق لوگوں نے خلیفہ عمر کو اطلاع دی کہ وہ بصرہ سے آیا ہے اور تفسیر قرآن لوگوں سے پوچھا کرتا ہے، آپ نے بہ غیظ و غضب فرمایا، اے اللہ ایسا کر کہ صبیغ میرے ہاتھ لگے اور میں اس پر قابو پا جاؤں، چنانچہ ایک روز صبیغ عمامہ و عبا پہنے ہوئے آ گیا اس وقت لوگ

کھانا کھا رہے تھے یہ بھی دسترخوان پر بیٹھ گیا جب کھانے سے فارغ ہوا تو حضرت عمر کے مہمان صبیغ نے کہا اے امیر المومنین یہ تو بتلایئے "قرآن میں" "والذّٰریات ذروًا فالحاملات وقرًا" کے کیا معنی ہیں اور اس کا کیا مطلب ہے، یہ سُن کر آپ نے فرمایا وائے ہو تجھ پر تو وہی ہے (اچھا لے بتائے دیتا ہوں) یہ کہہ کر آپ نے آستین چڑھائی اور اس پر کوڑوں کا مینہ برسانے لگے، یہاں تک کہ اس کا عمامہ سر سے اتر گیا اور اس کی دو زلفیں لہرانے لگیں، آپ نے کہا کہ اگر تیرا سر منڈا ہوتا تو تجھے قتل کیے بغیر نہ چھوڑتا جب وہ ادھ مرا ہو گیا تو اسے ایک مکان میں بند کرا دیا اور روزانہ اس کو نکال کر سو کوڑے مارا کرتے تھے پھر اسے پالان شتر پر بٹھا کے بصرہ بھیج دیا اور ابو موسیٰ کو حکم دیا کہ اس سے کوئی بات چیت نہ کرے اور اس کا بائیکاٹ کیا جائے اور کبھی یہ کوئی خطبہ کسی مجمع میں نہ پڑھنے پائے چنانچہ یہی کیا گیا باوجودیکہ وہ سردار قبیلہ تھا لیکن کس مپرسی میں مرا۔"

(سنن الدارمی جلد ۱ ص ۵۴، ۵۵ تاریخ ابن عساکر اتقان السیوطی جلد ۲ ص ۵ کنز العمال جلد ۱ ص ۲۲۸، ۲۲۹ نقلاً عن الدارمی و نصر المقدسی و الاصبہانی و ابن الانباری و اللالکائی و ابن عساکر، در المنثور جلد ۶ ص ۱۱۱، فتح الباری جلد ۸ ص ۱۷، فتوحات الاسلامیہ جلد ۲ ص ۴۴۵، ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ مقصد دوم صفحہ ۸۲، ۱۹۹)

ابو العدیس بیان کرتے ہیں کہ ہم خلیفہ دوم عمر بن خطاب کی خدمت میں تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا یہ "الجوار الکنس" کیا ہے، یہ سن کر عمر نے اس تیر کو جو ان کے ہاتھ میں تھا سائل کے عمامہ میں اس طرح چبھویا کہ اس کا عمامہ سر سے گر پڑا اور یہ کہنے لگے کہ کیا تو "حروری" ہے والذی نفس عمر بن الخطاب بیدہ لوجدتک محلوق الأنحیت القمل عن رأسك (کنز العمال جلد ۱ ص ۲۲۹، در المنثور جلد ۶ ص ۳۲۱) حضرت عمر کا یہ عام حکم تھا کہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہ کرو، جیسا کہ کتب اہلسنت میں ہے۔

عن عمر انہ قرأ قولہ تعالیٰ فانشا فیہ فاکھۃ الی قولہ وابّا ثم قال ما الاب ثم قال ھذا العمری ھو التکلف فخذوا ایھا الناس ما ابیّن لکم فما عرفتم فاعملوا ما لم تعرفوا فکلوا علمہ الی اللہ۔"

حضرت عمر نے ایک روز یہ آیت فانشا فیہ فاکھۃ ......تا...... وابّا تک پڑھی پھر فرمایا کہ یہ ابّا کیا چیز ہے، پھر خود ہی فرمایا اپنی زندگی کی قسم یہ تکلف ہے یہ تکلف ہے (یعنی سمجھنے کی زحمت میں کون پڑے) پھر حکم دیتے ہیں لوگو جو کچھ تمھیں قرآن میں بیان کیا گیا ہے اور جس کو تم نے جان لیا ہے اس پر تم عمل کرو اور جس کو نہیں سمجھے اس کو خدا کے علم کے حوالہ کرو (سمجھنے کی کوشش نہ کرو۔ (مستدرک امام حاکم جلد ۲ ص ۵۱۴ تاریخ بغداد خطیب بغدادی جلد ۱۱ ص ۴۶۸، تفسیر کشاف زمخشری جلد ۳ ص ۲۵۳، ریاض النضرہ محب الطبری جلد ۲ ص ۴۹، سیرت عمر بن الخطاب ابن الجوزی ص ۱۲۰، الموافقات الشاطبی جلد ۱ ص ۲۱، ۲۵، تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۴۷۳، تفسیر خازن جلد ۴ ص ۳۷۴، در المنثور السیوطی جلد ۶ ص ۳۱۷، کنز العمال جلد ۱ ص ۲۲۷، تفسیر ابو السعود بر حاشیہ تفسیر رازی جلد ۸ ص ۳۸۹، ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

خلیفہ دوم کی یہ حالت تھی کہ جو کوئی موصوف سے "فاکہۃ وابا" کے معنی پوچھتا تھا آپ اس پر کوڑا اٹھاتے تھے (فتح الباری جلد ۱۳ ص۲۲۳، درمنثور سیوطی جلد ۶ ص۳۱۷) ان حالات میں تدبر و تفکر سے کون کام لیتا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ لوگ تو غور و فکر کی صلاحیت ہی کھو بیٹھے اور کچھ لوگ مبتلائے شکوک و اوہام ہو گئے، یہ حالت عموماً مدینہ کے باشندوں کی تھی جہاں اصحاب و تابعین کی اکثریت تھی، امام غزالی نے صاف الفاظ میں حضرت عمر کے متعلق یہ لکھا ہے "وعمر ھو الذی سد باب الکلام والجدل" عمر ہی وہ ہیں جنہوں نے کلام و جدل کے دروازہ کو بند کر دیا (احیاء العلوم جلد ا ص۳۲)

علیؑ نے فہم قرآن کی طرف بلایا

لیکن امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب نے اپنے زمانہ میں عقل و فکر پر جو پہرہ بٹھایا گیا تھا اس کو ہٹایا اور آپ نے اعلان فرمایا،

انما مثلی بینکم مثل السراج فی الظلمۃ لیستضئ بہ من ولجھا فاسمعوا ایھا الناس وعوا و احضروا اذان قلوبکم تفھموا۔"

تم لوگوں میں میری مثال تاریکی میں روشن ہونے والے چراغ کی سی ہے، تاریکی کا راہ رو چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے، پس اے لوگو، جو کچھ میں کہوں اس کو غور سے سنو اور محفوظ رکھو، دیکھو ہر وقت اپنے گوش و ہوش کو وا رکھنا تاکہ سمجھ سکو۔

آپ نے قرآن مجید کے متعلق ارشاد فرمایا۔

وھذا القرآن انما ھو خط مستور بین الدفتین لاینطق بلسان ولابد لہ من ترجمان وانما ینطق عنہ الرجال۔"

یہ قرآن دو دفتیوں کے درمیان چھپی ہوئی تحریر ہے جو بولنے کے لیے زبان نہیں رکھتا اس کے لیے ایک ترجمان کی ضرورت ہے قرآن کی طرف سے کچھ لوگ ہی کلام کرتے ہیں

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

"وحضرت مرتضیٰ فرمود کہ ایں قرآن قرآن صامت است و من قرآن ناطقم" (ازالۃ الخفاء جلد اول ص۱۰۳)

یہ امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب ہی ہیں جو ترجمان قرآن و قرآن ناطق کی حیثیت سے قرآن صامت کے علوم و معارف کی نشر و اشاعت کرتے رہتے تھے اور تفسیر و تاویل و قرآن پر روشنی ڈالتے تھے حضرت کے بتلائے ہوئے علوم و معارف سے انکار کرنا اصل قرآن سے انکار ہے، جمہوریت ہندوستان کے وزیر معارف مشہور مفسر و عالم اہل سنت مولانا ابو الکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر یہ سچ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے خوارج و منکرین کے مقابلہ میں فرمایا تھا کہ میں قرآن ناطق ہوں تو میں اس کی تصدیق کے لیے تیار ہوں اگرچہ حقیقت ناشناس طبیعتیں سمجھتی ہیں کہ یہ بہت بڑا دعوی تھا، یقیناً یہ بڑا دعوی تھا جو کوئی انسان نہیں کر سکتا ہے لیکن اگر حضرت امیر نے کیا تھا تو غلط نہ تھا کیونکہ ان کی مقدس زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا ایک کامل عکس تھا اور ان کے اعمال کی روشنی سراج منیر رسالت ہی سے ماخوذ تھی تو کیوں انھیں یہ حق نہ تھا کہ وہ اپنے تئیں قرآن ناطق کہیں

جو کتاب الٰہی ما بین الدفتین حروف و نقوش کے تشکل میں تھی اس کی ہستی ناطق تھی جو اعمال حضرت مرتضیٰ کے اندر سے پکارتی تھی کہ یہ علیؑ بن ابی طالب کی آواز نہیں ہے بلکہ "القرآن الحکیم" کی صدائے الٰہی ہے اور چونکہ "القرآن" کی آواز ہے اس لیے یقیناً خود منزل القرآن کی آواز ہے "کنت سمعہ الذی یسمع بہ ولسانہ الذی یتکلم بہ۔" (بخاری) (لمعات صداقت حصہ اول مجموعہ مضامین ابوالکلام آزاد صـ۱۳ طبع لاہور ۱۳۴۰ھ)

سرزمین عراق "علی" کے مقاصد کے لیے بہترین جگہ تھی

لیکن اصحاب و تابعین اور جماعت قریش اپنے اقتدار و حکومت کی فکروں و سازشوں میں ایسے مبتلا تھے کہ وہ علوم و معارف کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہیں پاتے تھے بلکہ بعض حیثیتوں سے علیؑ کی دعوت فکر و تدبر فی القرآن ان کے سیاسی مصالح کے خلاف تھی، اس کے لیے آپ کو عراق کی سرزمین موافق و ہموار نظر آئی، کیونکہ متمدن و مہذب قوموں کا یہ محل ورود ہونے کی وجہ سے یہاں کے لوگ علم شناس و تمدن و حضارت سے قریب تر تھے۔

عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:۔

وقد کانت عاصمۃ الامام فی الکوفۃ و کانت مثابۃ الغادین والرائحین من ابناء الحضارات المعروفۃ فی العالم باسرہ و من المسلمین الذین عاشوا بہا او بجوارہا اناس کانوا ینظرون فی کتب الفرس ویعجبون بحکمتہا۔"	حضرت کا دارالحکومت کوفہ ایسا مرکز تھا جہاں تمام مہذب و متمدن دنیا کے آنے جانے والوں کا اجتماع رہا کرتا تھا اور جو مسلمان کوفہ یا اس کے قرب و جوار میں رہا کرتے تھے وہ ایسے تھے جو ایران کی کتابوں کو پڑھتے تھے اور اس کے مضامین حکمیہ کی قدر کرتے تھے۔

(عبقریۃ الامام صـ۱۸۷ طبع مصر)

غرض کہ یہ مقام تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہ چکا تھا اور جس کے تعلقات نہ صرف ایران بلکہ دنیا کے دوسرے مہذب و متمدن اقوام سے رہ چکے تھے، مورخ مسعودی نے اس کی تشریح کی ہے کہ

کانت تتقدم ھنالک سفن الصین والھند ترد الی ملوک الحیرۃ۔"	ملوک حیرہ کے پاس بندرگاہ حیرہ (جو پشت نجف میں تھا) پر چین و ہندوستان کے جہاز برابر آیا جایا کرتے تھے

(مروج الذہب جلد ۱ صـ۷۹ طبع مصر)

علیؑ کو خدا کی طرف سے حکمت و فصل خطاب عطا کیا گیا

اب حضرت جن لوگوں کو خطاب کرتے تھے وہ بہ نسبت حجاز والوں کے زیادہ ہوشمند و فہیم تھے یہ لوگ اصول اسلام کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے لیے حضرت سے مختلف قسم کے سوالات کرتے رہتے تھے، مختلف مذاہب و اقوام کے علماء و مفکر اسلام پر ایراد کرتے تھے اور آپ

ہر ایک کو جواب شافی دیتے تھے، مسلمانوں کے اندر کی وہ جماعتیں جو آپ کی مخالف تھیں اور جو مختلف آراء ورجحانات رکھتی تھیں ان کے خیالات کی اصلاح وتردید بھی آپ فرماتے رہتے تھے، عباس محمود العقاد لکھتے ہیں :۔

فکل نمط من انماط کلامہ شاھد لہ بالملکۃ الموھوبۃ فی قدرۃ الوحی وقدرۃ التعبیر، فھو لا شک من ابناء ادم الذین علموا الاسماء واوتوا الحکمۃ وفصل الخطاب

حضرت کے اصناف کلام کی ہر صنف اس امر کا ثبوت ہے کہ خدا نے آپ کو ایسا ملکہ عطا کیا تھا جس کی وجہ سے آپ کسی امر کو سمجھانے اور اس کو بیان کرنے میں اچھی طرح سے قادر تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ان فرزندان آدم میں سے ہیں جن کو خدا نے اسماء کی تعلیم اور حکمت وفصل خطاب عطا کیا ہے (عبقریۃ الامام صـ۱۹۱ طبع مصر)

علیؑ کے کلام میں پیغمبرانہ شان پائی جاتی ہے

حضرت کے کلام میں صرف حکیمانہ انداز ہی نہیں ہے بلکہ پیغمبرانہ شان بھی موجود ہے الاستاد العقاد لکھتے ہیں :۔

وقد قال النبی علیہ السلام علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل فلھذا الحدیث اکثر ما صدق ما یکون علی الامام علیؑ فی حکمتہ تقارن بحکم اولئک الانبیاء فھی من طراز الحکم الماثورۃ عن اشھر اولئک الانبیاء بالمثل السائر وھو سلیمان بن داؤد ویزید علیھا انھا ابدع فی التعبیر واوفر نصیبا من ذوق الجمال ۔" (عبقریۃ الامام صـ۱۸۹)

رسول اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہماری امت کے علماء بنی اسرائیل کی مثال ہیں، اس حدیث شریف کی صداقت یوں ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت علیؑ علم وحکمت میں ان پیغمبروں کے مقابلہ میں نظر آتے ہیں آپ کا حکیمہ کلام سلیمان بن داؤد کے ماثورہ کلمات حکمیہ کے شان وانداز کا ہے جو پیغمبروں میں سب سے زیادہ اس امر خاص میں شہرت رکھتے ہیں" بلکہ دراصل حضرت کا کلام ندرت ومعنویت دتادیہ تعبیر کے لحاظ سے سلیمان پیغمبر کے کلام سے بھی زیادہ بلند ارفع ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ بھی جو حضرت کے منصب کو مثل منصب نبوت کے نہیں سمجھتے ہیں وہ بھی آپ کو امامت کے اس بلند مرتبہ پر فائز سمجھتے ہیں جہاں تک کسی دوسرے کی رسائی نہیں ہے الاستاد العقاد لکھتے ہیں :

وخاصۃ اخری من خواص الامامۃ ینفرد بھا علیؑ ولا یجاریہ فیھا امام غیرہ وھی اتصالہ بکل مذھب من مذاھب الفرق الاسلامیۃ منذ وجدت فی صدر الاسلام فھو منشئ ھذہ الفرق او قطبھا الذی تدور علیہ، وندرت فرقۃ فی الاسلام لم

خصوصیات امامت میں سے ایک خصوصیت ایسی بھی ہے جو صرف امیر المومنین علیؑ کی ذات والا صفات میں پائی جاتی ہے کوئی دوسرا اس میں آپ کا شریک نہیں ہے اور وہ خصوصیت یہ ہے کہ صدر الاسلام سے آج تک کوئی اسلامی فرقہ اور مذہب ایسا نہیں ہے جس کا اتصال آپ کی ذات سے نہ ہو دراصل حضرت کی ذات، ہی

يكن علىؑ معلمًا لها منذ نشأتها او لم يكن موضوعًا
ومحورًا لمباحثها، تقول وترد على قائلين
وقد اتصلت الحلقات بينه وبين علماء الكلام
والتوحيد كما اتصلت الحلقات بينه وبين
علماء الفقه والشريعة وعلماء الادب البلاغة
فهو استاذ هؤلاء جميعا بالسند الموصول
فالامام احق لقب به وهو احق الائمـــة
بلقب الامام." (عبقرية الامام ص۱۷۵، ۱۷۶)

وہ منبع ہے جن سے یہ مذاہب نکلے اور مثل قطب کے
ہیں جس کے گرد آسیہ اسلام گردش کرتا ہے، کوئی ایسا
اسلامی فرقہ نہیں ہے جس کے معلم اول حضرت نہ ہوں اور
مباحث اسلام کا کوئی موضوع ایسا نہیں ہے جس کا
تعلق آپ کے ذات سے نہ ہو علمائے متکلمین اور توحید و
عدل پر بحث کرنے والوں کے جس قدر بھی گروہ ہیں ان
سب کا سلسلہ آپ کی ذات پر ختم ہوتا ہے جس طرح فقہا
علمائے شریعت اور علماء ادب و بلاغت کا سلسلہ آپ
کی ذات سے متصل ہوتا ہے، در اصل حضرت ہی ان سب کے استاذ ہیں پس آپ کی ذات سب سے زیادہ احق ہی امام کہلانے کی۔

عالم اسلام میں سب سے پہلے علیؑ ہیں جو معلم حکمت و فلسفہ ہیں

بہرحال متکلمین نے علم کلام کو آپ ہی سے سیکھا ہے

اور یہ سب کے سب آپ ہی کے خوشہ چیں ہیں علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:-

واما الحكمة والبحث فى الامور الالهية
فلم يكن من فن احد من العرب ولا نقل فى
جهاز اكابرهم واصاغرهم شئ من ذالك
اصلا وهذا فن كانت اليونان واوائل الحكماء
واساطين الحكمة ينفردون به واول من
خاض فيه من العرب على عليه السلام ولهذا
تجد المباحث الدقيقة فى التوحيد والعدل
مبثوثة عنه فى فرش كلامه وخطبه ولا تجد
فى كلام احد من الصحابة والتابعين كلمة
واحدة من ذالك ولا يتصورونه ولو فهموه
لم يفهموه وانى للعرب ذالك ولهذا انتسب
المتكلمون الذين لجوا فى بحار المعقولات اليه
خاصة دون غيره وسموه استاذهم ورئيسهم
واجتذبته كل فرقة من الفرق الى نفسها
الا ترى ان اصحابنا ينتمون الى واصل بن عطاء

حکمت و فلسفہ اور مسائل الٰہیات پر بحث و نظر کرنا
یہ عربوں کا فن نہ تھا اور نہ ان کے بڑوں اور چھوٹوں سے
اس موضوع پر کچھ منقول ہے، یہ فن تو مخصوص تھا یونانیوں
اور اوائل حکماء سے اور ایسے اگلے لوگوں سے جو حکمت
کے ستون تھے ہاں عربوں میں جو سب سے پہلے حکمت و
فلسفہ میں در آیا وہ علی علیہ السلام ہیں اسی لیے توحید و
عدل کے دقیق مسائل آپ کے بساط کلام و خطب میں
پھیلے ہوئے ہیں" اور صحابہ و تابعین کے یہاں اس موضوع
پر ایک کلمہ بھی نہیں پایا جاتا اور نہ ان لوگوں کے کلام میں
اس کا تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ اس کو کچھ سمجھے بھی
ہوں تو سمجھا نہیں سکتے، عربوں کو اس سے کیا تعلق؟ اسی
بناء پر وہ متکلمین جو بحار معقولات کی شناوری کرنے
والے ہیں وہ خصوصیت سے حضرت ہی کی طرف منسوب
ہوئے نہ آپ کے غیر کی طرف اور ان متکلمین نے حضرت
کو اپنا استاد و رئیس ہونا تسلیم کیا ہے اور متکلمین کے

وواصل تلمیذ ابی هاشم ابن محمد بن الحنفیه
وابوهاشم تلمیذ ابیه محمد ومحمد تلمیذ
ابیه علی علیه السلام فاما الشیعة من الامامیة
والزیدیة والکسانیة فانتماؤهم الیه
واما الاشعریة فانهم باخرة ینتمون الیه ایضا
لان ابا الحسن الاشعری تلمیذ شیخنا ابی علی
رحمه الله تعالی وابو علی تلمیذ ابی یعقوب
الشحام وابو یعقوب تلمیذ ابی الهذیل
وابوالهذیل تلمیذ ابی عثمان الطویل وابو عثمان
الطویل تلمیذ واصل بن عطا فعاد الامر الی
انتهاء الاشعریة الی علی علیه السلام واما
الکرامیة فان ابن الهیصم ذکر فی المعروف
کتاب المقالات ان اصل مقالتهم وعقیدتهم
تنتهی الی علی علیه السلام من طریقین احدهما
انهم یسندون اعتقادهم عن شیخ بعد
شیخ الی ان ینتهی الی سفیان الثوری ثم قال
وسفیان الثوری من الزیدیة ثم سأل نفسه
فقال اذا شیخکم الاکبر الذی تنتمون الیه
کان زیدیا فما بالکم لاتکونون زیدیة
واجاب بان السفیان الثوری رحمة الله
تعالی وان اشتهر عنه الزیدیة الا ان تزیده
انما کان عبارة عن موالات اهل البیت
وانکار ما کان بنو امیة علیه من الظلم و
اجلال زید بن علی وتعظیمه وتصویبه
فی احکامه واحواله ولم ینقل عن سفیان
الثوری انه طعن فی احد من الصحابة
الطریق الثانی انه عد مشایخهم واحدا

ہر فرقہ نے حضرت کو اپنی طرف کھینچا ہے (یعنی یہ کہ اس فرقہ
کو حضرت سے خاص تعلق ہے نہ کہ اس کے غیر کو) کیا نہیں
دیکھتے ہو کہ ہمارے اصحاب معتزلہ منسوب ہیں واصل بن
عطا کی طرف، اور واصل شاگرد ہیں ابو ہاشم بن محمد
حنفیہ کے اور ابو ہاشم شاگرد ہیں اپنے باپ محمد حنفیہ کے
اور محمد حنفیہ شاگرد ہیں اپنے پدر بزرگوار علی علیہ السلام
کے لیکن شیعہ امامیہ، زیدیہ، کیسانیہ ان فرقوں کی
حضرت تک انتھا ہونا وہ بالکل ظاہر ہے رہے تمام
نیس اشعری فرقہ بھی بالاخر حضرت ہی تک منتہی ہوتا
ہے اس لئے کہ ابوالحسن اشعری شاگرد ہیں ہمارے
شیخ ابو علی کے اور ابو علی شاگرد ہیں ابو یعقوب شحام
کے اور ابو یعقوب شاگرد ہیں ابو ہذیل کے اور ابو
ہذیل شاگرد ہیں ابو عثمان طویل کے اور ابو عثمان
طویل شاگرد ہیں واصل بن عطا کے تو اس سلسلہ
سے اشعریہ فرقہ بھی حضرت علیؑ تک منتہی ہو جاتا
ہے لیکن "کرامیہ" تو اس فرقہ کے متعلق ابن ہیصم
نے کتاب المقالات میں ذکر کیا ہے کہ ان کے اصل
عقائد و مقالات دو طریقوں سے حضرت تک منتہی
ہوتے ہیں اول یہ کہ یہ لوگ سند دیتے ہیں اپنے
اعتقادات کی ایک شیخ سے دوسرے شیخ کی طرف
یہاں تک یہ سند منتہی ہوتی ہے۔ سفیان ثوری
تک اور سفیان ثوری زیدی تھے۔

اس کے بعد ابن ہیصم نے اپنے نفس سے ایک سوال
کیا ہے کہ جب تمہارا شیخ اکبر زیدی ہے تو تم سب
کیوں نہ زیدی سمجھے جاؤ۔ پھر اس سوال کا جواب
خود یہ دیا ہے کہ سفیان ثوری خدا ان پر رحمت کرے
اگرچہ مشہور بہ حیثیت زیدی ہونے کے ہیں لیکن

فواحد حتی انتهی الی علماء الکوفة
من اصحاب علی کسلمة بن کھیل وحبة
العرنی وسالم بن ابی الجعد والفضل بن
دکین وشعبة والاعمش وعلقمة وھبیرة
بن مریم وابی اسحٰق الشعبی وغیرھم ثم
قال وھولاء اخذوا العلم من علی بن
ابی طالب علیه السلام فهو رئیس الجماعة
یعنی اصحابه واقوالھم منقولة عنه ومأخوذة
منه واما الخوارج فانتماؤھم الیه ظاهر ایضاً
مع طعنهم فیه لانهم کانوا اصحابه وعنه
مرقوا بعد ان تعلموا عنه واقتبسوا منه وھم
شیعته وانصاره بالجمل والصفین ولکن الشیطان
ران قلوبهم واعمی بصائرھم۔

(شرح ابن ابی الحدید المجلد الثانی ص۱۲۸ مطبوعہ
دار الکتب العربیہ مصر)

ان کا زیدی ہونے سے مراد موالی اہلبیت ہونا، بنی اُمیہ
کے مظالم کی وجہ سے بنی امیہ کا مخالف ہوتا اور زید بن علی کی
تعظیم واحترام اور احکامات واحوالات شریعت میں زید کا محفوظ
ومصئون سمجھنا ہے، سفیان ثوری کے متعلق کہیں نہیں پایا جاتا
کہ کسی ایک صحابی پر بھی طعن کیا ہو، دوسرے یہ کہ ابن ہیصم
نے مشائخ کرامیہ کو ایک کے بعد ایک کرکے گنایا ہے یہاں تک
کہ ان علماء کوفہ تک پہونچے ہیں جو اصحاب امیر المومنین علیؑ سے
تھے جیسے سلمہ بن کہیل، حبۃ العرنی، سالم بن ابی جعد، فضل
بن دکین، شعبہ، اعمش، علقمہ، ہبیرہ بن مریم ....
ابو اسحٰق شعبی وغیرہم اس کے بعد یہ کہا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں
جنھوں نے علیؑ بن ابی طالب سے براہ راست علوم کو حاصل کیا پس
حضرت ہی رئیس جماعت علماء ہیں اور ان علماء کے اقوال حضرت
ہی سے منقول و ماخوذ ہیں لیکن خوارج ان کی نسبت بھی حضرت
کی طرف ظاہر ہے اگرچہ ان لوگوں نے حضرت پر طعن کیا پہلے
یہ لوگ حضرت کے اصحاب میں تھے حضرت سے علم حاصل کرنے کے بعد
دین سے نکل گئے اور شیطان نے ان کے دل پر قبضہ کر لیا اور یہ اپنی بصیرت کھو بیٹھے۔

ان حقائق کے بعد کیونکر یہ کہنے کی جرأت ہوتی ہے کہ علیؑ کے بعض خطبات میں مضامین علم کلام ہیں
اس لئے ان کی نسبت حضرتؑ کی طرف مشکوک ہے۔

جس وقت عالم اسلام میں علوم کا فقدان تھا علیؑ اسکی اشاعت کرتے تھے

در اصل آپ ہی سے علم کلام کی ابتدا ہوتی ہے، جب دوسرے سلطنت و مملکت کی خواہشات میں مبتلا تھے، آپ دنیا کے رہنے اپنے سرمایۂ عقل و فکر کو لٹانے کی فکر میں تھے۔

عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:۔

وقد لبث علی بن ابی طالب زهاء
ثلاثین سنة منقطعا او یکاد ینقطع عن
جهاد الحکم والسیاسة متفرغا او یکاد یتفرغ لفنون
البحث والدراسة یتأمل کل ما سمع ویراجع کل ما قرأ ویحفظ
کل ما یعرض من یلقاه وتستطلع ابناؤه وآراؤه وقضایاه فهما

تیس سال تک علی بن ابی طالب حکومت و سیاست سے
الگ رہے اور مختلف علوم و فنون کی تعلیم و تدریس اور بحث و نظر
میں مشغول رہے، جو سنتے تھے اس پر غور کرتے تھے اور جو پڑھتے
تھے اس پر تدبر کرتے تھے اور درک حقائق کی طرف برابر متوجہ
رہتے تھے اور ہر قسم کے خیالات و رجحانات و قضایا پر مطلع

يكن قسط الثقافة العالمية قليلاً فى بلاد
الاسلام على تلك الايام، ففيه ولاريب لكفاية
للعقل اليقظان والبصيرة الراعية ان تفهم
ما قد فهمه الامام وان يثبت ما اثبته
نهج البلاغة من الخواطر والاحكام

(عبقرية الامام ص۱۸۸،۱۸۷)

استاذ العقاد دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

ففی کتاب نهج البلاغة فيض من آيات
التوحيد والحكمة الالهية تتسع به دراسة
كل مشتغل بالعقائد واصول التأليه
وحكمة التوحيد وربما تشكك الباحث
فى نسبة بعضها الى الامام لغلبة الصيغة
الفلسفية عليها وامتزاجها بالآراء والمصطلحات
التى اقتبست بعد ذلك من ترجمة الكتب
الاغريقية والاعجمية، ولاسيما الكلام على
الاضداد والطبائع والعدم والحدود والصفات
والموصوفات ولكن الذى يقرأه الباحث
ولا يشك فى نسبته الى الامام او فى جواز
نسبته اليه قسط وافٍ لتحقيق رأى القائلين
بسبق الامام فى مضمار علم الكلام واعتراف
المعترفين له بالاستاذية الرشيدة لكل من
لحق به من اصحاب الآراء والمقولات و
على جملته خير ما يعرف المؤمن ربه وينزه
به الخالق فى كماله۔

رہا کرتے تھے اگرچہ اس زمانہ میں ممالک اسلامیہ میں علوم و
معارف کی کمی تھی بے شک عقل بیدار و بصیرت تام کی
رہبری اور اس کو سمجھنے کے لئے اتنا بہت کافی ہے جو امامؑ
نے اپنے فہم و ہوشمندی سے سمجھا اور جو کچھ کہ نہج البلاغہ کے
کے ذریعہ حضرت کے ان افکار و علوم کو دنیا کے سامنے
پیش کیا گیا۔

نہج البلاغہ میں علم توحید و حکمت الٰہی کے چشمے جاری ہیں
الٰہیات و حکمت، توحید و عقائد کے طالب علم کے لئے
معلومات کا اس میں ایک وسیع میدان ہے،

نہج البلاغہ کے بعض خطبوں کے متعلق کچھ لوگوں کو یہ
شک ہوتا کہ اس میں فلسفیانہ انداز و خیالات و مصطلحات
ہیں جو کہ یونانی و عجمی کتابوں کے ترجمے کے بعد رائج ہوئے،
خصوصاً اس خطبہ میں (پہلا خطبہ) جس میں اضداد، طبائع،
عدم، حدود صفت موصوف کی بحث ہے، لیکن ایک
محقق ان خطبوں کے نسبت میں کلام نہیں کر سکتا اور نہ
اس کو شک کرنے گنجائش ہے کیونکہ یہ امر متحقق ہے کہ امامؑ
کو علم کلام میں سب پر سبقت حاصل ہے اور اس کا اعتراف
سبھی کو ہے کہ آپ "اصحاب آراء و مقولات" متکلمین
و ائمہ مذہب کلامیہ کے استاد رشید ہیں اور آپ ہی سے
لوگوں نے اس فن کو سیکھا ہے، المختصر یہ خطبہ ایسا ہے جسکے
ذریعہ مومن خدا کی بہتر معرفت حاصل کر سکتا ہے اور اسکے
ذریعہ خدا کے کمال کی تقدیس و تنزیہ کر سکتا
ہے۔

(عبقریۃ الامام ص۱۸۱)

خدا کے متعلق اسلامی نظریہ کی سب سے اعلیٰ مثال علیؑ کا خطبہ ہو

الاستاد عباس محمود العقاد المصری نے فلسفۂ الٰہیات اور تاریخ خدا شناسی کی موضوع پر ایک قابل قدر کتاب لکھی ہے جس کا نام "اللہ" ہے جس میں دنیا کی مختلف اقوام و مذاہب میں خدا کے متعلق جو مختلف تصوّرات و نظریات ہیں اس پر

فلسفیانہ انداز سے ایک تاریخی بحث کی ہے اسی اہم بالشان کتاب میں موصوف نے خدا کے متعلق اسلام کا جو
بلند نظریہ ہے اُس کی مثال میں امیر المومنین کے اس مشہور و معروف خطبہ کو نہج البلاغہ میں خطبہ اول کی حیثیت
سے موجود ہے پیش کیا ہے۔"

عقاد مصری لکھتے ہیں:۔

"ومن الأمثلة العالية للفكرة الالٰهية فی الاسلام خطبة وردت
فی نهج البلاغة ذُكرت فيها الصفة التمثيل لذات الله لا بمعنى
الأسماء الحسنىٰ فان الأسماء الحسنىٰ ثابتةٌ فی القرآن الكريم لا ينكرها
مسلم وهذا بعض ما جاء فی تلك الخطبة المنسوبة الی الامام علی رضی الله عنه
الحمد لله الذی ـــــ الی ـــــ عاد فانبرأ نشهاد احنائها
ـــــ ولنا ان نقول علی الجملة ان هذه الفكرة الالٰهية فی فكرة
الاجماع فی المسلمين"

(«الله» للعباس العقاد صفحہ ۱۸۶، ۱۸۷ طبع ثانی دار المعارف مصر)

خداوند عالم کے متعلق اسلامی نظریہ کی بلند و برتر مثال نہج البلاغہ کا وہ خطبہ ہے جس میں
صفات کو مبنی تمثیل (Representation) ذات خداوندی نہ بمعنی اسماء حسنیٰ
بیان کیا گیا ہے اس لیے کہ اسماء حسنیٰ قرآن میں موجود ہے جس کا منکر مسلمانوں میں کوئی نہیں ہے
اب میں اس مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کا کچھ حصہ پیش کرتا ہوں۔
الحمد لله الذی لا يبلغ مدحته القائلون الی ولا حركة احدثها ولا
همامة نفس اضطرب فيها۔ الی آخر الخطبة" طویل ہونے کے خیال سے پورا خطبہ میں نے
نہیں نقل کیا ہے، اس خطبہ کے بعد مجھ کو اس کا حق ہے کہ میں یہ کہوں کہ خدا کے متعلق یہ ایک ایسا
نظریہ ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔" (استاد عباس محمود العقاد کی کتاب "اللہ" باب
ادیان بعد الفلسفہ طبع مصر، و ترجمہ فارسی "خدا" صفحہ ۲۶۶ تا ۲۶۸ چاپ اقبال طہران)

یہی وہ خطبہ ہے جس کو دیکھ کر منکرین، متحیر و مضطرب ہو کر شک کرنے لگتے ہیں لیکن عقاد سا ناقد
و ادیب، مورخ و محقق، حکیم، فیلسوف اس میں شک کی گنجائش نہیں پاتا بلکہ اس کو امیر المومنینؑ کا کلام
ہونے کی حیثیت سے تمام دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے، اور یہ بتلاتا ہے کہ خداوند عالم کے متعلق اسلامی
نظریہ کی یہ ایک سب سے اعلیٰ مثال ہے۔

مسلمانانِ عہدِ رسالت کے دلوں میں شکوک تھے جن کو علیؑ نے اپنی تقریروں خطبوں سے دور کیا

جو لوگ بعد عہد رسالت کی تاریخ پر دقیق نظر رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگرچہ عربوں میں ظاہری اسلام

تھا لیکن در اصل وہ اصول و عقائد میں مستحکم نہ تھے وہ اسلام کے خلاف ہر شک اور اعتراض کو اپنے دل میں جگہ دینے کو تیار رہتے تھے، وہ اسلام کے خلاف ہر مخالفت آواز کو نہ صرف سننے ہی کے لیئے آمادہ تھے بلکہ اس کو قبول کرتے تھے اس نازک موقع پر برخلاف خلفاء سابق کے کہ وہ لوگوں کو سوچنے سمجھنے اور چون و چرا کرنے پر ان کا گلا گھونٹتے تھے حضرتؑ نے عقلی استدلال سے معترضین کے ایراد و مستضعفین کے شکوک کو رفع فرمایا،

استاذ الشیخ عبد اللہ العلائلی لکھتے ہیں۔

ويحسن بنا ان نشير هنا الى ان كتاب نهج البلاغة اذا درسناه دراسة نقد يه نقع فيه على ما يؤكد هذا الظن ففيه خطب كثيرة ومجالس كثيرة تدور على مسائل من اصول الدين كان الناس لا يفتأون يسألونه عنها او يتساءلون بها فيما بينهم من مسائل تتعلق بالذات الالهيه فى اغلب الاحيان كمثل خطبة الاشباح وهى من جلائل خطبه وكان سأله سائل ان يصف الله حتى كانه يراه عيانا فغضب الامام وعرفهم وينزه الله، وخطبة فى ابتداء خلق السموات والارض وخطبته فى تنزيه الله واجوبته فى الحرية الادبية او الارادة الجزئية (معضلة القضاء والقدر) مما يدلنا على ما هو متملكهم من حيرة خفية فان الاسلام زعم انه وضع حدا لهذه الحيرة بما فرض من مثل وتعاليم، عادت نظهرت على اشكال اسلامية وبالاخص بعد عملية المزج الكبرى التى ادى اليها الفتح السريع، فدخول ذوى الديانات الاخرى فى الاسلام والامم لا تغيير ديانتها كما تغير اثوابها ثبت هذه الحيرة وانما هار لكنه اعطاها بشكل

مناسب ہے کہ ہم اس طرف بھی اشارہ کر دیں کہ نہج البلاغہ کا مطالعہ اگر ہم ذرا دقّتِ نظر سے کریں تو اس سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے اور ہمارا مقصود حاصل ہوتا ہے (کہ اُس وقت کے لوگ اپنے عقائد میں پختہ نہ تھے) اس لیئے کہ نہج البلاغہ میں بہت سے خطبے اور تقریریں ایسی ہیں جن میں اصول دین کے مسائل پر بحث کی گئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ لوگ امیر المومنین سے برابر ان مسائل کو دریافت کرتے رہتے تھے یا خود آپس میں اس زمانہ کے لوگ ان مضامین پر بحث و مباحثہ کیا کرتے تھے، یہ مسائل زیادہ تر ذات الٰہی سے متعلق ہیں، مثل خطبہ اشباح کے جو حضرت کے جلائل خطب میں سے ہے، اکثر تبہ ایک سائل نے حضرت سے عرض کیا کہ خدا کے صفات اس طرح بیان فرمایئے کہ گویا اسے آنکھ سے دیکھا، یہ سن کر آپ غضبناک ہوئے اور خدا کی تنزیہہ کو آپ نے بیان فرمایا اسکو سمجھوایا اسی طرح آپ کا وہ خطبہ جو زمین و آسمان کی خلقت کے متعلق ہے وہ خطبہ جو خدا کی تنزیہہ کے متعلق ہے (یعنی خطبہ توحید) اور آپ کا وہ جواب جو حریّت اخلاق و ارادۂ جزیہ (یعنی مسئلہ مشکل قضا و قدر) کے متعلق ہے۔ امیر المومنینؑ کے یہ سب خطبے اور جوابات اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کے دلوں کے اندر عقائد کے متعلق ایک پوشیدہ حیرانی (تذبذب) موجود تھی اور وہ ثابت العقیدہ نہ تھے اگرچہ اسلام نے اپنی تعلیمات سے اس حیرانی و تذبذب کی روک تھام کی، لیکن یہی تذبذب بشکل ایک اسلامی شکل میں دوبارہ

الاجتهاد الدینی۔ ظاہر ہوا خاص کر سرعت فتوحات کے بعد جب دوسری

تاریخ الحسین نقد وتحلیل ص۱۱۵، ۱۱۶ طبع بیروت) دوسری قوموں سے زبردست میل جول ہوا اور دوسرے

دین و مذہب کے لوگ جب حلقہ بگوش اسلام ہوئے کیونکہ قومیں اپنے دینی عقائد یوں آسانی سے نہیں بدلتی ہیں جیسی آسانی سے وہ

اپنا لباس تبدیل کرتی ہیں اس لیئے یہ تذبذب دینی اور عقائد کا شک باقی رہا بلکہ اس میں ترقی ہوئی لیکن اب یہ اجتہاد

دینی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ (یہ اشارہ ہے خوارج ،مرجیہ، وجبریہ عقائد ورجحانات کی طرف)"

بہر حال نہج البلاغہ کے خطبات میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے، اسی طرح یہ بھی عجیب اعتراض ہے کہ "خطبہ خفاش، خطبہ نملہ، خطبہ طاؤس میں جن جانوروں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان میں بہت ہی دقت نظر سے کام لیا ہے اور کمال مصوری کا مظاہرہ ہے اس لیئے یہ امیر المومنینؑ کا کلام نہیں ہے" اس اعتراض پر معترض کی سبکی عقل پر ہنسی معلوم ہوتی ہے، علیؑ سا دقیق النظر و غائر الفکر، جو نبض شناس فطرت ہو وہ ان جانوروں کے ظاہر حالات پر غور کر کے ان کی صحیح تصویر کو اپنے الفاظ میں نہیں بیان کر سکتا ہے؟ عربوں کے کمسن اور ناسمجھ بچوں میں بھی یہ صلاحیت موجود تھی کہ وہ اپنے الفاظ میں صفات کو اس طرح بیان کر دیتے تھے کہ اصل موصوف کی تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی تھی، شاعر مخضرم حسان بن ثابت انصاری کے صغیر السن بچے کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ بھڑ نے اس کو کاٹ لیا وہ روتا ہوا باپ کے پاس آیا کہ مجھ کو ایک جانور نے کاٹ لیا ہے، حسان نے جانور کا نام پوچھا، بچہ نام سے واقف نہ تھا حسان نے پوچھا اس کی صورت کیا تھی؟ بچے نے بتلایا "کانہ ملتف ببردی حبرة" یعنی گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مخطط چادر میں لپٹا ہوا ہے" حسان کے نگاہوں کے سامنے بھڑ کی تصویر آگئی اور وہ یہ سمجھ گئے کہ بھڑ نے کاٹ لیا ہے، بچے کی باریک بینی اور الفاظ کے ذریعہ تصویر کشی کرنے پر وہ خوش ہو کر کہنے لگے واللہ صار ابنی الشاعر" بخدا میرا بیٹا شاعر ہو گیا!

وہ علیؑ جو بنا بر روایات اہلسنت جانوروں کی بولیوں کو سمجھنے والے تھے وہ جانوروں کے ظاہر حالات و کیفیات کی مصوری اپنے الفاظ میں نہیں کر سکتے تھے، علامہ ثعلبی نے اپنی کتاب العرائس میں بضمن تذکرۂ اصحاب کہف صفحہ ۲۵۸، ۵۹ ۲ (مطبوعہ مصر) یہ لکھا ہے کہ خلیفہ دوم کے دربار میں علماء یہود کا ایک گروہ آیا تھا جس نے خلیفۂ وقت سے چند سوالات کئے اور یہ کہا تھا کہ اگر صحیح جواب دو گے تو ہم اسلام قبول کر لیں گے، خلیفہ تو جواب دینے سے عاجز ہو گئے تھے تو حضرت علیؑ سے یہ کہہ کر ٹل گئے " یا ابا الحسن انت لکل معضلة وشدة تدعیٰ" اے علیؑ آپ ہر مشکل مسئلہ و مصیبت کے وقت پکارے جاتے ہیں اس وقت امیر المومنینؑ نے علماء یہود کے ہر سوال کا جواب عنایت فرمایا تھا، ان سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا۔

واخبرنا مایقول الدراج فی صیاحہ	یہ بتلایئے
ومایقول الدیك فی صراحہ	تیتر ، مرغ ، گھوڑا
ومایقول الفرس فی صہیلہ	مینڈک ، گدھا

ومایقول الضفدع فی نعیقه	اور چند اال
ومایقول الحمار فی نهیقه	اپنی اپنی بولیوں میں
ومایقول القبره فی صفیره	کیا کہتے ہیں؟

حضرت نے اس سوال کا جواب بھی دیا تھا جن کو سن کر علماء یہود نے یہ تسلیم کیا تھا کہ یہ صحیح جواب ہے اور اسلام لائے تھے، اس صورت میں اگر امیرالمومنینؑ نے بعض حیوانات کے اوصاف بیان کرنے میں دقیق النظری سے کام لیا تو کیا حیرت ہے۔

علیؑ نے طاؤس کو کہاں دیکھا یہ بھی ایراد کیا گیا ہے کہ حضرت علیؑ نے طاؤس کو کہاں دیکھا تھا اور وہ بھی اس کے جوڑے کو؟ اس کا جواب ابن ابی الحدید نے دیا ہے:۔

قلت لم یشاهد امیرالمومنین علیہ السلام الطواویس بالمدینة بل بالکوفة یومئذ تجی الیها ثمرات کل شیء وتأتی الیها هدایا الملوك من الآفاق ورؤیة المسافدة مع وجود الذکر والانثیٰ غیر مستبعدة (ابن ابی الحدید جلد دوم ص ۲۵۹ طبع مصر)	امیرالمومنینؑ نے طاؤس کو مدینہ میں نہیں ملاحظہ فرمایا بلکہ کوفہ میں دیکھا تھا، کوفہ میں اس زمانہ میں تمام دنیا سے ہر ایک چیز آتی اور خود آپ کی خدمت میں شاہان عالم کی طرف سے ہدایا آتے رہتے تھے اور نر و مادہ کی موجودگی میں اس کا جوڑا کھاتے دیکھنا کچھ بعید نہیں ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ ابن ابی الحدید کی تائید مؤرخ مسعودی کے اس بیان ہوتی ہے کہ چین و ہندوستان کے جہاز حیرہ کے بندرگاہوں پر لنگرانداز ہوتے رہتے تھے اور عباس محمود العقاد نے بھی یہی بتلایا ہے کہ حضرت کے عہد میں کوفہ میں غیر ممالک کے آنے والوں کا اجتماع رہتا تھا۔

خود امیرالمومنین کی خدمت میں ہندوستان کے جاٹوں کا باریاب ہونا بھی پایا جاتا ہے (کتاب الرجال الکشی) صرف یہی نہیں بلکہ عراق میں قدیم زمانے سے ایک ایسے فرقہ کا وجود بھی پایا جاتا ہے جو شیطان و طاؤس کی پرستش کیا کرتا تھا، کوئی وجہ نہیں کہ وہ فرقہ جو طاؤس کی پرستش کرتا ہو اُس نے اس پرندے کی نسل کی حفاظت نہ کی ہو کیا تعجب ہے کہ دجلہ کے کنارے پر جو مشہور دیر الطواویس تھا اس کی شہرت اس نام پر صرف اسی بنا پر ہوئی کہ وہاں طاؤس کثرت سے پائے جاتے ہوں۔

طویل خطبے بھی ہوا کرتے تھے شک کا تو علاج نہیں کبھی کبھی تو انسان اس حد تک مشکوک ہو جاتا ہے کہ خود اپنے اوپر شک کرنے لگتا ہے، یہی حالت علیؑ کے مخالفین کی بھی ہے کچھ نہیں تو پھر یہ کہنے لگے کہ یہ خطبے بہ نسبت خلفاء کے خطبوں کے طویل ہیں اس لئے یہ خطبے حضرت علیؑ کے نہیں ہو سکتے کیونکہ اس عہد میں طویل خطبے نہیں ہوا کرتے تھے، یہ ایراد بھی انتہائی پوچ و لچر ہے طویل خطبے وہ سنے گا جس کو علم و ادب پر قدرت حاصل ہوگی اور مضامین عالیہ کو بیان کرے گا خلفاء ماسبق کو یہ بات کہاں نصیب تھی۔ بے شک رسول اللہ نے ایسے خطبے ارشاد کیئے مثلاً خطبۃ الوداع، خطبۃ الغدیر اس قسم کے آپ کے دوسرے خطبے بھی ہیں لیکن قوم نے ان کی جیسی

حفاظت کرنی چاہیئے تھی نہ کی، مشہور خطیب سحبان وائل جو زمانۂ جاہلیت میں پیدا ہوا اور معاویہ کے زمانہ میں ۵۴ھ میں مرا، اس کے خطبے عموماً طویل ہی ہوا کرتے تھے، خود عمر کے بھی طویل خطبے کا پتہ ابن ابی الحدید نے دیا ہے وہ لکھتا ہے :۔

وقال الجاحظ فی کتاب البیان و التبیین لم یکن عمر من اھل الخطب الطوال وکان کلامه قصیراً وانّما صاحب الخطب الطوال علی بن ابی طالب علیه السلام وقد وجدت انا لعمر خطبا فیھا بعض الطول ذکرھا ابوجعفر محمد بن الطبری فی التاریخ۔

جاحظ کتاب البیان والتبیین میں لکھتے ہیں کہ عمر ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کے طولانی خطبے ہوتے ہیں بلکہ ان کا کلام مختصر و قصیر ہوتا ہے، ہاں طولانی خطبے ارشاد کرنے والے علی ابن ابی طالب ہیں (جاحظ کی عبارت نقل کرنے کے بعد) ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ میں نے عمر کے بعض لمبے خطبوں کو دیکھا ہے جو طویل ہیں جن کو مؤرخ طبری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔

(ابن ابی الحدید جلد سوم ص۱۲۳ طبع مصر)

(اس کے بعد ابن ابی الحدید نے ان خطبوں کو نقل کیا ہے، یہ خطبے تاریخ طبری جلد سوم مطبوعہ مصر کے صفحات ۲۸۴۔۲۰۲ پر موجود ہیں)

ابن ابی الحدید نے جو حوالہ دیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ "انما صاحب الخطب الطوال علی بن ابی طالب علیه السلام" علیؑ بن ابی طالب طویل خطبے ارشاد فرمانے میں شہرت و امتیاز رکھتے تھے، جس کا اقرار علامہ جاحظ سا ناقد بصیر کو بھی ہے۔ جاحظ اپنی ایک دوسری تالیف "کتاب فضل ہاشم علی عبد شمس" میں امیر المومنین کی اس خصوصیت و امتیاز کو ان الفاظ میں لکھتا ہے :۔

وان کان الی الفقه والعلم بالتاویل ومعرفة التنزیل والی القیاس السدید والی الألسنة الحداد والخطب الطوال فمن مثل علی بن ابی طالب"

فقہ تنزیل و تاویل قرآن کا علم، مستحکم دلائل فصاحت و طلاقت لسانی، اور طولانی خطبوں کے ارشاد کرنے میں کون ہے جو علی بن ابی طالب کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

(مجموعہ رسائل الجاحظ رسالہ فضل ہاشم ص۱۰۸ مرتبہ علامہ حسن السندوبی طبع اول مصر)

دراصل خطب و رسائل، مقتضائے حال کی بنا پر ہوا کرتے، کبھی حالات کا تقاضہ ایسا ہوتا ہے کہ طول دیا جائے اور کبھی اختصار ہی کی ضرورت ہوتی ہے، امیر المومنین کا ہر کلام اسی مناسبت سے ہے دکتور زکی مبارک اپنی کتاب النثر الفنی فی القرن الرابع میں لکھتے ہیں

ان مسألة الایجاز والاطناب کانت تجری فی الغالب علی مقتضی الحال فکان الکاتب یوجز تارة ویطنب اخری وفقا للظروف التی یکتب فیھا رسالته،

طول و اختصار کا مسئلہ ایسا ہے جس کا تعلق مقتضائے حال سے ہے، کاتب جس چیز پر لکھتا ہے اس کو خیال کرتے ہوئے ایجاز سے کام لیتا ہے، اور کبھی اطناب سے خطبا میں بھی بعض خطیب طولانی خطبے دیتے ہیں اور بعض مختصر سے

وكان من الخطباء من يطيل وكان منهم من يوجز ولا يرجعون في ذلك الى قاعدة غير المناسب التي يوجب الكلام، فتقضى مرة بالاطناب ، ومرة بالايجاز و سحبان وائل الذي عرف بالتطويل وبانه كان يخطب احيانا نصف يوم أثرت عنه الخطب القصيرة الموجزة وذلك يدل على ان الفطرة كانت غالبة على ذالك العصر، ان القاعدة المطروة لم تكن شيئاً آخر غير مراعاة الظروف و رسائل علي بن ابي طالب وخطبه ووصاياه وعهوده الى ولاته تجري على هذه النمط فهي يطيل حين يكتب عهدا يبين فيه ما يجب على الحاكم في سياسة القطر الذي يرعاه ويوجز حين يكتب الى بعض خواصه في شان معين لا يقتضى التطويل۔"

کوئی خاص قانون نہیں مقرر تھا جس کی طرف وہ رجوع کرے یا اُس پروہ پابند ہو، سوائے مناسبت حال کے اس لئے خطبے کبھی طولانی ہوتے تھے اور کبھی مختصر، سحبان وائل جو طولانی خطبہ دینے میں مشہور ہے اور جو آدھے آدھے دن تک خطبے دیا کرتا تھا اس کے مختصر اور چھوٹے خطبے بھی ملتے ہیں، یہ امر اس بات کی دلیل ہے کہ اصول فطرت کی پابندی کا زیادہ لحاظ اس زمانہ میں کیا جاتا تھا کوئی خاص قاعدہ نہ تھا، اس کتابت میں جس چیز پر لکھتے تھے اس کی رعایت ضرور ملحوظ ہوا کرتی تھی، حضرت علیؑ کے رسائل و مکتوبات خطبے وصایا اور گورنروں کے نام فرامین وعہود بھی اسی اصول پر تھے۔ پس کبھی حضرت اپنے فرامین اور عہد ناموں کو اس لئے طول دیتے تھے کہ حکام متعینہ تفصیل کے ساتھ سیاست و حکومت کے اصول و قواعد سے واقف ہو جائے جس کی اس کو اپنی ولایت میں ضرورت ہے اور کبھی اپنے خواص عمال کو اختصار سے ہدایت قلمبند فرماتے ہیں کیونکہ وہاں طول و اطناب کی ضرورت نہیں ہے۔"

(النثر الفنی الجزء الاول ص۵۵، ۵۹ طبع مصر)

عہد نامہ مالک اشتر بھی مقتضائے حال کی بناپر طویل ہے

حضرت کا وہ مشہور و معروف عہد نامہ جو مالک اشتر کے نام ہے اسکے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہے کہ یہ طولانی ہے، وکتور زکی مبارک کی تقریر سے یہ ایراد بھی برطرف ہو رہا ہے، یہ عہد نامہ نہج البلاغہ میں موجود ہے، اور سید رضی سے پیشتر کے مصنفات میں بھی یہ پایا جاتا ہے چنانچہ اس کو شیخ اجل محمد بن حسن بن علی بن شعبۃ الحلبی المتوفی سنہ ۳۳۲ھ نے بہ تمام و کمال اپنی کتاب تحف العقول میں درج کیا ہے۔

عہد نامہ کے مضامین علیؑ کے زمانہ سے ارفع و بلند ہیں؟ اس اعتراض کا شیخ عبد اللہ علائلی کی طرف سے جواب

رہا یہ امر کہ ایسا مہتم بالشان دستور سیاسی امیر المومنینؑ کی طرف کیونکر منسوب ہو سکتا ہے، جبکہ اس کے مضامین عالیہ علیؑ کے عہد سے ارفع و اعلیٰ ہیں! اس جواب شیخ عبد اللہ العلائلی کی زبان سے سنیئے:۔

وهذا يوصلنا الى التنظيم الكامل

اس امر سے ہم اس نتیجہ تک پہونچتے ہیں کہ

الم يتم فى عهد الخلفاء لانهم لم يستقروا
فى حياة مدنية خالصة تدعوهم اليه على
انهم قطعوا اشواطا فى سبيل التنظيم العام
ولا يتوهمن متوهم حينما نتكلم النظام
اننا نعنى الناحية التشريعية التى كملت
بالقرآن وانما نعنيه من الناحية العلمية
الاجرائية اى من ناحية التشكيلات التى تترتب
خاصة وان الواقف على الكتب التى عنيت
بهذه الناحية من الدرس ككتاب الماوردى
الموسوم بالاحكام السلطانية يقع على
تقنينية ومحاولات تنظيمية تمت فى عهد
الخلفاء الا انها لم تجاوز هذه الصفة
اى لم تنسق على وجه يسمح لنا باطلاق
اسم النظام عليها الا فى توسع ومجازية و
هذه المحاولات والتجربات الهمت ذوى
العقليات القضائية العميقة ان يتقدموا
بدستور النظام العام بكافة ما يلزم منه
ومما لاريب فيه ان عليا كان صاحب اكبر
عقلية قضائية نظامية فى هذا العهد
فهو قد استفاد من كل ما مر بالحكم العربى
الاسلامى من اشكال وايضا لمس حاجة
المجتمع من وجه ومحاسن ومساوئ المحاولات
التى خاولها الخلفاء من قبله ومن وجه اخر
تقدم بدستوره التنظيمى العظيم فى عهده
الى الاشتر النخعى بعد الاختيار والامتحان
الواقعى وهذا العهد يشك فيه بعض
الباحثين مستندين الى ان الافكار النظامية

خلفاء ثلثہ کے دور میں امور سلطنت کی کامل تنظیم نہیں
ہوسکی تھی، چونکہ ان لوگوں کی حیات مدنی (شہری زندگی)
میں استحکام و قرار نہ تھا اس لیئے اس کی طرف متوجہ ہونے
کی ضرورت ہی نہ تھی، ہاں عمومی انتظامات کے لیئے ان
لوگوں نے اپنے قدم اٹھائے، میرے اس بیان کے کوئی یہ
غلط نہ سمجھے کہ نظام مدنی سے میری مراد قانون شریعت ہو
جس کو قرآن نے مکمل کیا ہے بلکہ میری مراد یہاں پر اجراء
قانون و تشکیلات مدنیہ سے ہے میں اسی امر کو کہہ رہا ہوں
کہ خلفاء اس طرف نہیں متوجہ ہوئے جو شخص کہ اس موضوع
کی مصنفات جیسے علامہ ماوردی کی کتاب احکام السلطانیہ
کو پڑھے تو اس کے سامنے عہد خلفاء کے انتظامات ارادی
و تدبیر مملکت کا خاکہ نگاہوں کے سامنے آجائے گا لیکن ناقص
صورت میں جس کو مکمل نظام سلطنت نہیں کہہ سکتے لیکن
اتنے زمانہ کے تجربات و انتظامات نے گہری
فکر و نظر رکھنے والے مدبران حکومت کو اس طرف متوجہ کردیا
تھا کہ وہ ایک مکمل دستور حکومت و نظام سلطنت کو لکھ کر
پیش کریں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس عہد میں علی
علیہ السلام سب سے بڑے مقنن و دستور حکومت کے ماہر تھے
اس لیئے کہ آپ نے حکومت اسلامیہ عربیہ کی ہر شکل کو دیکھا
اور سمجھا تھا، اور عوام کے مطالبات و ضروریات کو اچھی
طرح جانتے تھے اور اپنے ماسبق کے خلفاء کی طرز حکومت
کی اچھائی و برائی نگاہوں کے سامنے تھی اس بناء پر ملت
اسلامیہ کے ہر قسم کے امتحانات و تجربات کے بعد آپ نے
ایک مکمل جامع و مانع دستور سلطنت و نظام حکومت
کو عہد نامہ مالک اشتر کے نام سے امت اسلامیہ
کے سامنے پیش کردیا۔ بعض لوگوں کو اس امر میں شک
ہے کہ یہ عہد حضرت ہی کا ہے، اس لیئے کہ اس میں جو

التی یجتوی علیها لا تسمح باضافتها
الی عصر علیؑ، ومما ذکرنا نتبین بانہ
لا محل للشک، لان علیاء موھوب فی
القضایا والادارۃ ما فی ذالک شک حتی قیل
قضیۃ ولا ابا حسن لها:

وقد اھتم المشترعون بعد ذالک بجمع
اقضیتہ واحکامہ وتنظیماتہ فالف الترمذی
کتابا فی مجلدین دعاہ "اقضیۃ علی" و
الف ابن قیم الجوزیۃ کتابا فی "السیاسۃ
الشرعیۃ" ملأہ باقضیتہ فھذا یدلنا علی
ان علیاء کان یمتاز بعقلیۃ نادرۃ فی القضاء
المتصل بالتنظیم وکان المحاولات التی
صدرت من ابی بکر جاء نحو نیھا وعمر کان
اکثر تشبثا بالتنظیم ومیلا الیہ فکثرت
فی عھدہ التشکیلات نوعا ما ثم جاء
عثمان فاقر نظما وغیر نظما واستحدث مثل
ذالک وعلیؑ یرقب کل ھذا التطور النظامی
ومتصل بالشعب یری مقدار رضاہ عن ھذا
الترتیبات فاستفاد من ھذہ المحاولات التی
مرت بہ الی ما عندہ من فطرۃ قضائیۃ
خارقۃ، بذالک استطاع ان یطابق بین
اما فی الناس وبین النظم التی تحکمھم و
ان یعطی ایضا تشریعات اصلاحیۃ تتصل
بالاجتماع والسیاسۃ والنظام العام،
فاذا کان النبی ھو المشرع القانونی
فان علیاء ھو المشرع النظامی، فعھد
علیؑ الاشترا لنخعی لیس فیہ ما یدعونا

نظام و دستور مندرج ہے، وہ عہد حضرت کے سطح فکر
سے بلند ہے لیکن یہ شک درست نہیں ہے اور یہ دلیل
بہت ہی کمزور ہے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے
کہ حضرت علیؑ میں انتظام سلطنت و تدبیر حکومت و تشکیل
ادارہ کا علم خداداد وہبی تھا، قانون و دستور کے علم میں
آپ محتاج تعلیم نہیں تھے، آپ ہی کے لیئے یہ مثل مشہور ہو گئی
ہے "قضیۃ ولا ابا حسن لھا" اور بڑے بڑے علمائے شریعت
نے آپ کے قضایا و دستورات کو جمع کر کے کتابیں لکھ ڈالی
ہیں مثلاً ترمذی نے دو جلدوں میں کتاب اقضیہ علیؑ لکھی
اور علامہ ابن قیم جوزی نے کتاب السیاستہ الشرعیہ
لکھی جو حضرت کے قضایا سے بھری ہوئی ہے یہ دلیل
ہے اس امر پر کہ حضرت علی علم نظام حکومت و قانون
ریاست و احکام سلطنت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے
خصوصاً ابوبکر و عمر کی حکومت کی پالیسی اور عثمان کی
منتظم و غیر منتظم سلطنت کو آپ اچھی طرح ملاحظہ فرما چکے
تھے چونکہ آپ کو جمہور امت سے اتصال تھا اس لیئے
ان حکومتوں میں عوام کی رضا و عدم رضا کے اسباب کو
بھی اچھی طرح سمجھتے تھے اس لیئے آپ نے سیاسی معاشی حالات
سے اچھی طرح مطلع ہو کر اپنے خداداد علم و مافوق العادہ
فطری قابلیت سے مفاد امت کے لیئے ایک مکمل دستور
لکھ دیا جو تدبیر حکومت و سلطنت و معاشرتی و سیاسی
اصلاحات و ضروریات پر حاوی ہو ہیں اگر پیغمبر اکرم
شارع شریعت اسلام ہیں تو پھر علیؑ قانون ساز حکومت
اسلامی ہیں، عہد نامہ مالک اشتر میں کسی قسم کے شک
و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ بے شک وہ
امیر المومنین علیؑ ہی کا خود نوشتہ سب سے پہلا اسلامی
دستور حکومت ہے جو فرمان شاہی کی حیثیت سے

الى الشك فيه او استبعاده عنه وهو
اول دستور حكومى صدر كمرسوم فى
الاسلام ويظهر من هذا العهد انّ
عليًا كان يرمى فى مدة خلافته الى
اخذ الشعب الاسلامى الذى تركب بما
شمل من الامم المختلفة بعمل تشيدى
عظيم وكان عملًا موفقا جدًا ونظاميًا
جدًا لانه الطب بادواء المجتمعات
من النواحى التشريعية، ولكن الثورة
الداخلية التى اثيرت عليه واخذت
حول شخصيه، اعجلته واوقفت حركاته
الاصلاحية التى ابتدأها بجزم وشدة

سے ایک گورنر کے نام صادر کیا گیا اس فرمان
سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت علیؑ
اپنے زمانۂ خلافت میں مختلف قوموں ونسلوں سے
ترکیب پائی ہوئی امت اسلامیہ کی اصلاح وفلاح و استحکام
کے لیے ایک زبردست اسکیم عمل میں لانا چاہتے تھے،
حضرت کا یہ معاشرتی وسیاسی پروگرام اجراء ہوتا تو
بہت ہی مفید ہوتا اس میں ملت کے ہر درد کا درمان
تھا لیکن اندرونی شورش وبغاوت نے (حکیم ملت
ومصلح اعظم کے) ان اصلاحات کے نفاذ کا موقع ہی
نہ آنے دیا۔
(تاریخ الحسین نقد وتحلیل صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۲،
طبع بیروت)

عہدنامہ کی سبک تحریر علیؑ ہی کے اسلوب طرز پر ہے

علاوہ ازیں عہدنامہ مالک اشتر کا اسلوب انداز بیان، سبک تحریر، طرز عبارت خود اپنے مقام پر ایک زبردست ثبوت ہے کہ اس کا لکھنے والا امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کے علاوہ اور کوئی دوسرا نہیں ہے، اسی بنا پر دکتور رفاعی اپنے "المقدمہ" میں اسکو نقل کرنے سے پہلے اس کی طرف ان الفاظ میں متوجہ کرتے ہیں:-

والیك عهد امیر المومنین الامام
علی کرم الله وجهه ورضی الله عنه للاشتر
النخعی وارجو ان تذکر اسلوب علیؑ
واثره - (المقدمة صفحہ مطبعة المعارف مصر)

اور یہ تمہارے سامنے امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کا
وہ عہد ہے جس کو حضرت نے مالک اشتر کے لیے
تحریر فرمایا تھا امید ہے کہ تم اس سے حضرت کے اسلوب
وطرز کو معلوم کر لوگے۔

صاحب حماۃ الاسلام علامہ مصطفےٰ بک نجیب حنفی مصری اس عہدنامہ کو حضرتؑ ہی کا کلام سمجھتے ہیں۔

علامہ مصطفےٰ بک نجیب حنفی مصری حماۃ الاسلام میں لکھتے ہیں:-

لو اصلحت دعوة من النفوس فاسدها
وداوت مرضها لكان دعوته رضی الله
عنه فی صلاح حال المسلمین جمیل الاثر
ولو ساعد الدهر لارتقت الامة العربیه

اگر کوئی پیغام فساد نفس کی اصلاح اور اس کے
مرض کا علاج بن سکتا ہے تو حضرت کا پیغام (جو آپ کے
خطب وکلام میں پایا جاتا ہے) مسلمانوں کے صلاح حال
کیلئے بہترین عنوان سے اثر انداز ہو سکتا ہے، اگر کہیں زمانہ

فی عهده حتی شقت الفلک بارتقائها
وناقست بواسطته الامم فی کل شئ
وناهیك بمن جمعت بعض حکمه فقامت
بها الاسفار وتأتیت بعض معجزات بلاغته
فنزلت علی لینها ما اسیمو من الارواح ای
وجدان لطیف یخاطب الناس بما یعیشهم
و ینعشهم ویرقی بهم بسلم البرهان الی
الکمال، تتعلق بالافکار فن الاتیان بمثل
عهده رضی الله عنه للاشتر النخعی الذی
ملأه بالاوامر الصادعة والزواجر الرادعة
وطالب الناس بالطاعة علیه وحملهم باتباع
ما فیه، هو اول قانون لسیر العمال فی الامة
الاسلامیة۔

مساعد ہوتا تو حضرت کے عہد میں قوم عرب انتہائے اوج
تک ترقی کرتی اور اقوام عالم پر سبقت حاصل کرکے ہر
امر میں آپنا فخر کرتی کافی ہو تمہارے لیے یہ امر کہ جب نے حضرت
کے کثیر کلام میں بعض کلمات کو جمع کیا تو اس تدوین و
جمع کے باعث یہ مجموعہ بڑے بڑے اسفار پر سبقت لے گیا
اور جب پڑھ دیا گیا آپ کا کلام معجز نظام تو اس سے
روحوں میں گداز اور پتھر ایسے دلوں میں نرمی پیدا ہو گئی،
حضرت کس باطنی اور روحانی طاقت سے لوگوں کو خطاب
کرکے ان کو پستی سے بلندی کی طرف جانے میں اعانت کرتے
ان میں امنگ و ولولہ پیدا کرکے دلائل و براہین کی نردبان سے کمال کی
بلندی پر پہونچا دیتے ہیں آپ کے بے مثال حکیمانہ کلام کا
تعلق تعقل، تدبر اور انسانی غور و فکر سے ہے جیسا کہ آپ کا
وہ عہدنامہ جو مالک اشتر کے نام ہے جو حیات انسانی میں
کام آنے والے اوامر و نواہی میں سمو جانے والے اور امر و نواہی کا گنجینہ ہے جس پر عامل اور کاربند ہونے کے لیے نوع انسانی
کو دعوت دی گئی ہے دراصل امت اسلامیہ میں کارگذاران حکومت کے لیے یہ سب سے پہلا دستور و قانون ہے۔

الاستاذ محمد ابو النصر (بیروت یونیورسٹی) | حیات علی ابن ابی طالب" کی فصل ۳۲ سی ام میں بضمن آثار ادبی
امیر المومنین لکھتے ہیں:۔

خطب امیر المومنین در برانگیختن مردم و توصیف
اطوار مختلف زندگانی آن عصر وہمچنین نامہ ہائے او بمعاویۃ
و دستور اداره کردن امور کشور بمالک اشتر از معجزات ادبی
محسوب میشود۔

امیر المومنین کے خطبے لوگوں میں عمل و فعلیت کا جذبہ
پیدا کرتے ہیں اور وہ خطبے آپ کے عہد کے مختلف طور و
طریقے اور حالات زندگانی کا آئینہ ہیں، اسی طرح آپ کے
خطوط جو معاویہ کے نام ہیں اور وہ دستور جو اصلاح
ملک و نظام سلطنت کے لیے آپ نے مالک اشتر کو عطا کیا یہ سب کے سب معجزات ادب عربی میں شمار ہوتے ہیں۔

الاستاذ احمد حسن الزیات نے تاریخ الادب العربی میں لکھا ہے:۔

وخطبة فی الحث علی الجهاد ورسائله
الی معاویة ووصفه الطاؤس والخفاش
والدنیا وعهده للاشتر النخعی ان صح
تعد من المعجزات اللسان العربی

جہاد پر ابھارنے والے حضرت کے خطبے اور
آپ کے وہ مکتوب و رسائل جو معاویہ کے نام ہیں، اور طاؤس،
شپرہ چشم، دنیا کی صفت جس طرح آپ نے بیان
فرمائی اور آپ کا وہ عہد جو مالک اشتر کے نام ہے

وبدائع العقل البشری (تاریخ الادب العربی صـ۱۱ طبع مصر) | شرا صحت کی بنا پر معجزات زبان عربی و بدائع عقل بشری میں شمار ہوتے ہیں۔

الاستاذ العلامہ السید احمد الہاشمی بک المصری نے اپنی کتاب "جواہر الادب فی ادبیات وانشاء لغۃ العرب" میں اس عہد نامہ کو امیرالمومنین کے کلام حیثیت سے قبول کرکے بہ تمام وکمال وارد کیا ہے۔ (جواہر الادب الفصل الحادی عشر صفحات ۴۰۰ تا ۴۱۵ طبع مصر)

مسیحی علماء وادباء بھی عہدنامہ کا اعتراف کرتے ہیں

یہاں تک کہ مسلم مسیحی ادباء بھی اس عہد نامہ کو امیرالمومنین کے آثار میں سمجھتے ہیں اور اسکی عظمت کے معترف ہیں چنانچہ عبدالمسیح الانطاکی مدیر جریدہ العمران مصر لکھتا ہے:

وفی هذا العهد من ضروب السیاسة	اس عہد نامہ میں اقسام سیاست، فنون حکمت اور
وفنون الحکمة من سیاسة الرعیة ما یخلق	وہ سیاست جس کا تعلق راعی ورعایا سے ہے سب کچھ موجود
به ان یکتب بر على الواح الذهب ویعلق	ہے یہ اس قابل ہے کہ سونے کی تختیوں پر لکھا جائے اور
على جدران دور الحکماء لیتأدّبوا بادبه	حکما و فلاسفہ کے مکانات میں آویزاں کیا جائے تاکہ اس سے
ویعلموا به لتسعد الرعیة وتعمر البلاد وهو	وہ حکمت وادب حاصل کرتے رہیں اور اس سے علم حاصل کر کے
وحده لیشهد لسیّدنا امیر المومنین بانّه	رعایا کی مدد اور ملک کو آباد رکھ سکیں صرف یہی ایک عہدنامہ
افضل من حکم النّاس وخیر من جاء للحکم	اس ثبوت کے لئے کافی ہے کہ امیرالمومنین تمام ایسے لوگوں
بالقسطاس واحکم من سطر السیّاسة الحکمیة	سے افضل ہیں جنھوں نے لوگوں پر حکومت کی اور تمام ان لوگوں سے
على صفحات القرطاس۔ (القصیدہ العلویہ	بہتر ہیں جنھوں نے عدل کی بنیاد پر فرماں روائی کی اور ان سے
لعبد المسیح الانطاکی ص۵۷۹ مطبوعہ عمیس فجالہ مصر)	برتر ہیں جنھوں نے سیاست حکمیہ کو ضبط تحریر کیا۔

وہ علماء اہلسنت جنھوں نے عہدنامہ کی مستقل شرح کی

صرف یہی نہیں بلکہ بعض علماء نے عہد مالک اشتر کی مستقل شرحیں لکھی ہیں جو اُن عمومی شروح کے علاوہ ہیں جو بضمن نہج البلاغہ کی گئی ہیں، ان مخصوص شرحوں میں علماء اہلسنت کی یہ شرحیں خاص اہمیت رکھتی ہیں، شیخ محمد عبدہ کی شرح مقبس السیاسہ جو ۱۳۱۷ھ میں مصر سے طبع ہوئی، اور الاستاذ توفیق الفکیکی کی شرح "الراعی والرعیہ"

تدبیر مملکت وسیاست کے متعلق حضرت کی دوسری تحریریں

امیرالمومنین کا صرف یہی ایک سیاسی "صحیفہ" نہیں ہے جس میں اصول جہانبانی کی تعلیم دی گئی ہے بلکہ حضرت نے جس قدر رسائل وفرامین اپنے گورنروں کو تحریر فرمائے ہیں وہ سب کے سب تدبیر مملکت وسیاست کی تعلیمات سے پر ہیں، اسی قسم کا عہد حضرت نے محمد بن ابی بکر کو بھی تحریر فرمایا تھا جس کو عمرو بن عاص نے محمد بن ابی بکر کو قتل کرنے کے بعد ان کے سامان سے حاصل کرلیا تھا اور اُسکو معاویہ کے پاس بھیجدیا تھا۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید نے اس واقعہ کو لکھا ہے۔ ملاحظہ

۱۵۔ شرح ابن ابی الحدید جلد دوم ص۲۸ طبع مصر۔ ابن ابی الحدید کہتے ہیں:-

ان یکون کتاب الذی کان معاویۃ
ینظر فیه ویعجب منه ویفتی به ویقضی
بقضایاه واحکامه وهو عهد علی علیه السلام
الی الاشتر فانه نسیج وحده ومنه تعلم
الناس الاداب والقضایا والاحکام والسیاسة
وهذا العهد صار الی معاویة لما سم الاشتر
ومات قبل وصوله الی مصر فکان ینظر
فیه ویعجب منه وحقیق مثله ان یقتنی فی
خزائن الملوک۔ (ابن ابی الحدید جلد دوم ص۲۸ طبع مصر)

وہ کتاب ہے، جس کو معاویہ حیرت و عظمت کی نگاہوں
سے دیکھا کرتا تھا اور جس کے مطابق احکامات اور فیصلے
صادر کرتا تھا اور فتوے دیتا تھا وہ امیر المومنینؑ کا وہ
عہد نامہ ہے جس کو آپ نے اشتر نخعی کے لیے تحریر فرمایا تھا کیونکہ
اس کا اسلوب و طرز نایک ہی ہے۔ در اصل حضرت ہی سے
لوگوں نے آداب سلطنت، قضایائے حکومت و احکام سیاست
کی تعلیم حاصل کی ہے اور یہ عہد نامہ معاویہ کو اس وقت ملا ہے
جب کہ اشتر نخعی کو مصر پہونچنے سے پہلے ہی راہ میں زہر سے
ہلاک کر دیا گیا ہے اور ان کے سامان سے یہ عہد نامہ لیکر
معاویہ کے پاس بھیج دیا گیا ہے، یہ عہد نامہ اس قابل ہے کہ سلاطین کے خزانوں میں اسکو محفوظ کر دیا جاوے۔

اس مقام پر ابن ابی الحدید کو دھوکا ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ جب مقام عریش میں معاویہ کی خفیہ سازش
سے مالک اشتر کو زہر دیا گیا ہے تو اُن کا سامان لوٹا نہیں گیا وہاں تو معاویہ کا مقصود صرف یہ تھا کہ خفیہ طریقے
سے علیؑ کے سپہ سالار کو زہر سے ختم کر دیا جائے تاکہ دنیا سمجھے کہ وہ اپنی طبعی موت سے مرے، اس لئے اُن کے سامان سے
تعرض نہیں کیا جا سکتا تھا، کیونکہ اس سے افشائے راز کا خوف تھا علاوہ ازیں عہد نامہ مالک اشتر ضائع نہیں ہوا بلکہ
حضرت کے صحابی اصبغ بن نباتہ مجاشعی کے پاس مدون و محفوظ تھا (منہج المقال) ہاں حضرتؑ کا وہ فرمان
جو آپ کے اصحاب کے پاس محفوظ نہ رہا اور ضائع ہوا وہ وہی ہے جو آپ نے محمدؐ بن ابی بکر کے نام لکھا تھا جس کے متعلق
حضرت نے محمدؐ کی شہادت کے بعد ارشاد فرمایا تھا۔

انی استعملت محمد بن ابی بکر علی
مصر فکتب الی انه لا علم لی بالسنة
فکتبت کتابا فیه ادب وسنة فقتل واخذ
الکتاب۔
(ابن ابی الحدید جلد دوم ص۲۸)

جب میں نے محمدؐ بن ابی بکر کو مصر کا گورنر مقرر کیا تو انہوں
نے مجھ کو لکھا کہ مجھ کو سنت (تعلیمات نبوی و اسلامی طریق
حکومت کا علم نہیں ہے پس میں نے ان کو آداب حکومت و
تعلیمات پیغمبرؐ کو لکھ بھیجا مگر دشمنوں نے ان کو قتل کر کے
اس کتاب کو ضبط کر لیا۔

یہ محمد بن ابراہیم الثقفی کی روایت ہے جس کو کہ اس نے عبد اللہ بن محمد المدائنی سے نقل کیا ہے اس سے صاف
ظاہر ہے کہ یہ فرمان وہ نہیں ہے جو مالک اشتر کے نام لکھا گیا تھا، در اصل جب محمد بن ابوبکر فسطاط مصر میں
عمرو عاص کی فوج سے شکست کھا کر قتل کیے گئے تو ان کے سامان کو بھی دشمنوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا جس میں
حضرت کا یہ مکتوب بھی تھا جو معاویہ کے بھیج دیا گیا تھا اور جس کے لئے معاویہ نے ولید بن عقبہ سے یہ کہا تھا کہ

میں لوگوں سے یہ کہوں گا کہ یہ ابوبکر صدیق کی تحریر ہے جو اُن کے بیٹے محمد کے پاس تھی، امیر المومنین کو اس گرانقدر تحریر کے ضائع جانے کا افسوس بھی تھا جیسا کہ محمد بن ابراہیم الثقفی بیان کرتا ہے۔

فلما بلغ علیا علیه السلام ان ذلك الکتب صار الی معاویة اشتد علیه حزنًا۔

جب حضرتؑ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ کتاب معاویہ کے پاس پہونچ گئی تو آپ کو اس پر بہت افسوس ہوا۔

(ابن ابی الحدید جلد دوم ص۲۹)

تاریخ کی اس شہادت کے بعد اب معترض کا یہ اعتراض کیا وقعت رکھتا ہے کہ آپ نے مالک اشتر ہی کو ایسا دستور کیوں عطا فرمایا، محمد بن ابی بکر کو جب کہ وہ مصر کے گورنر تھے کیوں نہیں عطا کیا گیا تھا؛

رسالہ المقتطف کا فریب، ۵۸۰ھ کے بعد عہد نامہ مالک اشتر کا اضافہ ہوا

لیکن ان حقائق و دلائل کے بعد اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز لندن یونیورسٹی کے پروفیسر خلوصی ایک متعصب مسیحی رسالہ "المقتطف" ۱۰ مارچ ۱۹۱۳ء مطابق ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ جلد ۴۲ پر ایمان لے آئے ہیں اور آپ اس کے صفحہ ۲۴۸ کو دلیل و حجت کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں، اس رسالہ میں "عہد الامام علی و کتاب السلطان بایزید الثانی" کے زیر عنوان یہ لکھا گیا ہے کہ سلطان بایزید ثانی متوفی ۱۵۱۲ء کا نسخہ عہد نامۂ مالک اشتر جس کی کتابت ۵۸۰ھ ہجری ہے وہ بہت مختصر ہے بمقابلہ اس عہد نامہ مالک اشتر کے جو نہج البلاغہ میں درج ہے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ زیادتی ۵۸۰ھ ہجری سے زمانہ طبع نہج البلاغہ مطبوعہ مصر بیروت ۱۳۰۷ھ ہجری کے درمیان واقع ہوئی، یہ دلیل ایسی ہے جس سے بچوں کو بھی ہنسی آئے کہ لندن یونیورسٹی کا پروفیسر اتنا سادہ لوح ہے لیکن ایک ہوشمند اس پر روئے گا؛ بریں عقل و دانش بباید گریست!

اس لیئے کہ گر ہمیں مکتب است و ایں ملا کار طفلاں خراب خواہد شد

سلطان بایزید ثانی سے تقریبا ساڑھے چار سو برس پہلے نہج البلاغہ کی تدوین ہوئی جس کے تمام نسخوں میں عہد نامہ موجود ہے

دنیا جانتی ہے کہ سید رضی نہج البلاغہ کی تالیف سے رجب ۴۰۰ھ ہجری میں فارغ ہوئے ہیں جیسا کہ آخر کتاب میں سید رضی نے خود اختتام سال تالیف کو درج فرمایا ہے جو مطبوعہ و مخطوطہ نہج البلاغہ کے ہر نسخہ میں موجود ہے اس کے بعد علماء روادبا میں یہ کتاب برابر متداول و مشہور رہی شارحین اس کی شرح کرتے رہے اگر بعد میں زیادتی ہوتی تو کوئی شارح اس پر ضرور تنبیہ کرتا۔ نہج البلاغہ کے مخطوطات بھی بکثرت محفوظ و موجود ہیں[۹۵] ۵۸۰ھ سے پہلے ۴۹۹ھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ نہج البلاغہ نجف میں موجود ہے اس کے علاوہ ایک نادر مخطوط شہر

---

۹۵ ایک نسخہ بغداد کے میوزیم میں ۵۴۴ھ کا لکھا ہوا موجود ہے ایک نسخہ ڈاکٹر نصیری کے ذخیرہ میں ، صفر ۴۹۹ھ کا موجود ہے جس کا کاتب علی بن طاہر بن ابی سعد ہے ایک قدیمی نسخہ مکتبہ طلعت میں ۵۵۳ھ کا لکھا ہوا موجود ہے جس کا کاتب حسین بن محمد الحسنی ہے۔ (مجلہ معہد مخطوطات العربیہ) مؤلف

موصل مدرسہ "حسن پاشا" میں ہے جو محلہ "رابعیہ" میں واقع ہے، یہ نسخہ ورق حریر پر قدیم رسم الخط میں نہایت خوشخط قلمی ہے جسکے حواشی مختلف رنگوں سے مزین ہیں، ان رنگوں میں طلا جو رہی رنگ کو خاص خصوصیت ہے، جلد سیاہ ہے اور اس پر نقش ونگار بنائے گئے ہیں خاص خصوصیت یہ ہے کہ یہ نسخہ دولت بنی عباس کے مشہور کاتب یاقوت المستعصمی" کا لکھا ہوا ہے، کاتب نے ان الفاظ کے ساتھ اپنے نام کو لکھا ہے" کتبہ الفقیر الی رحمۃ اللہ تعالیٰ یاقوت بن عبد اللہ الکاتب النوری" یہ امر ضرور قابل توجہ ہے کہ کاتب نے اپنی عادت کے مطابق اپنے کو "خلیفہ مستعصم باللہ العباسی" کی طرف منسوب نہیں کیا ہے بلکہ بجائے "مستعصمی" کے "نوری لکھا ہے" اسکی وجہ یہ ہے،

قد صح النقل عن بعض الثقات ان قدوۃ الکتاب یاقوت المنسوب الی المستعصم باللہ اخر الخلفاء العباسیہ بعد ان قتل المستعصم لم ینسب نفسہ الیہ حذرًا واحتیاطًا بل کتب بدل المستعصمی "النوری" نسبۃ ارادتہ وارتباطہ الی ابی الحسین النوری الذی ھو من خلفاء الجنید البغدادی قدس سرہ

یاقوت المستعصمی نے خلیفہ مستعصم باللہ کے قتل کے بعد بسبب خوف واحتیاط کے اپنے نام کے ساتھ مستعصمی لکھنا ترک کردیا تھا اور ابو الحسین النوری جو جنید بغدادی کے خلفاء میں سے تھے کے ساتھ ارادت وعقیدت رکھنے کی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ نوری لکھنے لگا تھا

(مخطوطات الموصل "تالیف دکتور داؤد الچلپی الموصلی صفحہ ۱۲۸ و ۱۲۹ طبع مطبع فرات بغداد ۱۳۸۶ھ)

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ یاقوت نے صفر ۶۵۶ھ کے بعد اس نسخہ کی کتابت کی ہے[۵۱] اس لئے کہ ۱۴ صفر ۶۵۶ھ کو مستعصم قتل ہوا ہے، ۶۸۱ھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ خطی بخط عرب کتب خانہ" ناصریہ لکھنؤ میں موجود ہے جس کی کتابت محمد بن حسین معروف بہ برہان نظامی گجبی نے کی ہے جو علماء اہلسنت سے ہیں، موصوف نے صرف کتابت ہی نہیں فرمائی ہے بلکہ حاشیہ حل لغات اور تشریحات وافادات کا اضافہ بھی فرمایا ہے، جس کی حیثیت ایک مستقل شرح کی ہوگئی ہے، اس نسخہ میں از ورق ۱۰۱ تا ورق ۱۰۶ بہ تمام وکمال عہدنامہ مالک اشتر موجود ہے، ورق ۱۰۳ کے حاشیہ پر نفس عہدنامہ کے متعلق یہ افادہ فرمایا ہے۔

فائدہ ۔ ھذا العھد کانت عامًا شایعًا لجمیع المسلمین وان لم یکن الاشتر عمل بہ فانہ توفی بہ عن قلیل بعد ذالک۔

یہ عہدنامہ تمام مسلمانوں میں عام طور سے رائج وشائع رہا ہے اگرچہ مالک اشتر اس پر عامل نہ ہوسکے کیونکہ صدور عہدنامہ کے بعد ہی ان کی وفات واقع ہوئی۔

---

[۵۱] ایک نسخہ بخط یاقوت مستعصمی کا ذکر مجلہ معھد المخطوطات مجلد ثالث جزو اول صفحہ پر بھی ہے۔ مؤلف

ورق ۳۰۱ پر تاریخ کتابت ان لفظوں میں درج ہے:-

وقع الفراغ من نسخة يوم الثلثا الرابع والعشرين من ذی الحجة وهو يوم المباهلة ونعم ما وافق اتمام المختار كلام الامام المقدم للمناضلة والمدعو للمباهلة يوم المباهلة سنه اربع وسبعين وستمائة هجرية بخط العبد المذنب الضعيف المجرم النحيف محمد بن الحسين المعروف ببرهان النظامی الكجي حامدا ومصليا۔

اس نسخہ کی کتابت سے سہ شنبہ کے دن ۲۴ ذی الحجہ کو فارغ ہوا یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ ایسے امام کا منتخب کلام جو فصاحت و خطابت میں سب سے مقدم اور جو یوم مباہلہ (رسول صلعم کے ہمراہ اہل کتاب کے مقابلہ میں) مباہلہ کے لیے طلب کیا گیا، روز مباہلہ ۶۷۴ھ میں اس کے کلام کی کتابت کو ختم کیا، بخط بندہ گنہگار و ضعیف و مجرم و نحیف محمد بن حسین معروف بہ برہان نظامی کجی، حمد ہے خدا کی اور اس کے رسول پر درود و سلام۔

اسکے قدیمی نسخہ جو ۵۱۰ھ کا لکھا ہوا ہے ممتاز العلما سید محمد تقی صاحب کے کتب خانہ شہر لکھنؤ میں موجود ہے، جس کا خط بہت ہی پاکیزہ ہے۔ ایک دوسرا قدیمی مخطوط نہج البلاغہ جو ۵۳۳ھ کا تحریر کیا ہوا ہے لیٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں موجود ہے جو بضمن کتب ادب نمبر ۸۹ پر محفوظ ہے، لیکن ان میں سب سے قدیم ترین نسخہ کو میں نے ۲۷ ستمبر ۱۹۴۵ء مطابق ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ یوم دوشنبہ کو طہران میں ڈاکٹر سید صدر الدین نصیری کے مخطوطات مخطوطات میں دیکھا ہے یہ نسخہ ۴۹۴ھ کا لکھا ہوا ہے جو علامہ سید رضی متوفی ۴۰۶ھ کے انتقال کے ۸۸ سال بعد کا تحریر کردہ ہے، اسکے کاتب نے اپنے نام اور سال کتابت کو ان الفاظ میں لکھا ہے:-

فرغ من كتابته فضل الله بن طاهر بن مطهر الحسينی فی الرابع من رجب سنة اربع وتسعين واربعمائة۔

اس کی کتابت سے فضل اللہ بن طاہر بن مطہر حسینی نے چوتھی ماہ رجب ۴۹۴ھ میں فراغت حاصل کی ہے

اس نسخہ پر الاستاذ الامام ابو یوسف بن احمد نے اپنے خط سے یہ اشعار لکھے ہیں:-

نهج البلاغة نهج مهيع جدد ۔۔۔ لمن يريد علوا ما له امد

يا عادلا عنه تبغی بالهوی رشدا ۔۔۔ اعدل اليه ففيه الخير والرشد

---

[1] اس نسخہ کی ترقیمہ عبارت یہ ہے:- وفرغ من تحريره الفقير الی رحمة الله تعالی العبد المذنب علی بن ابی القاسم بن علی الحاج فی المنتصف من شعبان عظم الله بركاته من شهور سنة ثلثين وخمسمائة الهجرية السنة التی حج فيها الكاتب۔

[2] اس قدیمی مخطوطہ کا ذکر مجلہ معہد المخطوطات العربیہ کے مجلد سوم جزء اول صفحہ ۲۷۳ پر بھی موجود ہے۔ مجلد سوم جزء اول ماہ شوال ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء

والله و الله ان الساركية عمرا — عن شافيات عظات كلها اسد

كانها العقد منظوما جواهرها — صلى على فاطميها ربنا الصمد

ماحالهم دونها ان كنت لا تنصفني — الا العنود والا البغي و الحسد

اس کے بعد علامہ مذکور کے خلف الصدق الاستاذ الامام ابوبکر الحسن بن یعقوب نے یہ اشعار لکھے ہیں:۔

نهج البلاغة روض جاوه درر — نهج البلاغة درج ضمنه درر

نهج البلاغة وشى حاكه صنع — من دون موشية الديباج والحبر

ارجونه مليت عطراماذا فتحت — خيشومنا فنفحت ريح لها اذفر

صدقتكم سادتى والصدق من عادتى — ودلكم خصلة شملها ماعابها بشر

صلى الاله على بحرا واذ بيه — رمت به تخونا مارالالا القمر

ان تمام نسخوں میں عہد مالک اشتر بغیر کسی فرق کے موجود ہے جو مطبوعہ نسخہ میں پایا جاتا ہے، پروفیسر خلوصی "مزید مطالعہ" کے لیئے یونیورسٹی سے رخصت لے کر ان مقامات پر جائیں وملاحظہ کریں اس مطالعہ میں آپ کو علامہ عبدالحسین احمد الامینی النجفی سے بھی کافی مدد ملے گی جن کی کتاب الغدیر کو دیکھ کر آپ اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ "ان قضية الغدير لا شك فى صحتها" (الغدیر جلد ۵ دیباچہ صفحہ و، ہ)

نہج البلاغہ کے قدیمی مخطوطات کو ملاحظہ فرمانے کے علاوہ اگر اس کی شروح پر نظر فرمائیے تو اس وقت بھی مسئلہ صاف ہو جاتا ہے۔

شرح ابن ابی الحدید عبدالحمید المتوفی ۶۵۵ھ اور شرح علامہ ابن میثم المتوفی ۶۷۹ھ ملاحظہ فرمائیے ان شروح کے مخطوطات و مطبوعات میں آپ دیکھیں گے کہ نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت و مصر میں جو عہدنامہ مالک اشتر ہے بعینہ وہی ان شرحوں میں بھی بغیر کسی فرق کے پایا جاتا ہے، نسخہ سلطان بایزید دوم تو ۸۵۵ھ کا لکھا ہوا ہے بقول "المقتطف" جب ۸۵۵ھ کے بعد سے اضافہ کیا گیا تو ان قدیمی نسخوں نہیں کیونکر اضافہ ہو گیا، بایزید ثانی کے نسخہ کو دیکھ یہ خیالی عمارت قائم کرنا کہ اگر اس سے قدیمی کوئی اور نسخہ عہد مالک اشتر کا ملے تو وہ اس سے بھی مختصر ہو گا، یہاں تک کہ آخری نسخہ چند سطروں کا رہ جائے گا کس قدر مضحکہ ہے۔ بایزید ثانی والا نسخہ تو ۸۵۵ھ کا لکھا ہوا ہے، لیجئے نہج البلاغہ جس کا سال تالیف ۴۰۰ھ ہے میں اس سے بھی قدیم کتاب میں وہی عہدنامہ مالک اشتر جو نہج البلاغہ میں ہے اسی اطناب و تنوع مضامین کے ساتھ دکھلا دوں چنانچہ محمد بن حسن بن علی بن شعبۃ الحلبی المتوفی ۳۳۲ھ نے اسی شرح و بسط کے ساتھ عہدنامہ مالک اشتر کو اپنی کتاب تحف العقول میں وارد فرمایا ہے، تحف العقول کے مخطوطات عراق و ایران و ہندوستان کے کتاب خانوں میں موجود ہیں اس کے علاوہ یہ کتاب عرصہ ہوا ایران میں طبع بھی ہو چکی ہے۔

سلطان بایزید دوم کا نسخہ عہدنامہ مالک اشتر اصل عہدنامہ کا خلاصہ ہو جس کو کسی صوفی نے کیا ہے

آخر اس امر کو تسلیم کرنے میں کیا قباحت ہے کہ سلطان بایزید دوم والا نسخہ جسکو ۸۵۸ھ میں "محمد نامی کاتب" نے لکھا ہے، وہ نہج البلاغہ یا تحف العقول سے اخذ کیا ہوا ہے، در اصل معلوم یہ ہوتا ہے کہ کسی شخص نے جو مذاق تصوّف رکھتا تھا اس نے عہدنامۂ مالک اشتر کا خلاصہ کیا ہے، اپنے مذاق تصوّف کی بنا پر جن چیزوں کو وہ ضروری سمجھتا تھا اُس نے ایک سلسلہ سے نقل کیا اور بقیہ مضامین کو حذف کر دیا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اسی نسخہ کے پہلے صفحہ پر پیشانی کے اوپر اصل عبارت کو شروع کرنے سے پہلے یہ لکھا ہوا ہے۔

کتاب امیر المومنین علی بن ابیطالب کرم اللہ وجھہ الی مالک بن الاشتر فی النصیحۃ من قبل التصوف۔

مکتوب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ بنام مالک اشتر مشتمل بمضامین تصوّف و نصائح۔

اب بتلایئے کیا عہد مالک اشتر کا موضوع تصوّف ہے یہ تو احکام سلطنت و تدبیر مملکت کا ایک دستور ہے، بات یہ ہے کہ خود سلطان بایزید بن محمد خاں کا مذاق بھی تصوّف کا تھا، اور مشہور صوفی محمد الاسکلیبی متوفی ۹۲۰ھ کا مرید تھا، سلطان بایزید کی ارادت کی وجہ سے صوفی "شیخ السلطان" کے لقب سے مشہور تھا اور سلطان بہت زیادہ اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ (الشقائق النعمانیہ برحاشیہ وفیات الاعیان جلد اول ص۳۲۳ طبع مصر) سلطان بایزید ۸۸۶ھ میں تخت پر بیٹھا ہے، سلطان کو اپنے پیر سے عقیدت ولیعہدی ہی کے زمانہ سے تھی جبکہ وہ اماسیہ کا حاکم تھا، کیا تعجب ہے کہ یہ نسخہ خود اُن کے پیر کا عطیہ ہو اور خود ان کے پیر ہی کا لکھا ہوا ہو، کیونکہ لکھنے والے نے صرف آخر میں یہی لکھا ہے "محمد الکاتب" اور اسی وجہ سے سلطان اس نسخہ کو متبرک و پیر کا عطیہ سمجھ کر اپنے پاس رکھتا ہو،

خلوصی صاحب کو ایک مشورہ

خلوصی صاحب کو اگر صرف ما بعد کے ایک مختصر و موجز نسخہ کے وجود سے یونہی استدلال کرنے کی عادت ہے تو میں موصوف مذاق طبیع کو ملحوظ کر کے اس طرف متوجہ کر دوں کہ کسی موقع اس پر بھی قلم اٹھایئے اور یونہی رائے قائم فرمایئے۔

ریونڈر الفانسو میگنا، ڈی، ڈی، Rev. Alphonse Mingana D.D

اگنس سمتھ لویس، ڈی، ال، ال ڈی، لٹریچر Agens Smith Lewis

ڈی، پی، ایچ، ڈی۔ D.D.L.L.D. Litt. D.P. H. D.

اساتذۂ ادبیات عربی دانشگاہ سامیہ نے سورہائے اعراف، توبہ، ہود، الرعد، ابراہیم، الحجر، النحل، الاسری، النور، القصص، العنکبوت، المومن فصلت الدخان، الجاثیہ کے اجزاء، بعنوان "تبذ ثمینۃ وقدیمۃ من القران الشریف" شائع کیا ہے، متذکرۂ بالا سوروں کے یہ اجزاء

ایسے تین قدیمی قرآن سے تعلق رکھتے ہیں جو مصحف عثمانی کی تدوین سے پہلے مدون ہوئے تھے، اسکے علاوہ ان قدیمی صفحات قرآن کے عکس (فوٹو) بھی دیے گئے ہیں، یہ سورے خط کوفی میں ہیں ان سوروں میں اور مصحف عثمانی میں جو سورے درج ہیں اختلاف ہے، اختلاف کے لئے اصل کتاب ملاحظہ ہو اسکا نام یہ ہے

Leaves from Three ancient Qurans, Possibly pre-Othmanic with list of Their variunts.

یہ کتاب ۱۹۱۴ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے شائع ہوئی ہے اسی کے ساتھ ہی ساتھ اس مخطوط قرآن کو بھی ملاحظہ کیجیے جو ہندوستان کے مشہور اورینٹل لائبریری بانکی پور پٹنہ میں ہے اس قرآن کا نمبر ۱۰۴۰ ہے اس قرآن کی ترتیب عثمانی ترتیب کے مطابق نہیں ہے، بلکہ تنزیل کے اعتبار سے سوروں کی ترتیب یوں ہے :

فاتحہ، علق، قلم، مزمل، مدثر، ابی لہب، تکویر، الاعلی، اللیل، الفجر، الضحی، انشراح، العصر، العادیات، الکوثر، التکاثر، الماعون، الکافرون، الفیل، الفلق، الناس، الاخلاص، النجم، عبس، القدر، الشمس، البروج، التین، قریش، قارعہ، القیٰمۃ، الہمزہ، المراسلات، ق، البلد، الطارق، القمر، ص، الاعراف، الجن، یٰسٓ، فرقان، الملٰئکۃ، مریم، طٰہٰ، ہود، یوسف، حجر، انعام، صافات، لقمان، السبا، الزمر، المومن، السجدہ، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، ذاریات، انبیاء، غاشیہ، کہف، نحل، نوح، ابراہیم، مومنون، الم سجدہ، طور، ملک، الحاقہ، معارج، النبار، النازعات، انشقاق، انفطار، محمد، رعد، رحمٰن، ہل اتیٰ، طلاق، بیّنہ، حشر، نصر، نور، حج، منافقین مجادلہ، حجرات، تحریم، الصف، جمعہ، التغابن، الفتح، التوبہ، المائدہ، النورین، الولایۃ۔

خاص خصوصیت یہ ہے کہ سب کے آخر میں دو سورے "سورۃ النورین" اور "سورۃ الولایۃ" زیادہ ہے جس میں اہلبیتؑ کا تذکرہ اور حضرت علیؑ کی خلافت کا ذکر نام کے ساتھ ہے۔

Catalogue of The arbic and persian manuscripts in The Oriemet public library at Bankipore, Patna, India. Vol. XVIII, Quranic Science part I by

مولوی معین الدین ندوی طبع بپٹسٹ مشن پریس کلکتہ ۱۹۳۰ء صفحہ ۴۴، نمبر قرآن ۱۷۴" متذکرۂ مخطوطات قرآن کے بعد پروفیسر خلوصی اسلامک ریویو لندن میں ایک مضمون اس موضوع پر لکھنے کے لئے تیار ہیں کہ موجودہ متداول مصحف عثمان ناقص، محرف، اور مشکوک ہے، کیونکہ جو ثبوت آپ نے عہدنامہ مالک اشتر کے سلسلہ میں دیا ہے اس سے زیادہ قوی دلائل آپ کو

یہاں مل جاویں گے، مزید ثبوت محدثین صحاح ستہ اور مفسرین و مؤرخین اہلسنت کے یہاں سے آپ کو فراہم ہو جاوے گا۔

خلوصی صاحب کا ایک ضمنی شبہہ کہ علیؑ کے عہد میں کاغذ کا وجود نہ تھا

خلوصی صاحب نے اپنے سلسلۂ کلام میں ایک شبہہ یہ بھی وارد کیا ہے کہ اوائل اسلام میں عرب میں کاغذ کا وجود نہ تھا بلکہ ۷۰۷ء مطابق ۸۸ھ میں پہلے حجاج بن یوسف نے کاغذ کا استعمال کیا، اس لیے حضرت علیؑ اپنے اس طول طویل عہد کو جو مالک اشتر کے نام ہے کیونکر لکھ سکتے تھے۔

جواب

پروفیسر خلوصی کے اس شبہہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف قرآن، حدیث، تاریخ اسلام ان سب سے بے خبر ہیں، اگر موصوف کا مطالعہ وسیع ہوتا تو یہ اشتباہ نہ وارد کرتے، قرآن مجید میں ایسی آیات موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت عربوں میں ایسی چیزیں موجود تھیں جن پر وہ لکھا کرتے تھے سورہ بقر کی ۲۸۲ آیت ملاحظہ ہو۔

"یاایها الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل فاکتبوه" — اے ایماندارو جب ایک میعاد مقرر تک کیلئے آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اس معاملہ کو لکھ لیا کرو۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس حضرتؐ کے عہد میں لکھنے پڑھنے سے لوگ واقف اور از قسم کاغذ ایسی چیزیں موجود تھیں جن پر لکھا جاتا تھا اگر ایسا نہ ہو تو یہ حکم مہمل ہو جائے گا۔ اب اگر یہ کہا جاوے کہ اس حکم کی پابندی ایک مختصر یادداشت سے ہو سکتی ہے اور ایسی یادداشت کسی چیز پر بھی تحریر ہو سکتی ہے یا یادداشت طویل عبارت سے متعلق ہے قرآن اس شبہہ کو بھی یوں دفع کرتا ہے۔

وقالوا اساطیر الاولین اکتتبها فهی تملی علیه بکرة واصیلا (فرقان آیت ۵) — اور کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن اگلوں کے قصے ہیں جن کو آنحضرتؐ نے لکھوا دیا اور صبح و شام لوگ آپ سے لکھے اور پھر سناتے ہیں۔

کیا اس آیت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ اس عہد میں کوئی ایسی چیز موجود تھی جس پر قرآن ایسی ضخیم کتاب جس میں سورۂ بقر کا سا طولانی سورہ بھی موجود ہو تحریر کیا جا سکتا تھا، جبھی تو کفار یہ طنز کرتے تھے رہا یہ امر کہ آخر وہ کون سی چیزیں تھیں جس پر وہ لکھا کرتے تھے، قرآن نے اس میں سے ایک شئے کو بتلایا ہے جس کو وہ قرطاس (paper) کہتے تھے۔

ولو نزلنا علیک کتابا فی — اے رسول اگر ہم قرطاس (کاغذ) پر لکھی لکھائی

قرطاس۔ (سورۂ انعام آیت ۷) کتاب بھی نازل کرتے۔

دوسری جگہ ہے "تجعلونہ قراطیس" (انعام آیت ۹۲) اس سے یہ معلوم ہوتاہے کہ نزول قرآن کے وقت عرب میں "قرطاس" کا وجود تھا جس پر لکھا جاتا تھا، قرآن میں خصوصیت کے ساتھ قرطاس کا ذکر اس امر پر دلالت کرتاہے کہ جن چیزوں پر لکھا جاتا تھا اُن میں قرطاس کا استعمال عام تھا جس سے عرب اچھی طرح سے واقف تھے قرطاس ہو کیا؟ اسکے لئے لُغات ملاحظہ کیجئے۔

"القرطاس" ما یکتب فیہ" (مصباح المنیر" القرطاس الصحیفة التی یکتب فیھا" (اقرب الموارد) " القرطاس، الکاغذ .... والصحیفة من أی شئ کانت" قاموس) " الصحیفة التی یکتب فیھا، الصحیفة من ای شئ کانت" (المنجد) اس سے یہ معلوم ہوا کہ اہل عرب کے نزدیک جس پر لکھا جائے خواہ وہ کاغذ ہو، یا کپڑا یا چمڑا یا کوئی اور چیز جس پر وہ لکھ سکیں اس کو وہ قرطاس کہتے تھے، چنانچہ اوائل عرب مندرجہ ذیل چیزوں پر لکھا کرتے تھے "عسیب" (کھجور کی شاخ) "لخغہ" (پتھر کی پتلی تختیاں یعنی سلیٹ) "کتف" (اونٹ یا بکری وغیرہ کے شانے کی چوڑی ہڈیاں) "مقتب" (پالان کی لکڑی) "رق" (باریک کھال جھلی) "مھرق" (سفید ریشمی کپڑا جس کو لکھنے کیلئے درست کرتے تھے) لیکن ان سب چیزوں میں زیادہ تر لوگ رق یا مہرق پر لکھا کرتے تھے، عموماً یہی دو چیزیں لکھنے کے کام میں آتی تھیں، "رق" ایسی باریک کھال اور چمڑے کو کہتے ہیں جو کاغذ کی طرح بنائی جاتی تھی، یہ لفظ قرآن میں بھی اسی معنوں میں آیاہے "لسان العرب میں ہے:-

"الرق بالفتح ما یکتب فیہ وھو جلد رقیق ومنہ قولہ تعالیٰ فی رق منشور"

رق زبر کے ساتھ، جس پر لکھا جائے اور یہ باریک کھال ہوتی تھی اور اسی معنی میں قرآن میں ہے "وکتاب مسطور فی رق منشور" (وہ کتاب جو کشادہ اوراق میں لکھی ہوئی ہے)

علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں :-

وکانت السجلات اوّلاً لانتساخ العلوم وکتب الرسائل السلطانیة والاقطاعات والصکوک فی الرقوق المھیأة بالصناعة من الجلد لکثرة الرفہ وقلة التالیف صدر الملة کما نذکرہ وقلة الرسائل السلطانیة والصکوک مع ذلک فاقتصروا علی الکتاب فی الرق تشریفاً للمکتوبات ومیلاً بھا الی الصحة والاتقان۔

اوائل اسلام میں اہم تحریں، دستاویزات، فیصلے فرمان شاہی اور علوم وغیرہ کو باریک کھال پر لکھتے تھے اور یہ کھال خاص اسی کام کے لئے تیار رکھی جاتی تھی کیونکہ اُس وقت تالیف وتصنیف زیادہ نہ تھی، اسلئے متذکرۂ بالا چیزوں کی اہمیت ووقعت کی وجہ سے اس کی صحت وحفاظت کے لیے ایسی کھال پر تحریر کرتے تھے۔

(مقدمہ ابن خلدون ص۴۲۲ طبع مصر)

"مہرق" اس سفید ریشمی کپڑے کو کہتے تھے جس پر گوند لیس کر خوب گھوٹتے تھے اور چکنا کر لیتے تھے یہاں تک کہ وہ لکھنے کے قابل ہو جاتا تھا۔ "لسان العرب" میں ہے:۔

المهرق الصحيفة البيضاء يكتب فيها وقيل ثوب حرير ابيض يسقى الصمغ و يصقل ثم يكتب فيه۔

مہرق سفید رنگ کا صحیفہ جس پر لکھا کرتے تھے کہتے ہیں کہ یہ سفید ریشمی کپڑا ہے جس کو گوند پلا کر خوب صیقل کرنے کے بعد لکھنے کے کام میں استعمال کرتے تھے۔

فاضل نوفل مسیحی "صناجۃ الطرب" میں لکھتا ہے:۔

قال المزوزقي انهم كانوا يأخذون الخرق ويطلونها بشيء ثم يصقلونها ويكتبون عليها ويسمونها المهرق

زوزی نے کہا کہ اہل عرب پہلے ایسے کپڑے کے ٹکڑے پر لکھا کرتے تھے جسے وہ روغن دے کر گھوٹتے اور چکنا کر لیتے تھے اس کو وہ "مہرق" کہتے تھے۔

"قرطاس" عموماً عرب میں پایا جاتا تھا، اسی بنا پر آں حضرت صلعم نے مرض الموت میں ایسی وصیت تحریر فرمانے کے لئے جس کے بعد آپ کی امت گمراہ نہ ہوسکے اصحاب سے اس کو طلب فرمایا تھا علامہ محمد عبد الکریم شہرستانی متوفی ۵۴۸ھ کتاب الملل والنحل میں لکھتے ہیں:۔

ناول تنازع في مرضه عليه السلام فيما رواه محمد بن اسمعيل البخاري باسناده عن عبد الله بن عباس قال لما اشتد بالنبي مرضه الذي مات فيه قال ايتوني بدواة وقرطاس اكتب لكم كتابا لا تضلوا بعدي فقال عمر ان رسول الله صلعم قد غلبه الوجع حسبنا كتاب الله وكثر اللغط فقال النبي صلعم قوموا عني لا ينبغي عندي التنازع۔

(کتاب الملل والنحل طبع بمبئی ص۹)

پہلا جھگڑا، جو حالت مرض رسولؐ میں خود آنحضرت کے سامنے ہوا وہ یہ تھا جس کو بخاری نے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلعم پر مرض کی شدت ہوئی تو آپ نے فرمایا، قرطاس (کاغذ) دوات لاؤ میں تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو سکو، عمر نے کہا (معاذ اللہ) رسول اللہ پر مرض کا غلبہ ہے (اسلئے حواس درست نہیں ہے) ہمارے لئے بس قرآن کافی ہے اس پر آپس میں کشمکش ہونے لگی تو حضرت نے فرمایا تم لوگ میرے پاس سے اٹھ جاؤ، میرے پاس تم کو شور و شغب اور جھگڑا کرنا درست نہیں ہے۔

یہ حدیث عالم اسلام میں "حدیث قرطاس" کے نام سے مشہور ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرطاس عام طور سے پایا جاتا تھا جبھی تو رسول اللہ صلعم اس کو طلب فرماتے ہیں، اصحاب میں سے بھی کوئی یہ نہیں کہتا کہ قرطاس (کاغذ) کا وجود ہمارے یہاں کہاں ہے، یہ تو ملتا ہی نہیں کہاں سے لائیں، بلکہ اس تحریری وصیت رسولؐ سے یہ کہہ کر انکار کیا جاتا ہے کہ اس وصیت نامہ کی ہم کو ضرورت نہیں ہے، بخاری کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں اس وقت حاضر تھے ان میں سے بعض یہ کہتے تھے:۔

منهم من يقول قربوا يكتب لكم النبي صلى الله عليه وسلم كتابا لن تضلوا بعده ومنهم من يقول ما قال عمر

[صحیح بخاری جلد چہارم باب قول المریض قوموا عنی صفحہ ۵ طبع میمنہ مصر]

ان چیزوں کو رسول اللہ کی خدمت میں حاضر کر دو تاکہ حضرت ایسی تحریر لکھ دیں کہ جس کے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہو سکو۔ لیکن ان میں سے بعض ایسے لوگ تھے جو عمر کی طرح یہی کہہ رہے تھے کہ ہم کو اسکی ضرورت نہیں رسول اللہ پر مرض کا غلبہ ہے

اس حدیث کو محمد بن اسمٰعیل البخاری نے اپنی کتاب الصحیح میں سات مقامات پر وارد کیا ہے، بہرحال عربوں میں قرطاس کا وجود عام طور سے تھا جس پر وہ لکھا کرتے تھے، اسی بنا پر توریت وانجیل کے نسخے عربوں کے درمیان موجود تھے، مشہور قصائد سبعہ معلقہ کو لکھ کر خانۂ کعبہ پر آویزاں کیا گیا تھا (صناجۃ الطرب ۴۹) رسول اللہ کے جد حضرت عبد المطلب نے ایک دستاویز تحریر فرمائی تھی جس کو مامون عباسی نے اپنے "متحف" (میوزیم، بیت الحکمت) میں آثار قدیمہ کی حیثیت سے محفوظ کیا تھا۔ (دائرۃ المعارف لقرن الرابع عشر علامہ فرید وجدی جلد نہم ص۲۰۰ طبع مصر)

یہ تحریر ساتویں صدی ہجری تک محفوظ رہی جسکو علامہ ابن ابی اصیبعہ مصنف عیون الانباء فی طبقات الاطباء نے بھی بچشم خود دیکھا تھا کفار مکہ نے رسول اللہ کے خلاف صحیفہ ملعونہ میں ایک معاہدہ لکھ کر بیت اللہ میں لٹکایا (سیرۃ النبی لابن ہشام جلد اول ص۲۱۰ طبع مصر) حدیبیہ میں آنحضرت و کفار مکہ کے درمیان صلحنامہ لکھا گیا، اور خود آنحضرت نے مختلف خطوط، معاہدے، فرامین لکھوائے جس کا تذکرہ تمام تاریخوں میں موجود ہے صاحب مفتاح الافکار نے آپکے خطوط سے چھبیس خطوط نقل کیئے ہیں اور آپ کے تمام معاہدات کو ڈکٹور محمد حمید اللہ نے "مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی" کے نام سے قاہرہ سے شائع کیا ہے۔

صحاح و دیگر کتب اہلسنت سے یہ ثابت ہے کہ حضرت علی نے از زمانۂ رسول میں قرآن مجید ایک ایسے صحیفے کو جس میں احادیث و احکام تھے تحریر فرمایا تھا (الصحیح البخاری، باب کتابۃ العلم، کتاب الجہاد باب فکاک الاسیر، کتاب الدیات باب العاقلہ، باب لا یقتل المسلم بکافر، کتاب الفرائض باب اثم من تبرأ من موالیہ، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب ما یکرہ من التعمق والتنازع، کتاب فرض الخمس، الصحیح المسلم کتاب الحج باب فضل المدینۃ وغیرذلک، فتح الباری، عمدۃ القاری، مشکوٰۃ، مرقات، اشعۃ اللمعات، صواعق محرقہ) کتب اہلسنت اسکی بھی شہادت دیتی ہیں کہ خلیفہ اول ابوبکر نے اپنی خلافت کے زمانہ میں قرآن لکھوایا، بی بی عائشہ کے پاس بھی قرآن لکھا ہوا موجود تھا۔ (الصحیح البخاری کتاب الاذان وفضائل القرآن) عبداللہ بن عمر دبی بی حفصہ بنت عمر کے پاس بھی تھا۔ (طبقات ابن سعد قسم دوم جلد ہ صفحہ ۱۱۰ قسم دوم جلد ۵ ص۲۲) رسول خدا صلعم نے کچھ مصاحف لٹکے ہوئے دیکھے تو فرمایا تمہیں یہ فریب نہ دیں خدا ایسے شخص کو عذاب نہ دے گا جسے قران یاد ہو (کنز العمال جلد اول ص۲۳۱ طبع حیدرآباد) حنظلہ کہتے ہیں کہ میں طاؤس کے ہمراہ

اس قوم پر گذرا جو قرآنوں کو بیچتے تھے اس پر حاؤس نے انا للہ پڑھا۔ (طبقات ابن سعد قسم دوم جلد ۴ صفحہ ۱۳۲) خلیفہ عمر کے پاس بھی قرآن تھا۔ (استیعاب جلد ۱ صفحہ ۲۸۸) ناجیۃ الطفاوی صحابی کا یہی کام تھا کہ وہ مصحف لکھا کریں۔ (استیعاب جلد ۱ صفحہ ۳۱۳) ایک شخص نے قرآن میں آیات کیساتھ انکی تفسیر لکھی خلیفہ دوم عمر نے اسکو ضائع کرادیا، عقبہ بن عامر صحابی کا لکھا ہوا قرآن ابن یونس نے مصر میں دیکھا (ذہبی جلد ۱ صفحہ ۴۲) عبداللہ بن مسعود نے ایک مصحف مطلا دیکھا تو کہا قرآن کی بہتر زینت تلاوت ہے (کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۳۲) المومنین نے فرمایا مصحف کو باریک قلم سے لکھ کر چھوٹا نہ کرو (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۳۲) عبداللہ بن نافع سے ام المومنین بی بی ام سلمہ نے قرآن لکھوایا (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۳۳) خلافت دوم میں ابودردا صحابی کے ہمراہ خلیفہ عمر کے پاس دمشق سے ایک گروہ آیا تھا تاکہ وہ اپنا اپنا لکھا ہوا قران اُبی، زید اور امیر المومنین علیؑ کو دکھائیں (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۵۸) ۲۵ھ میں خلیفہ سوم عثمان نے تمام مروجہ قرآن کو تلف کرکے خلیفہ اول ابوبکر والے نسخہ قرآن کی سات نقلیں کرائیں (بنابر بعض روایات ۵ نقلیں) جس میں ایک نسخہ اپنے پاس مدینہ میں رکھ لیا اور بقیہ نسخے مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ بھجوا دیے تاکہ تمام دنیائے اسلام کے قرآن ایک ہی نسخہ کی نقل اور اس کی قرأت کے مطابق ہوجائیں [1] متذکرۂ بالا یہ سات عثمانی نسخے وہ ہیں جو "امام" کہلاتے ہیں جن کی نقلیں موجودہ دنیا کے تمام قرآن ہیں خود اسی عہد میں ان نسخوں سے بکثرت نقلیں ہو چکی تھیں یہاں تک کہ ۳۰ھ میں قرآن کے نسخے اس قدر کثیر تعداد میں ہوگئے

[1] وہ نسخہ جو خلیفہ عثمان کے پاس تھا اُن کے قتل ہوجانے کے بعد بنی امیہ کے پاس دمشق میں رہا اموی خلافت کا خاتمہ جب دمشق میں ہوا تو بنی امیہ اس کو لے کر اندلس پہونچے، اندلس میں مسلمانوں کی سلطنت کے زوال کے بعد مراکش کے دار الحکومت شہر فاس میں منتقل ہوگیا، ابن بطوطہ کی روایت کے مطابق یہ نسخہ آٹھویں صدی ہجری تک جامع بصرہ میں موجود تھا اور اس پر خلیفہ کے خون کے دھبے نمایاں تھے یہی نسخہ ۱۹۱۷ء میں بخارا سے روس کے قدیم پایہ تخت ماسکو پہونچا، وہاں سے پھر بخارا لایا گیا اور رجب ۱۹۲۳ء میں بالشویکوں نے ترکستان پر دوسری مرتبہ قبضہ کیا تو اس نسخہ کو پھر اسکو لے گئے، کہتے ہیں کہ یہ مصحف امیر تیمور کے زمانہ میں ابوبکر الشاشی کیطرف شیخ عبداللہ نامی مشہور بزرگ کے مرقد پر رکھدیا گیا تھا جہاں سے بالشویکوں کو ہاتھ آیا، وہ مصحف جو دمشق بھیجا گیا تھا اس نسخہ کو ابوالقاسم سبتی نے ۶۵۷ھ میں جامع دمشق کے مقصورہ میں دیکھا، عبدالملک کا بیان ہے کہ میں نے ۱۳۰۵ھ میں دیکھا، یہ نسخہ زمانہ حال تک موجود تھا، جب خلیفہ ترکی سلطان عبدالحمید خان کے زمانہ میں جامع مسجد کو آگ لگ گئی تو یہ مصحف بھی جل گیا مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ والے مصاحف کا پتہ ۷۳۵ھ تک چلتا ہو بصرہ اور کوفہ کا نسخہ معلوم کس زمانہ میں قرطبہ پہونچا پھر عبدالملک اسکو قرطبہ سے اپنے دار السلطنت میں بڑی شان سے لایا ۵۵۲ھ میں وہ معتضد کے قبضہ میں آیا اسکے مرنے پر یہ پرتگیز ہوکر وہاں سے کسی طرح تاجر نے اس کو حاصل اور ۷۴۵ھ میں شہر فاس میں لایا جہاں مدت تک خزانۂ شاہی میں محفوظ رہا علامہ مقریزی نے کتاب الخطط میں جہاں قاضی فاضل سلطان صلاح الدین وزیر تھا اس کے مدرسہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ اس کتب خانہ میں مصحف ثانی کا نسخہ موجود تھا جس کو قاضی فاضل نے تیس ہزار اشرفی میں خریدا تھا۔

تھے کہ جنگ صفین میں رفع مصاحف کے وقت معاویہ کے لشکر میں پانچ سو کی تعداد میں قرآن نیزوں پر بلند کیے گئے تھے جس کو تمام مؤرخین نے لکھا ہے، اب اگر اس عہد میں لکھنے کے لیے قرطاس و کاغذ نہ ہوتا تو پھر حیات رسول صلعم لے کر زمانہ معاویہ تک اس کثرت سے مصاحف کا لکھا جانا کیونکر ممکن تھا، اس لیئے یہ شبہہ وارد کرنا کہ عہد نامہ مالک اشتر طویل ہے اس کے لکھنے کے لیئے اتنا قرطاس و کاغذ کہاں سے آیا یہ شبہہ بے اصل ہے کیونکہ امیر المومنین کے عہد میں قرطاس و کاغذ کا فقدان نہ تھا بے شک عہد رسالت اور خلفائے ماسبق کے دور میں اس کی کمی تھی لیکن اسلامی فتوحات کے وسیع ہو جانے کے بعد یہ نایاب نہ تھا، حضرت کے زمانہ میں تو کوفہ تجارت کی ایک بہت بڑی منڈی تھی جہاں مختلف ممالک سے سامان آتا اور بکتا تھا۔

عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:۔

لانها كانت ملتقى الشعوب من جميع الاجناس وكانت مثابة التجارة بين الهند وفارس، واليمن والشام۔

کوفہ اس زمانہ میں مختلف قوموں کا سنگم تھا اور یہاں ہندوستان و ایران، یمن و عراق و شام کے سامان تجارت کی بڑی منڈی تھی۔ (عبقریۃ الامام ص۱۶۰ طبع مصر)

ابن ابی الحدید نے بھی یہی لکھا ہے:۔

كانت الكوفة يومئذ تجبى لها ثمرات كل شیء وتاتی اليها هدايا الملوك من الآفاق۔ (ابن ابی الحدید جلد صفحہ ۴۸۴ طبع مصر)

علیؑ کے زمانہ میں شہر کوفہ میں ہر ملک و زمین کی پیداوار اور چیزیں آتی تھیں اور حضرت کی خدمت میں دنیا کے بادشاہوں کی طرف سے ہدایا آتے رہتے تھے۔

جیسا کہ میں بتلا چکا ہوں کہ کوفہ کے قرب و جوار میں بکثرت "کنائس و ادیار" تھے جہاں مسیحی علماء و رہبان رہا کرتے تھے جن کا مشغلہ لکھنا پڑھنا رہتا تھا ان لوگوں کے پاس متمدن ممالک سے کاغذ کا آنا امکانات سے ہے مؤرخ مسعودی نے اسکی تشریح کی ہے کہ حیرہ (کوفہ کے پشت پر واقع تھا) کے بندرگاہ پر چین و ہندوستان سے جہاز آیا کرتے تھے۔ (مروج الذہب جلد ۱ ص۴۹ طبع مصر) کیا ان حالات میں چین سے کوفہ کاغذ نہیں پہنچ سکتا تھا؟

ذرا غور تو کیجیئے کہ جس زمانہ میں عہد نامہ مالک اشتر کو حضرت نے تحریر فرمایا ہے انھیں ایام میں جیسا کہ ابھی بتلا چکا ہوں، جنگ صفین میں "رفع مصاحف" کا واقعہ دنیا کے سامنے آیا جس میں معاویہ کے لشکر میں پانچسو کی تعداد میں قرآن نیزوں پر بلند کیئے گئے تھے، صرف معاویہ کے لشکر میں جن کو دین سے اتنا لگاؤ نہ تھا قرآن کی یہ تعداد ہے۔ اب اسی سے اندازہ لگایا جائے کہ خود امیر المومنین کے لشکر میں قرآن کس زیادہ تعداد میں رہے ہونگے، علاوہ ازیں جب جنگ کی حالت میں بحالت سفر ایک لشکر میں اتنے قرآن تھے تو عالم اسلام میں مسلمانوں کے پاس کتنے کثیر قرآن رہے ہوں گے، آخر قرآن ایسی ضخیم کتاب کے لکھنے کے لئے "کس پیپرمل" نے کاغذ کی "سپلائی" کی تھی، ان تاریخی شہادتوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں قرطاس و کاغذ کا قحط

نہ تھا بلکہ عام طور سے دستیاب ہوتا تھا عام لشکر والوں کو تو ایک ضخیم کتاب لکھنے کے لیئے کاغذ دستیاب
ہو جائے لیکن امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ جو تمام عالم اسلام کے سلطان ہیں وہ اپنے گورنر کو دستور
حکومت لکھنے کے لیئے کاغذ نہ پا سکیں ان ھذا الشئ عجاب! یہ بھی ملحوظ رہے کہ خلیفۂ دوم کے عہد سے
ایرانی طرز پر "دیوان و دفتر" کی تاسیس ہوئی اس کے لیئے بھی تو کاغذ و قرطاس کی حاجت تھی اس ضرورت
کو کیونکر پورا کیا جاتا تھا؟ ظاہر ہے کہ اندرون ملک یا بیرون ملک جہاں سے بھی ممکن الحصول ہوگا اس کو
برآمد کیا جاتا ہوگا یہ ضرور ہے کہ اس خرچ کا بار بیت المال پر کافی پڑتا ہوگا امیر المومنین نے اپنے زمانہ حکومت
میں یہ ضرور کیا کہ کاغذ کے زیادہ صرف ہونے سے جو بار اسلامی بیت المال پر پڑتا تھا اس کو کم کیا چنانچہ حضرت
نے اپنے عمال حکومت واہل دفتر کو فرمان بھیجا :-

ان امیر المومنین کتب الی عماله

قلم باریک رکھو، سطروں کو ملا کر لکھو۔ فضول باتوں

ادقوا اقلامکم وقاربوا بین سطورکم

کو مت لکھو صرف اپنے مطلب و مراد کا لحاظ رکھو،

واحذفوا من فضولکم واقصدوا قصد

بیکار عبارت آرائی سے پرہیز کرو اس لیئے کہ اموال

المعانی وایاکم والاکثار فان اموال

مسلمین کو نقصان پہونچنے کا احتمال ہے۔

المسلمین لا تحتمل الاضرار۔

(کتاب الخصائل ابن بابویہ القمی جلد ا صفحہ طبع ایران)

مطلب یہ ہے کہ اصل مقصد و مراد کے تحریر کرنے سے تقلیل ہوگی جو اقتصاد ہے فضول عبارت تحریر کرنے
سے اور موٹے حروف و فاصلہ دے کر لکھنے سے دو تہائی دکاغذ بیکار ضائع جائے گا جس سے اسلامی
بیت المال کا نقصان ہے' اقتصادی مسائل کے حل کرنے والے دیکھیں کہ آج اقتصادی مشکلات میں
پڑنے کے بعد موجودہ حکومتیں جن امور پر عمل کر رہی ہیں وہ دراصل امیر المومنین کے نافذ کردہ احکامات ہیں۔
ہاں جس شئے کو لکھا جائے اسکی عظمت واہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کو اختصار کے لیئے باریک
لکھنا مناسب نہیں ہے بلکہ اس کو روشن وجلی خط میں لکھنا چاہیئے، چاہے کاغذ زیادہ کیوں نہ صرف ہو جائے
جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مصحف کو باریک قلم سے لکھ کر چھوٹا نہ کرو۔ (کنز العمال جلد ۱
صفحہ ۲۴۲) اسی طرح جو عہد نامہ آپ نے مالک اشتر کے نام تحریر فرمایا چونکہ دستور حکومت ہونے کی وجہ سے
اس کی افادیت واہمیت بہت زیادہ تھی اسلیئے حضرتؑ نے اس کو تفصیل کے ساتھ بہت ہی شرح و بسط
کے ساتھ تحریر فرمایا اور یہاں پر کاغذ کے زیادہ خرچ ہونے کا لحاظ رکھنا غیر ضروری تھا۔

پانچواں شبہہ

نہج البلاغہ میں تصوف کی جھلک ہے جو حضرت کے عہد کا مذاق نہیں ہے بلکہ آپ کے بعد یہ
مذاق پیدا ہوا اسی طرح اس میں غیب کی خبریں بھی پائی جاتی ہیں، علیؑ کو غیب کی خبروں سے کیا واسطہ

جواب

یہ اعتراض بھی عجیب ہے جو جہل مرکب کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، معترض نے در اصل حقیقت تصوف کو نہیں سمجھا ہے، یہ لوگ اسلامی تصوف کو یونان کا فلسفہ سمجھے ہیں، جس سے بہت دنوں کے بعد عرب روشناس ہوئے، غالباً اسی وجہ سے استاذ عمر فروخ دکتور فی الفلسفہ (پروفیسر ادبیات عربی و فلسفۂ اسلام بیروت یونیورسٹی) نے اپنی کتاب "التصوف فی الاسلام" کے شروع میں جو پہلا جملہ لکھا ہے وہ یہی ہے کہ "لیس التصوف فلسفۃ" "تصوف فلسفہ نہیں ہے"، بہرحال اگر یہ سمجھ لیا جاوے کہ تصوف کیا ہے تو معترض کو محل شک نہ رہے گا۔ سنئے حقیقت تصوف یہ ہے۔

واصل التصوف العکوف علی العبادۃ	اصل تصوف، عکوف علی العبادہ، وانقطاع
والانقطاع الی اللہ تعالیٰ والاعراض	الی اللہ اور زخارف و زینت دنیا سے اعراض، لذت
عن زخرف الدنیا و زینتها والزهد فی	و مال و جاہ میں زہد اور عبادت خدا کے لئے خلوت
ما یقبل علیه الجمهور من لذة و مال	نشینی ہے۔
وجاه والانفراد عن الخلق فی الخلوة والعبادة	(التصوف فی الاسلام ص۱ طبع اول طبع بیروت)

یہی تعریف علامہ ابن خلدون مغربی نے بھی کی ہے (المقدمہ ابن خلدون ص۴۶۷) جنید بغدادی سے جب تصوف کے لیے سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا۔

تصفیۃ القلب عن موافقۃ البریه	تصفیۂ قلب۔
ومفارقۃ الاخلاق الطبیعة	اخلاق نفسانیہ سے علیحدگی۔
واخماد صفات البشریة	بشریت کے صفات کو مٹانا
ومجانبۃ الدواعی النفسانیة	خواہشات نفسانی سے پرہیز
ومنازلۃ الصفات الروحانیة	روحانی صفات کو حاصل کرنا
والتعلق بالعلوم الحقیقة	علوم حقیقیہ سے تعلق رکھنا
واستعمال ما هو اولی علی الابد یة	اور ایسے امور کو بجا لانا جو دوام کے سزاوار ہوں،
والنصح لجمیع الامة والوفاء للہ علی الحقیقة	جمیع امت کو نصیحت کرنا، پوری طرح خدا سے وعدوں کو پورا
واتباع الرسول صلی اللہ علیه وسلم فی الشریعة	کرنا اور امور شریعت میں رسول اللہ کی اتباع کرنا۔

(کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف لعلامہ ابوبکر محمد بن اسحاق البخاری الکلاباذی المتوفی ۳۸۰ھ مصححہ پروفیسر اے۔ جے۔ آربری A. J. Arberry صفحہ ۹ طبع مصر)

ایک دوسرے سائل کے جواب میں حقیقت تصوف پر جنید نے یوں روشنی ڈالی ہے۔

اسم جامع لعشرہ

تصوف ایک ایسا اسم جامع ہے جو دس معنوں پر مشتمل ہو

التقلل من کل شئ من الدنیا عن التکاثر فیھا

۱۔ دنیا کی ہر چیز میں کمی کرنا اور زیادتی سے بچنا۔

والثانی اعتماد القلب علی اللہ عزوجل من السکون الی الاسباب

۲۔ خدا کے سوا قلب کو کسی چیز پر اعتماد نہ حاصل ہو۔

والثالث الرغبة فی الطاعات من التطوع فی وجود العوافی۔

۳۔ اس کے عفو کو مانتے ہوئے اطاعت اور نماز اداکی کے ساتھ طاعات خدا کی طرف متوجہ رہنا۔

والرابع الصبر عن فقد الدنیا عن الخروج الی المسألة والشکوی۔

۴۔ دنیا کے نقصان پر اس طرح صبر کرنا کہ لب پر حرف سوال و شکوہ نہ آنے پائے۔

والخامس التمییز فی الاخذ عند وجود الشر

۵۔ اشیاء کے موجود ہونے پر اس تمیز کو باقی رکھنا کہ کیا لے اور کیا نہ لے

والسادس الشغل باللہ عزوجل عن سائر الاشغال۔

۶۔ دنیا کے اشغال ترک کر کے خدا کے شغل میں مصروف رہنا۔

والسابع الذکر الخفی من جمیع الاذکار

۷۔ تمام ذکروں کو ترک کر کے خدا کا ذکر خفی کرنا۔

والثامن تحقیق الاخلاص فی دخول الوسوسة

۸۔ دل میں وسوسہ پیدا ہونے پر تحقیق اخلاص کرنا۔

والتاسع الیقین فی دخول الشك

۹۔ شک آنے پر یقین حاصل کرنا۔

والعاشر السکون الی اللہ عزوجل من الاضطراب والوحشة فاذا استجمع ھذہ الخصال استحق بھا الاسم والا فھو کاذب (حلیۃ الاولیاء ابو نعیم جلد اول ص۲۲ طبع مصر)

۱۰۔ اضطراب و وحشت کے موقع پر خدا کی طرف سکون حاصل کرنا جس میں یہ سب کمال جمع ہو جاویں تو وہ صوفی کہلانے کا مستحق ہے ورنہ جھوٹا ہے۔

ابوبکر الشبلی سے پوچھا گیا کہ تصوف کیا ہے؟ جواب دیا:۔

تعظیم امر اللہ وشفقة علی عباد اللہ

امر خدا کی تعظیم اور بندگان خدا پر شفقت کرنا ہے

اس نے پوچھا کہ صوفی کون ہے؟ جواب دیا:۔

قال من صفا من الکدر وخلص من الفکر وامتلأ من الفکر وتساوی عندہ الذھب والمدر من صفا قلبه فصفی وسلك طریق المصطفی صلعم ورمی الدنیا خلف القفا واذاق الھوی طعم الجفا۔

جو ہر برائی سے پاک وصاف ہو اور ہمہ وقت تفکر کرتا ہو اور اس کی نگاہ میں سونا اور خاک برابر ہو۔ جس کا قلب پاک وصاف ہو اور حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے راستے پر چلے دنیا کو پس پشت پھینک دے اور خواہش نفس کو طعم جفا سمجھے۔

(حلیۃ الاولیاء ص۲۳ جلد اول)

ذوالنون مصری صوفی کی تعریف یہ کرتے ہیں:۔

من اذا انطق ابان نطقه عن الحقائق وان سکت نطقت عنه الجوارح بقطع العلائق۔

وہ ہے کہ جب کلام کرے تو حقائق روشن کردے اور جب خاموش رہے تو اس کے اعضاء جوارح قطع علائق پر گواہی دیں۔ (حلیۃ الاولیا ص۲۷ جلد اول)

امام جعفر صادق علیہ السلام صوفی کی تعریف فرماتے ہیں۔

من عاش فی باطن الرسول فھو صوفی

جو باطن رسول پر زندگی بسر کرے وہ صوفی ہے۔

حافظ ابو نعیم اس کی شرح کرتے ہیں

واراد جعفر بباطن الرسول صلے اللہ علیہ وسلم اخلاقہ الطاھرہ واختیارہ للاٰخرۃ فمن تخلق باخلاق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وتخیر مااختارہ ورغب فیما فیہ رغب وتنکب عما عنہ تنکب واخذ بما الیہ ندب فقد صفا من الکدر ونجی من العکر

امام جعفر صادقؑ نے باطن رسول سے حضرت کے اخلاق طاہرہ اور آخرت کے اختیار کرنے کو لیا ہے، پس جو شخص اخلاق رسول سے آراستہ ہو جائے اور اس امر کو اختیار کرے جو رسول نے اختیار فرمایا، اور رغبت کرے اس طرف جدھر رسول نے رغبت فرمائی اور پرہیز کرے اس سے جسے رسول نے چھوڑا تو گویا اس نے صفائے قلب حاصل کر لیا۔

(حلیۃ الاولیا ص۲ جلد اول طبع مصر)

اساطین صوفیاء کرام کے نزدیک یہ ہے حقیقت تصوف، ان تعریفوں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ عناصر کیا ہیں جن سے تصوف کی تخلیق ہوئی ہے، کیا امیر المومنین علی بن ابی طالب ان صفات کے مظہر اتم نہ تھے، اور کیا آپ نے ان حقائق پر روشنی نہیں ڈالی؟ اسی بنا پر تمام صوفیائے کرام حضرتؑ کو اپنا مرشد اول سمجھتے ہیں۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں۔

من العلوم علم الطریقۃ والحقیقۃ واحوال التصوف وقد عرفت ان ارباب ھذا الفن فی جمیع بلاد الاسلام الیہ ینتھون وعندہ یقفون وقد صرح بذلک الشبلی والجنید وسری وابو یزید البسطامی وابو محفوظ معروف الکرخی وغیرھم ویکفیک دلالۃ علی ذلک الخرقۃ

اور منجملہ علوم کے علم طریقت و حقیقت و احوال تصوف بھی ہے اور تمھیں یہ معلوم ہے کہ تمام بلاد اسلام میں جو بھی اس فن کا جاننے والا ہے وہ اپنے سلسلۂ تصوف کو حضرت تک منتہی کرتے ہیں اور وہیں پر رک جاتے ہیں اس امر کو صراحت کے ساتھ شبلی، جنید، سری سقطی، ابو یزید بسطامی، ابو محفوظ معروف کرخی وغیرہم نے بیان کیا ہے، اور اس کے ثبوت

التی ھی شعارھم الی الیوم وکونھم یسندونھا باسناد متصل الیہ علیہ السلام
(ابن ابی الحدید جلد اول ص۱۷ طبع مصر)

یہی وہ خرقہ کافی ہے جو آج تک صوفیوں کے اشعار میں داخل ہے جس کو وہ لوگ سند متصل حضرت سے منسوب کرتے ہیں۔

مصادر تصوّف خالص اسلامی ہیں

ایک ایراد یہ بھی ہے کہ مصادر تصوّف غیر اسلامی ہے مسیحی، یونانی، اور ہنود کے تصوّف پر اسلامی تصوف کی بنیاد ہے گویا اس نظریہ سے امیرالمومنین سے اس کی نفی مطلوب ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے محققین کو اس کا اعتراف ہے کہ مصادر تصوّف خالص اسلامی ہے، دکتور عمر فروخ لکھتے ہیں:۔

ومصادر التصوّف الاسلامی اسلامیّۃ لاشك فی ذالك فان التصوف الاسلامی قدنشاء فی بیئۃ الاسلامیۃ فالتصوف الاسلامی مبنی فی اساسہ علی الاسلام
(التصوف فی الاسلام ص۲۲ طبع بیروت)

اس میں کوئی شک نہیں کہ مصادر تصوف اسلامی خالص اسلامی ہے، اس لیے کہ تصوف اسلامی کی نشو ونما تو اسکے اسلامی گھر میں ہوئی ہے، پس اسلامی تصوف مبنی ہے اسلامی اساس اور بنیاد پر۔

دراصل اسلامی تصوف کا اصل منبع و مصدر امیرالمومنین کی ذات ہے، لیکن اس امر پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کالبد تصوف کی اصل روح "حب" ہے اور یہ چیز اسلامی تصوّف میں عیسائیت سے ماخوذ ہے جو مسیحیت کے میل ملاپ کے بعد اسلام میں پیدا ہوا، حضرت علیؑ کے زمانے میں اسلامی فکر کب مسیحیت سے متاثر ہوئی جس سے اس میں محبت کا ظہور ہوتا یہ خیال بھی بالکل فاسد ہے، اس لئے کہ قرآن مجید میں "روح محبت" جلوہ نما ہے قرآن مجید نے محبت کی طرف دعوت دی ہے "والذین آمنوا اشد حبا للّٰہ" (۲-۱۶۵) ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفر لکم ذنوبکم واللّٰہ غفور رحیم (۳-۳۱) "فسوف یاتی اللّٰہ بقوم یحبھم ویحبونہ" (۵-۵۴) لااسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ خود امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ذات مظہر محبت تھی جیسا کہ رسول اللہؐ نے غزوۂ خیبر میں حضرتؑ کے متعلق فرمایا ہے "لاعطین الرایۃ غداً رجلاً یحب اللّٰہ ورسولہ ویحبہ اللّٰہ ورسولہ" یا حدیث طیر میں علیؑ کے متعلق پیغمبرؐ ارشاد فرماتے ہیں "اللّٰھم ائتنی احب خلقك الیك والی لیاکل معی من ھذا الطیر فجاء علی فاکل معہ"

یہ وہ صحیح و متواتر حدیثیں ہیں جن کو محدثین اسلام نے روایت کیا ہے میں نے اسوقت مناقب اخطب خوارزم سے نقل کیا ہے، یہ علی کی کمال محبت کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت کے لئے ارشاد فرمایا ہے "انہ ممسوس فی ذات اللّٰہ" انہ لاخیشن فی ذات اللّٰہ (حلیۃ الاولیا، حافظ ابو نعیم جلد اول ص۶۸ طبع مصر) اسلئے "علی" سے اگر حقیقی تصوّف کا ظہور ہو تو کیا حیرت ہے۔

علیؑ کی ذات سے عناوین تصوف کی تطبیق

حافظ ابونعیم نے تصوف کے متعدد عناوین سے تعریف کر کے امیر المومنین کی ذات سے اس کی تطبیق کی ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ احوالات تصوف حضرت سے شہرت پذیر ہوئے ہیں جن مختلف عناوین سے تطبیق کی ہے وہ یہ ہیں:۔

(۱) ان التصوف مراقبۃ الموددو و مصارمۃ المحدود۔

(۲) ان التصوف اسلام الغیوب الی مقلب القلوب۔

(۳) ان التصوف الرغبۃ الی المحبوب فی درک المطلوب۔

(۴) ان التصوف الارتقاء فی الاسباب الی المقدرات من الابواب

(۵) ان التصوف البروز من الحجاب الی رفع الحجاب۔

(۶) ان التصوف السلو عن الاعراض بالسمو الی الاغراض۔

اعمال قلب یا اعمال باطن کا تعلق علیؑ کی ذات سے

اسلامی تصوف میں اعمال قلب پر کافی زور دیا گیا ہے، اعمال قلب یا اعمال باطن سے مراد، ایمان، معرفت، توکل، محبت، رضا، تقویٰ، خوف، رجا، وصبر وغیر ذلک ہے (کتاب اللمع فی التصوف تالیف ابونصر السراج الطوسی ص۲۳، ۲۴ طبع لندن)

امیر المومنین متذکرۂ بالا صفات کے مظہر اتم ہیں جس کا اقرار بغیر کسی اختلاف کے تمام مسلمانوں کو ہے اور آپ ہی نے ان اعمال قلب کو عملاً و قولاً ہر طرح سے واضح و روشن فرمایا ہے، حقیقت تصوف کو سمجھنے کے بعد اسی روشنی میں علامہ عبد الوہاب الشعرانی کی کتاب لواقح الانوار فی طبقات الاخیار المشہور بہ کتاب الطبقات الکبریٰ حضرت کے مختصر حالات صفحہ ۱۰، ۱۱ پر پڑھے جائیں اس سے معلوم ہو جائے گا کہ علی بن ابی طالب ؑ کا تصوف میں کیا حصہ ہے اس کتاب کا موضوع ہی یہی ہے، جیسا کہ خود علامۂ شعرانی لکھتے ہیں:۔

ہم نے اس میں مختصراً ایسے اولیاء خدا کے طبقات کا تذکرہ کیا ہے جن کی پیروی کی جاتی ہے، صحابہ و تابعین سے لے کر قرن عاشر تک کے اولیاء کا ذکر کیا ہے، اور مقصد اس تالیف کا یہ ہے کہ ہم یہ سمجھ سکیں کہ تصوف و آداب مقامات و احوال میں ان کا کیا طریقہ تھا اور اس سلسلہ میں ان کے عیون و جواہر کلام کا ذکر کیا ہے اور حالات کے سلسلہ میں وہی حالات بیان کئے ہیں جس سے مریدین میں کیفیت نشاط پیدا ہو، جیسے شدت جوع، بیداری گمنامی کو دوست رکھنا اور شہرت سے بچنا وغیر ذالک۔

(طبقات الکبریٰ الشعرانی صفحہ ۳ طبع مصر)

علامۃ العارف ابوبکر بن اسحق الکلاباذی لکھتے ہیں۔

ممن نطق بعلومھم وعبر عن مواجیدھم — جن لوگوں نے اپنے کلام و قول اور اپنے فعل و عمل سے

ونشر مقاماتھم ووصف احوالھم قولاً — اہل باطن و ارباب طریقت کے علوم کو بیان کیا، انکی

وفعلاً لعبد الصحابة رضوان الله عليهم علی بن الحسین زین العابدین وابنه محمد بن علی الباقر وابنه جعفر بن محمد الصادق رضی الله عنهم بعد علیؑ والحسنؑ والحسینؑ رضی الله عنهم۔

کیفیت حُبّ وحُزن کی تعبیر فرمائی، ان کے مقامات کو نشر کیا، ان کے احوال کی توصیف کی، وہ حضرت علیؑ امام حسنؑ اور امام حسینؑ رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ ہیں ان کے بعد امام زین العابدینؑ امام محمد باقر، امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم ہیں،

(کتاب التعریف لمذہب اہل التصوف صفحہ ۱۰ مطبوعہ مصر مصحّحہ پرفیسر آربری)

اس لیئے اگر نہج البلاغہ میں حقائق تصوف وجمال روحانیت جلوہ نما ہو تو کیا حیرت ہے۔

استاد عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:۔

وتلتقی سیرته علیه رضوان الله بالفکر کما تلتقی بالخیال والعاطفة، لانه صاحب اداء فی التصوف والشریعة والاخلاق سبقت جمیع الاراء فی الثقافة الاسلامیة ولانه اجتهی الخلفاء الراشدین ان یعد من اصحاب المذاهب الحکمیة بین حکماء العصور ولانه اوتی من الذکاء ماهو اشبه بذکاء الباحثین المنقبین منه بذکاء الساسة المتغلبین فهو الذکاء الذی تحسه فی الفکرة والخاطرة قبل ان تحسه فی نتیجة العمل وبجری الامور۔

(عبقریة الامام صفحہ ۱۵ طبع مصر)

امیر المومنین کی سیرت میں عقل وفکر کی جلوہ نمائی اسی طرح ہے جس طرح کہ قوت خیال واحساس کا ظہور اس میں پایا جاتا ہے کیونکہ آپ ہی وہ ہیں جو تصوف وشریعت واخلاق کے علوم میں ایسی صائب اور صحیح رجحان رکھتے ہیں جو اسلامی علوم وتمدن کے ہر صائب الرائے کے رجحانات وآراء پر غالب ہے اور اس لیئے بھی کہ آپ خلفاء راشدین میں سب سے زیادہ صاحب عقل وفہم ہونے کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں کہ آپ کا شمار حکماء وفلاسفہ کے زمرے میں کیا جائے اور اس لیئے بھی کہ آپ کو قدرت نے ایسی ذکاوت بخشی ہے جو تحقیق وتدقیق کرنے والوں کی ذکاوت سے بہت زیادہ مشابہ ہے بمقابلہ ایسے لوگوں کی ذکاوت کے جو سیاست مدار ڈپلومیٹ ہیں پس وہ ذکاوت ایسی ہے جس کی صحت کا اعتراف تمہاری عقل وفکر اس سے قبل کرے گی کہ تم معاملات ونتائج اور امور کے عواقب پر تفکر کر کے پہونچو۔

بیشک علیؑ بن ابی طالبؑ کو اس تصوّف سے کوئی لگاؤ نہیں جو صوفیان شوم کے لباس میں دنیا میں ظاہر ہوا اور در اصل جس کی تاسیس بحیثیت ایک ادارہ اہلبیتؑ رسولؐ کی مخالفت میں اموی وعباسی حکومتوں کے زیر سایہ ہوئی، اور جن کے دجل وفریب کے مرقع ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں پیش کیئے ہیں۔

نہج البلاغہ اور اخبارِ غیبیہ

یہ شبہہ کہ نہج البلاغہ میں تغیب کی خبریں بھی پائی جاتی ہیں، آخر قبل از وقوع ان ہونے والے واقعات کو علیؑ ابن ابی طالبؑ نے کیسے بتلا دیا

یہ شبہہ اسی کے دل میں پیدا ہوگا جو حقیقت نبوت محمدیہ سے بے خبر ہے، قرآن میں ارشاد ہوا ہے

وماکان اللہ لیطلعکم علی الغیب	خدا ایسا نہیں ہے کہ تمھیں غیب کی باتیں بتائے
ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء	مگر ہاں اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے غیب
فآمنوا باللہ ورسلہ	پر مطلع کر دیتا ہے۔ پس خدا اور اسکے رسولوں پر
(آل عمران ۱۷۹)	ایمان لاؤ۔
عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احد	وہی خدا غیب داں ہے اور اپنے غیب کی
الا من ارتضی من رسول	بات ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول کو پسند فرمائے
(الجن ۲۷)	(اس کو عالم الغیب بنا دیتا ہے)

تمام مفسرین ومحدثین اہلسنت کا اس پر اتفاق ہے کہ پیغمبر کو علم غیب تھا، اور قیامت تک ہونے والے واقعات سے آپ باخبر تھے، پیغمبرؐ کے مشہور صحابی حذیفۃ الیمانی بتلاتے ہیں:۔

اعلمہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	جو کچھ کہ ہو چکا ہے اور جو کچھ کہ ہونے والا ہو
بما کان وما یکون الی یوم القیمۃ	رسول اللہ کو ان سب کا علم تھا۔

(صحیح مسلم کتاب الفتن، مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص۳۸۶ مصر، البیہقی تاریخ ابن عساکر جلد ۴ صفحہ ۹۷ تیسیر الوصول جلد ۴ ص۱۱۷، خلاصۃ التہذیب ص۲۳ ، اصابہ ابن حجر جلد ۲ ص۱۱، التقریب ص۶۶)

یہی نہیں بلکہ رسول اللہ نے قیامت تک کے ہونے والے واقعات کو اپنے اصحاب سے بیان فرمایا ہے،

۱۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد اپنی کتب صحاح میں حذیفہ سے روایت کرتے ہیں:۔

قام فینا رسول اللہ مقاما ما ترک	ہم لوگوں کے مجمع میں ایک مقام پر رسول اللہ
شیئا یکون فی مقام ذالک الی قیام	نے کھڑے ہو کر قیامت تک کے ہونے
الساعۃ الا حدث بہ حفظہ من حفظہ	والے واقعات کو بیان فرمایا اور کسی چیز کو
ونسیہ من نسیہ۔	حضرت نے نہیں چھوڑا
ولفظ البخاری ما ترک شیئا الی قیام	پس یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا اور
الساعۃ الا ذکرہ۔	بھول گیا وہ جو اس کو بھول گیا۔

(اس حدیث کو بخاری نے بدء الخلق " میں اخراج کیا ہے اور صحیح مسلم وصحیح ابوداؤد میں کتاب الفتن میں ہے۔

۲۔ صحیح بخاری میں عمر فاروق سے روایت ہے۔

یقول، قام فینا النبی صلعم مقاما	ہم لوگوں کے مجمع میں رسول اللہ ایک مقام پر

بہ فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اہل الجنۃ منازلھم واہل النار منازلھم حفظ ذالک من حفظہ ونسیہ من نسیہ

(بخاری بدء الخلق)

کھڑے ہوئے اور خبر دی ہم کو ابتدائے پیدائش سے دوزخیوں تک کے حالات کی یہاں تک کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوئے اور یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا اور بھول گیا اس کو جو بھول گیا۔

۳۔ صحیح مسلم میں عمرو بن اخطب انصاری سے روایت ہے :۔

قال صلی بنا رسول اللہ صلعم یوم الفجر وصعد علی المنبر فخطبنا حتی حضرت الظھر فنزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر حتی غربت الشمس فاخبرنا بما ھو کائن الی یوم القیمۃ قال فاعلمنا احفظنا۔

(صحیح مسلم کتاب الفتن)

نماز پڑھائی ہم کو ایک دن رسول اللہ نے فجر کی، اور اس کے بعد منبر پر تشریف لے جاکر خطبہ میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ ظہر کا وقت آگیا اور منبر سے اتر کر نماز ظہر پڑھ کر پھر منبر پر گئے اور خطبہ میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا اور پھر منبر سے اتر کر نماز عصر ادا فرمانے کے بعد منبر پر جاکر خطبے کے سلسلہ کو جاری فرما دیا یہاں تک آفتاب غروب ہو گیا پس دوران خطبہ میں خبر دی ہم کو ان چیزوں کی جو قیامت تک ہونیوالی ہیں، عمرو بن اخطب کہتے ہیں پس زیادہ جاننے والا ہم میں وہ ہے جس نے اس کو یاد رکھا۔

۴۔ صحیح ترمذی ابو سعید الخدری سے روایت ہے :۔

قال صلی بنا رسول اللہ صلعم یوماً صلوٰۃ العصر بنھار ثم قام خطیباً فلم یدع شیئاً یکون الی قیام الساعۃ

ایک روز ہم لوگوں کو رسول اللہ نے عصر کی نماز پڑھانے کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا جس میں قیامت تک ہونے والی باتوں کی خبر دی۔

غرضکہ صحاح اہل سنت میں بکثرت ایسی احادیث موجود ہیں جن سے رسول کا عالم غیب ہونا اور قیامت تک کے ہونے والے واقعات کا بیان کرنا ثابت ہوتا ہے، علامۃ الشیخ منصور علی ناصف الحنفی من علماء الازہر نے تمام احادیث و اخبار مغیبات کو جو صحاح ستہ میں وارد ہوئی ہیں اپنی کتاب التاج الاصول فی احادیث الرسول الجزء الخامس کے کتاب الفتن و الملاحم و علامات الساعۃ میں شرح و بسط کے ساتھ جمع کر دیا ہے، ان تمام احادیث کی تعداد ۱۰۰ (ایک صد و ہفتاد) ہے (ملاحظہ ہو کتاب التاج جلد پنجم از صفحہ ۱۹۱ تا ۱۸ ۱ بہ طبع مصر) ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب رسول نے قیامت تک ہونیوالے واقعات کو رسول اللہ سے سنا، لیکن کچھ تو بھول گئے اور کسی کو زیادہ یاد رہا اور کسی کو کم،

حذیفہ الیمان کہتے ہیں:-

واللہ انی لاعلم الناس بکل فتنۃ ھی کائنۃ فیما بینی وبین القیامۃ

بخدا میں ان ہونے والے تمام فتنوں کو سب سے زیادہ جانتا ہوں جو قیامت تک ہونے والے ہیں۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۸۸ وکتاب التاج الجامع للاصول للشیخ منصور علی ناصف جلد ۵ صفحہ ۲۷۶ طبع مصر)

جب حذیفہؓ الیمان رسول اللہ کے تبلائے ہوئے امور غیب پر مطلع ہیں تو امیر المومنین علیؑ باب مدینۃ العلم کے عالم غیب ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے علیؑ ہی وہ ہیں جن کو رسول نے اپنے علوم کا حامل و محافظ بنایا ہو۔

علامہ ابن حجر مکی قرآن و اہلبیت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

سمی رسول صلی اللہ علیہ وسلم القرآن وعترتہ ثقلین لان الثقل کل نفیس خطیر مصون وھذان کذلک اذ کل منھما معدن للعلوم اللدنیۃ والاسرار والحکم العلیۃ والاحکام الشرعیۃ و ولذا حث صلعم علی الاقتداء والتمسک بھم والتعلم منھم ثم احق من یتمسک بہ منھم امامھم وعالمھم علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ لما قد مناہ من مزید علمہ ودقائق مستنباطتہ

(صواعق محرقہ ابن حجر مکی صفحہ ۹۰ طبع مصر)

رسول اللہ نے قرآن و اہلبیتؑ کا نام ثقلین رکھا ہے کیونکہ ثقل کہتے ہیں ہر نفیس گراں بہا محفوظ چیز کو اور یہ دونوں ایسے ہی ہیں ان میں سے ہر ایک علوم لدنی کا معدن ہے اور ہر ایک اسرار و حکم عالیہ و احکام شرعیہ کا مخزن ہے اسی لیئے پیغمبرؐ نے ان کی اقتداء و تمسک کے لیئے امت کو ابھارا اور ان سے علم حاصل کرنے کے لیئے برانگیختہ کیا، اور اہلبیتؑ میں سب سے زیادہ جو اسکے احق ہیں کہ ان سے تمسک اور پیروی کی جائے، وہ امام آل محمدؐ عالم اہلبیت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں اس لیئے کہ آپ علم کی کثرت و زیادتی اور اسکے دقائق کے استنباط کرنے میں سب سے مقدم ہیں۔

علامہ شیخ شہاب الدین احمد بن عبد القادر الحفظی العجیلی الشافعی اپنی کتاب "ذخیرۃ المآل فی شرح عقد جواہر اللآل" میں لکھتے ہیں:۔

ان القطب الذی یدور علیہ اھل عالم الغیب وعلوم الباطن وھو علی رضی اللہ عنہ بعد وفاۃ المؤتمن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول اللہ صلعم کے بعد علی علیہ السلام قطب کی حیثیت رکھتے ہیں جس کے گرد اہل عالم غیب و علوم باطن گردش کرتے ہیں۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ امیر المؤمنین کے متعلق خود اصحاب پیغمبرؐ یہ بیان کرتے ہیں:۔

لم یکن احد من الصحابۃ یقول سلونی الا علی۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۷۶ طبع مصر)

اصحاب پیغمبرؐ میں سوائے علیؑ کسی نے یہ ادعا نہیں کیا کہ "پوچھ لو مجھ سے جو کچھ دریافت کرنا ہو۔"

حضرت علیؑ نے اگر عالم لدنی ہونے کے بعد آئندہ ہونے والے واقعات کو بتلایا تو اس سے انکار کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

علمائے اہلسنّت کا اقرار کہ علیؑ نے غیب کی خبر دی

علماء نے ایسے امور کا تذکرہ اپنے مصنفات میں کیا ہے جن سے امیر المومنینؑ کا غیب کا بیان کرنا ثابت ہوتا ہے علّامہ ابن حجر الہیتمی المکی لکھتے ہیں :-

واخرج عبد الرزاق عن حجر المرادی قال قال لی کیف بك اذا امرت ان تلعن علیا قلت او کائن ذالك قال نعم قلت فکیف اصنع قال العن ولا تبرأ منی قال فامرنی محمد بن یوسف اخو الحجاج وکان امیرا من قبل عبد الملك بن مروان علی الیمن ان العن علیا فالعنوه لعنه الله، فما فطن بها الا رجل ای لانه انما لعن الامیر ولم یلعن علیا فهذا من کرامات علیؑ واخباره بالغیب۔

(صواعق محرقہ ص۷۷ طبع مصر)

اخراج کیا عبد الرزاق نے حجر مرادی سے کہ حجر بن عدی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا اے حجر اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تم کو حکم دیا جائے گا کہ تم مجھ پر لعنت کرو، میں نے عرض کیا امیر المومنین کیا ایسا بھی ہو گا فرمایا ضرور۔ یہ سُن کر میں نے عرض کیا پھر اُس وقت مجھے کیا کرنا چاہیئے، فرمایا زبان سے تو لعنت کر دینا لیکن مجھ سے بیزاری نہ اختیار کرنا، حجر کہتے ہیں کہ مدتہائے دراز کے بعد ایسا ہی ہوا کہ حجاج کا بھائی محمد بن یوسف عبد الملک بن مروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا اُس نے مجھ کو حکم دیا کہ میں امیر المومنین علیؑ پر لعنت کر دوں، میں نے تعمیل حکم میں یوں کہا کہ امیر نے مجھ کو علیؑ پر لعنت کرنے کا حکم دیا ہے پس اس پر لعنت ہو، خدا اُس پر لعنت کرے میرے انداز کلام سے کوئی نہ سمجھ سکا سوائے ایک شخص کے جو یہ سمجھ گیا کہ درحقیقت میں نے امیر پر لعنت کی ہے، ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ واقعہ علیؑ کے کرامات میں سے ہے اور ان خبروں میں سے ہے جن میں علیؑ نے غیب کی خبر دی۔

غرض کہ مورخین و محدثین نے حضرت کے اخبار مغیبات کو اپنے مؤلفات میں ذکر کیا ہے، علّامہ ابن ابی الحدید نے بھی حضرت کے بعض اخبار مغیبات کو بحوالہ رُوات اہل سنت جمع کیا ہے، ملاحظہ ہو شرح ابن ابی الحدید جلد اول صفحات ۲۰۸ تا ۲۱۱ طبع مصر" اس لیئے نہج البلاغہ کے بعض خطب میں کوفہ و بصرہ کے آئندہ ہونے والے انقلابات، حجاج و ہلاکو کے مظالم و یلغار ایسے امور غیب کا ذکر ہونا یہ اس امر کا زبردست ثبوت ہے کہ یہ کلام امیر المومنین ہی کا ہے۔

ابن خلدون مغربی کا اقرار کہ اہلبیت صاحب کشف و کرامت ہیں

علّامہ ابن خلدون المغربی اپنے مقدمہ کے فصل "ابتداء الدول والامم" میں اہلبیت سے علوم غیب کے ظاہر

ہونے کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :-

"واذا کانت الکرامة تقع لغیرهم فما ظنك بهم علماً ودیناً وآثاراً من النبوة وعنایة من الله بالاصل الکریم تشهد لفروعه الطیبة وقد ینقل بین اهل البیت کثیر من هذا الکلام غیر منسوب الی احد"

(المقدمہ ص۲۶۸ طبع مصر)

حقیقت تو یہ ہے کہ جب کرامت کا ظہور انکے غیر سے ہوتا ہے تو پھر ان بزرگ ہستیوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو کہ علم و تدین کے اعتبار سے برتر تھے، اور آثار نبوت سے تھے اور یہ ایسے اصل کریم کی فرع طیب ہیں جن پر عنایت الٰہی شامل رہتی ہے اور اہلبیت سے اس قسم کے کلام بہت منقول ہیں جو کسی دوسرے کی طرف منسوب نہیں ہیں۔

پھر لکھتے ہیں :-

"ووقع من اهل البیت کثیر الکشف بما کانوا علیه من الولایة واذا کان بمثله لا ینکر من غیرهم من الاولیاء فی ذویهم واعقابهم وقد قال صلعم ان فیکم محدثین فهم اولی الناس بهذه الرتب الشریفة والکرامات الموهوبة" (المقدمہ ابن خلدون ص۲۶۳ طبع مصر)

اور کشف و کرامات کا ظہور اہلبیت سے بہت ہوا ہے کیونکہ یہ حضرات درجۂ ولایت پر فائز تھے اور جب کہ اس قسم کی چیزیں اولیاء کے نسل و اعقاب میں بھی ہیں اور حضرت پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا ہے، "تم میں سے" کچھ لوگ رجال غیب ہیں جو فرشتوں سے ہمکلام ہوتے ہیں" ظاہر ہے کہ اس رتبۂ شریفہ و کرامات موہوبہ کے لئے اور لوگوں کے مقابلہ میں یہ بہت زیادہ بہتر و انسب ہیں۔

امت محمدیہ میں صاحب کشف و الہام کا ہونا

علامہ ابن خلدون نے اس محل پر پیغمبرؐ کی ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا ہے "ان فیکم محدثین" یہ صحیح و مستند احادیث میں سے ہے اور کتب احادیث اہلسنت میں عام طور سے منقول ہے اور علماء نے اس لفظ "محدث" کی تشریح بھی کی ہے۔ علامہ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں :-

واختلف تفسیر العلماء محدثون فقال ابن وهب ملهمون وقیل مصیبون اذا ظنوا فکانهم حدثوا بشیٔ فظنوه وقیل تکلمهم الملائکة وجاء فی روایة متکلمون وقال البخاری یجری الصواب علی السنتهم وفیه اثبات کرامات الاولیاء

محدثون کی تفسیر میں علماء نے اختلاف کیا ہے ابن وہب کہتے ہیں کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر الہام ہوتا ہے بعض کہتے کہ وہ لوگ مراد ہیں کہ جو بھی خیال کریں وہی بات ہو جائے بعض کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن سے فرشتے کلام کرتے ہیں بخاری کا قول ہے کہ وہ لوگ وہ ہیں جنکی زبان پر صواب جاری ہو اس سے کرامات اولیا کا ثبوت ہوتا ہے

حافظ محب الدین الطبری، ریاض النضرہ میں لکھتے ہیں:-

ومعنی محدثون ای ملهمون الصواب یجوز ان یحمل علی ظاهره وتحدثهم الملائکة لا بوحی وانما بما یطلق علیه اسم حدیث وتلك فضیلة عظیمة۔ (ریاض النضرہ جلد اول صفحہ ۱۹۹)

معنی محدثون کے یہ ہیں کہ وہ لوگ جن پر صحیح و درست باتوں کا الہام ہوتا ہو، اور یہ بھی جائز ہے کہ ظاہر معنوں پر بھی اسکو محمول کریں کہ ملائکہ ان لوگوں سے بغیر وحی کے باتیں کرتے اس طرح پر کہ جس پر بات کا اطلاق ہو سکے، اور یہ ایک بڑی فضیلت ہے۔

علامہ عبدالرؤف المناوی تیسیر شرح جامع الصغیر میں لکھتے ہیں:-

وقال القرطبی، "محدثون" بفتح الدال اسم مفعول جمع محدث بالفتح ای ملهم او صادق الظن وهو من القی فی نفسه شیء علی وجه الالهام والمکاشفة من الملاء الاعلی او من یجری الصواب علی لسانه بلا قصد وتکلمه الملائکة بلا نبوة، فیظهر علی ما وقع له وهذه کرامة یکرم الله بها من شاء من صالح عباده ومنزلة جلیلة من منازل الاولیاء (جلد ۲ صفحہ ۱۵۰)

قرطبی کہتے ہیں "محدثون" دال پر زبر اسم مفعول جمع ہے محدث کی یعنی وہ جس پر الہام ہو یا جو گمان کرے وہ درست و صحیح ہو اور یہ وہ شخص ہوتا ہو جس پر ملاء اعلیٰ سے بطریق الہام و مکاشفہ دلمیں القاء ہوتا ہے، یا وہ شخص جسکی زبان پر صحیح و درست بات جاری ہو جائے بغیر قصد و ارادہ کے، یا جس سے فرشتے ہمکلام ہوں بغیر وحی و نبوت کے لہٰذا ایسے اور یہ وہ باتیں جو ہونے والی ہوتی ہیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور یہ وہ مرتبہ جلیلہ ہے جو اولیاء کے لئے مخصوص ہے اور وہ بزرگی ہے کہ خدا اپنے نیک بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اسکو معزز و مکرم کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:-

وقد کثر هولاء المحدثون بعد العصر الاول وحکمته زیادة شرف هذه الامة بوجود امثالهم فیها ومضاهاة بنی اسرائیل فی کثرة الانبیاء فلما فاتت هذه الامة المحمدیة کثرة الانبیاء لکون نبیهم خاتم الانبیاء عوضوا بتکثیر الملهمین۔

عصر اول کے بعد خدا وند عالم نے ان محدثین کی تعداد کو بڑھا دیا اور اسمیں حکمت یہ ہو کہ اسکے ذریعہ سے اس امت کی بزرگی و شرف کو دوبالا کرے اس امت میں محدثین کی کثرت بنی اسرائیل میں انبیا کی کثرت کا جواب ہے کیونکہ پیغمبر خدا صلعم پر نبوت کا خاتمہ ہو گیا ہو اسلئے امت محمدیہ میں خدا وند عالم نے کثرت انبیاء کے عوض میں ان لوگوں کی تعداد کو بڑھا دیا جن پر الہام ہوتا ہو تاکہ بنی اسرائیل سے شرف کم نہ ہو۔

کیا خلوصی صاحب امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام کو ان لوگوں میں بھی شمار نہ کرینگے جن پر الہام ہوتا ہو اور حالات غیب کا انکشاف ہوتا رہتا ہے، علمائے اہلسنت کے نزدیک تو اس درجہ پر رجال امت میں بکثرت لوگ فائز ہیں علی کی ذات تو ان سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔

چھٹا شبہہ

نہج البلاغہ کا اسلوب عبارت اور طرز نگارش حضرت کے عہد کا نہیں ہو کیونکہ اسمیں محاسن کلام و سجع پایا جاتا

ہے اور یہ انداز چوتھی صدی ہجری کا ہے۔

جواب

اس شبہہ کی مہملیت بالکل ظاہر ہے کیونکہ یہ اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے جب اس عہد میں محاسن کلام وسجع کا وجود نہ ہو، حالانکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دور جاہلیت ومخضرمین کے کلام میں یہ سب چیزیں پائی جاتی ہیں یہاں تک کہ خود قرآن واحادیث رسول بھی محاسن لفظی وسجع سے خالی نہیں ہے، کیا، دبك فكبر، میں صنعت قلب موجود نہیں، اور کیا "فاما الیتیم فلا تقھر واما السائل فلا تنھر" میں صنعت سجع موجود نہیں ہے، قرآن میں محاسن لفظی ومعنوی دونوں پایا جاتا ہے، کیا صرف اس بنا پر کہ علم معانی وبیان وبدیع کی تدوین بہت عرصہ کے بعد ہوئی ہے اس لیئے یہ فیصلہ کرنا درست ہوگا کہ قرآن بھی عہد تدوین علوم وفنون کا کلام ہے۔ اس بنا پر سجع ومحاسن کلام کی وجہ سے نہج البلاغہ کے متعلق شبہہ کرنا کہ یہ امیرالمومنین کا کلام نہیں ہے بالکل غلط ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ ان علوم وفنون کے اصول وضوابط صدر اول یا اس کے قبل کے زمانہ ہی سے ماخوذ ہیں ان تمام محاسن کلام کا وجود قبل زمانہ تدوین تھا، زمانہ مابعد میں انکو صرف منضبط ومدوّن کیا گیا، کیا زمانہ جاہلیت وصدر اول کے اشعار میں بحور وزن کی پابندی نہیں ہے، بحروں کی ایجاد تو بہت بعد میں ہوئی ہے، کیا زمانہ جاہلیت وابتدائے اسلام کی مایۂ ناز شاعری کو رد کردیا جاوے گا۔ کیونکہ اس میں کسی نہ کسی بحر کی پابندی ضرور ہے جس کو کہ بعد میں عروضیوں نے ایجاد کیا ہے، جاہلیت کے کلام میں آپ کو قواعد صرف ونحو کی پابندیاں بھی نظر آدیں گی حالانکہ اس عہد میں انکا نام ونشان بھی نہ تھا، اس لیئے اس سرمایۂ ادب سے بھی انکار کر دیجیے کہ وہ اس عہد کا نہیں ہے۔

جاہلیت وصدر اوّل کے کلام میں محاسن کلام وسجع کا وجود	ذوق سلیم اور فطری سلیقہ رکھنے والوں کے لیئے اصول وقواعد اور فن کی ضرورت

نہیں ہوا کرتی، اس لیئے جاہلیت اور صدر اول اسلام کے شاعر وخطیب اور ذوق سلیم رکھنے والوں کے کلام میں محاسن کلام وسجع پایا جاتا ہے۔

دکتور زکی مبارک اپنی کتاب النثر الفنی فی القرن الرابع میں لکھتے ہیں۔

ان السجع من ممیزات البلاغة	سجع کا ہونا فطری بلاغت کے خصوصیات وممیزات
الفطریة فھو فی اکثر اللغات یجری	میں سے ہے اور اکثر زبانوں میں یکساں طور پر نسلی و
باطراد والحکم والامثال ویمکن	موروثی حکم وامثال کی صورت میں یہ پایا جاتا ہے۔
الحکم بان امثال العامة تقع غالبًا	یہ کہا جاسکتا ہو کہ امثال عامہ عموماً مسجوع ہوا کرتے
مسجوعة وقد یجئی السجع علی المعنی	ہیں، اور ایسے دہقانی وصحرائی جو فطرت سے قریب

احیانا فی تعابیر الفطریین من اهل
البادیة والریف، وفی ذالك دلالة
علی ان المحسنات اللفظیة مما
یقصده العوام ولیست مما ینفرد به
الخواص، وما جمعه الرواة من خطب
الجاهلیین اکثره مسجوع کخطبة قس
بن ساعدة الایادی وخطبة النابغة
الذبیانی، ومع اننا نرتاب فی صحة
تلك الخطب فاننا نری فی وضعها
مسجوعة علی فرض صحة الوضع دلیلاً
علی ان الرواة کانوا یفهمون
ان السجع من طبیعة البلاغة الجاهلیة
وفهم الرواة له قیمة، لانهم
اقرب منا بمراحل طویلة الی ذالك
العهد ولانهم کانوا یملکون من
اصول الادب الجاهلی الصحیح ما
یمکنهم من الحکم علی طرائق اهله
فی التعبیر ولو ترکنا المشکوك فیه
من الآثار الجاهلیة وعدنا الی نص
جاهلی، لا ریب فیه وهو القرآن
لرأینا السجع احدی سماته احدی
سماته الاساسیة والقرآن نثر
جاهلی کما اوضحنا ذالك من قبل
السجع فیه یجری علی طریقة جاهلیة
حین یخاطب القلب والوجدان ولا
ینکر متعنت ان القرآن وضع الصلوٰة
والدعوات ومواقف الثناء والخوف

اپنے روزمرہ میں سجع بول جاتے ہیں، محسنات
لفظی کا عوام کے کلام میں پایا جانا اس بات کی
دلیل ہے کہ اس کے استعمال کرنے میں صرف خواص
ہی نہیں منفرد ہیں۔
اور راویان کلام نے جو زمانۂ جاہلیت کے
خطبوں کو جمع کیا ہے اس میں اکثر و بیشتر خطبے ایسے
ہیں جو مسجوع ہیں مثلاً قس بن ساعدہ ایادی و
نابغۂ ذبیانی کے خطبے جن میں سجع پایا جاتا ہے اگرچہ
ان خطبوں کی صحت نسبت میں ہم کو شک ہے لیکن
اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی وضع سجع کی پابندی
کے ساتھ ہوئی ہے اس لئے اس کو مان لینے پر بھی کہ
یہ خطبے موضوع ہیں یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ راویان
ادب یہ سمجھتے تھے کہ بلاغت جاہلیت کی طبیعت
میں سجع داخل ہے اور راویان ادب کا یہ سمجھنا اپنی
جگہ پر بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ وہ لوگ بہ نسبت
ہم لوگوں کے عہد جاہلیت سے قریب تر تھے
اور صحیح ادب جاہلیت کے اصول کو پرکھنے میں انکو
زیادہ اہلیت تھی، وہ جانتے تھے کہ زمانۂ جاہلیت
کے لوگ کن عبارتوں میں اپنے مطالب کو بیان کرتے
تھے اور ان کا انداز تعبیر کیا ہے آثار جاہلی میں سے
اس مشکوک کلام سے اگر ہم قطع نظر کرکے عہد جاہلیت
کے صحیح نص کی طرف اگر متوجہ ہوں تو ہم بھی فیصلہ
کریں گے کہ جاہلیت کے دور میں سجع کا وجود تھا
اس میں کوئی شک نہیں کہ نص صحیح جو عہد جاہلیت
کا ہے وہ قرآن ہے ہم اس قرآن میں بھی دیکھتے
ہیں کہ سجع اسکے بنیادی اسلوب میں سے ہے اس
امر کو میں پہلے واضح کر چکا ہوں کہ قرآن نثر جاہلی

والرجاء سوراً مسجوعة تماثل ما كان يرتله المتدينون من النصارى واليهود والوثنيين ...... (معنى هذا ان القرآن يسجع كان نمطا من فنون القول والدعاء عند الجاهلية والصلوات بصيغتها الى لون من الفن يتمثل فى السجع، لأن فيه استجابة للموسيقية الوجدانية فى قلوب المبتلين والى امثلة من سجع القرآن،

"وكم ارسلنا من نبى فى الاولين ... الى .... وانا الى ربنا لمنقلبون (سورة الزخرف)"

"السابقون السابقون اولئك المقربون .... الى ...... وفرش مرفوعة (سورة الواقعة) وعند ملاحظة سجع القرآن تراه يتخلف فجاءة فى بعض الأحايين كان تكون القافية نونية تجئ فى وسط السياق فاصلة ميمية، فى هذا برهان على ان المعنى هو الاصل و السجع لا يراد به مطلق التوافق فى الحروف وانما يقصد به التلحين و التنغيم لان التغير الحرف مع بقاء الوزن لا يغير من الرنة

ہے، عہد جاہلیت کے اسلوب کے مطابق قرآن میں سجع پایا جاتا ہے جب کہ وہ قلب و وجدان کو خطاب کرتا ہے اور اس سے کوئی مخالف انکار نہیں کرسکتا کہ قرآن نے نماز، دعا، حمد و ثنا، خوف و رجاء کے محل اور موقع کے لیے مسجوع سور کو وضع کیا ہے اسی آہنگ و زمزمہ کی طرح جسکو یہود و نصاری اور بت پرست پڑھتے ہیں، اصل مطلب یہ کہ قرآن میں سجع ہے کیونکہ عہد جاہلیت میں کلام و دعا کے لیے سجع افادتین کلام سے تھا، نماز، یہی طبعی خصوصیات کی بنا پر ایک قسم فن (آرٹ) ہے جو سجع کی شکل میں صورت پذیر ہوتی ہے کیونکہ عبادت گزار کے دلوں میں گداز کی کیفیت پیدا ہونے کی وجہ سے فطری موسیقی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور سجع قرآن کی یہ چند مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔

سورۂ زخرف کی آیات "وکم ارسلنا من نبی فی الاولین .... سے .... وانا الی ربنا لمنقلبون" تک سورۂ واقعہ کی آیات "والسابقون السابقون اولئک المقربون .... سے .... وفرش مرفوعة ......" تک قرآن کے سجع کو دیکھنے میں تم محسوس کرو گے کہ گاہ گاہ وہ اپنا انداز دفعتہً بدل دیتا ہے جیسے کبھی قافیہ نونیہ ہے اور یک بیک اسی سلسلۂ کلام کے درمیان میمیہ فاصلہ پیدا ہو جاتا ہے یہ اسلوب اس امر کی دلیل ہو کہ کلام میں اصل معانی و مفاہیم کا تحفظ ہو اور سجع سے مقصود صرف یہ نہیں ہو کہ حروف میں اتفاق ہو بلکہ سجع قرآن کا اصل مقصود لحن و نغمہ باقی رکھنا ہو کیونکہ وزن کو باقی رکھنے کے بعد حرف

الموسیقیة ۔
وفی الاحادیث النبویة سجع
مقصود خلافا لما ظن الموسیو ماسینون،
ومن امثلته "افشوا السلام
واطعموا الطعام وصلوا الارحام
وصلوا باللیل، والناس نیام تدخلو
الجنة بسلام"، ونقل الغزالی فی باب
الاستعاذات الماثورة عن الرسول
"اللهم انی اعوذ بك من طمع
یهدی الی الطبع ومن طمع فی غیر مطمع
ومن طمع حیث لا مطمع اللهم انی
اعوذ بك من علم لا ینفع وقلب
لا یخشع ودعاء لا یسمع ونفس لا
تشبع واعوذ بك من الجوع فانه
بئس الضجیع ومن الخیانة فانها
بئست البطانة ومن الکسل والبخل
والجبن والهرم ان ارد الی ارذل العمر

میں تبدیلی پیدا کر دینے سے زمزمۂ موسیقی میں تغیر نہیں پیدا ہوتا
احادیث پیغمبر میں بھی سجع مقصود پایا جاتا ہے
برخلاف موسیو ماسینیوں کے جو غلطی سے
اسکے خلاف سمجھے ہوئے ہیں۔
مثال ملاحظہ ہو افشوا السلام اطعموا الطعام
وصلوا الارحام وصلوا باللیل والناس نیام،
تدخلوا الجنة بسلام امام غزالی نے استعاذات
ماثورہ میں رسول اللہ صلعم سے نقل کیا ہے۔
"اللهم انی اعوذ بك من طمع
یهدی الی طبع ومن طمع فی غیر
مطمع ومن طمع حیث لا مطمع
اللهم انی اعوذ بك من علم لا ینفع
وقلب لا یخشع ودعاء لا یسمع و
نفس لا تشبع واعوذ بك من الجوع
فانه بئس الضجیع ومن الخیانة فانها
بئست البطانة ومن الکسل والبخل
والجبن والهرم ان ارد الی ارذل العمر

(احیاء العلوم جلد ۱ صفحہ ۳۰۱)

ولنقید ان السجع لا یطرد فی الحدیث
کما لا یطرد فی القرآن فهو حلیة
تقصد ولکنها لا تلتزم لما فی
التزامها فی قهر المعانی علی
متابعة الالفاظ."
وقد نجد فی الاحادیث عبارات
تجری مجری السجع من حیث مراعات
الوزن وان لم تراع فیها القافیة
کقوله علیه السلام اللهم انی اسئالك

بے شک حدیث میں ہر جگہ سجع نہیں ہوسکتا
جس طرح سے کہ قرآن میں ہر جگہ نہیں بنایا گیا
اگرچہ وہ آرائش کلام کا ایک پسندیدہ عنوان ہے
لیکن اسکا التزام اس لئے نہیں جاری کیا جاسکتا کہ
ایسا کرنے میں معانی کو الفاظ کا تابع بنانا پڑے گا
احادیث میں ہمکو بہت سی عبارتیں ایسی بھی ملتی ہیں جنکا
انداز وزن کی رعایت کے لحاظ سے سجع کا سا ہے
اگرچہ اس میں قافیہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے
جیسے رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد ہے اللهم

ورحمة من عندك تهدي بها قلبي وتجمع بها شملي وتلم بها شعثي وترد بها الفتي وتصلح بها ديني وتحفظ بها غائبي وترفع بها شاهدي وتزكي بها عملي وتبيض بها وجهي وتلهمني بها رشدي وتعصمني بها من كل سوء (احیاء العلوم جلد ۱ ص ۳۲۲)

انی اسئلك رحمة من عندك تهدی بها قلبی وتجمع بها شملی وتلم بها شعثی وترد بها الفتی وتصلح بها دینی وتحفظ بها غائبی وترفع بها شاهدی وتزکی بها عملی وتبیض بها وجهی وتلهمنی بها رشدی وتعصمنی بها من کل سوء

"وهذا النوع من الوزن قريب من السجع من حيث بناء الجمل وسقوط الفقر بعضها قليل" "ولو مضينا نستقرئ خطب الصحابة والخلفاء الراشدين لرأينا السجع يلتزم في كثير من الأحيان"

اور جملہ کی بناوٹ کے لحاظ سے وزن کی یہ قسم سجع سے لگ بھگ ہے۔

علاوہ ازیں اگر ہم صحابہ رسول و خلفاء راشدین کے خطبوں کو پڑھیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر و بیشتر ان میں سجع کا التزام کیا گیا ہے۔

وقد رأينا التوحيدي يخترع حديث السقيفة ويرى من الفن ان ينطق الصحابة بكلام مسجوع لانه كان يعرف لغتهم كذلك۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ابو حیان توحیدی نے حدیث سقیفہ کو وضع کیا اور اس نے فنی حیثیت سے یہ لازم جانا کہ صحابہ کی گفتگو کو مسجوع کلام کی حیثیت سے وارد کرے کیونکہ توحیدی اُن کے انداز کلام اور ان کے گفتگو کے طور طریقہ سے خوب واقف تھا"

ودقة المحاكاة ما رأينا التوحيدي يحرص عليه في حديث السقيفة من التسامح في التزام السجع في بعض الفقرات ليوافق المنهج الذي عرف في نظم القرآن والحديث وخطب الصحابة والخلفاء الراشدين۔

خلفاء کے نقل قول میں اپنے کلام کو بالکل انکا کلام بنا دینے میں توحیدی اس حد تک حریص ہے کہ اُس نے اکثر مقامات پر سجع کو ترک کر دیا ہے تاکہ بالکل اس اسلوب کے مطابق ہو جاوے جو قرآن و حدیث اور صحابہ و خلفاء راشدین کے خطبوں میں پایا جاتا ہے"

علامہ شیخ ضیاء الدین ابو الفتح نصر اللہ محمد بن عبد الکریم بن اثیر الجزری الموصلی الشافعی المتوفی ۶۳۷ھ اپنی کتاب المثل السائر فی الادب الکاتب والشاعر میں لکھتے ہیں:

ان اكثر القرآن مسجوع حتى ان السورة لتأتي جميعها مسجوعة

قرآن کا اکثر و بیشتر حصہ سجع پر مشتمل ہے یہاں تک کہ بعض سورے تو ایسے ہیں جو از اول تا آخر صنعت سجع کے حامل

وما منع ان یاتی القرآن کلہ مسجوعاً الا انہ سلک مسلک الایجاز و الاختصار، والسجع لا یواتی فی کل موضع من الکلام اقوی من الاول ولذلک ثبت ان المسجوع من الکلام افضل من غیر المسجوع وانما تضمن القرآن غیر المسجوع لان ورود غیر المسجوع معجزاً ابلغ فی باب الاعجاز من ورود المسجوع ومن اجل ذلک تضمن القرآن القسمین جمیعاً۔ (مثل السائر ص۸۶ طبع مصر)

ہیں، جن بعض مقامات پر سجع کا استعمال نہیں ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ قرآن کلام معجز و مختصر ہے اور سجع کی وجہ سے جن بعض مقامات پر ایجاز سے ہٹنا اگر پڑ ہوگیا تھا وہاں اُسے ایک ادبی مصلحت سے نظر انداز کیا گیا اور جو صنعت ایجاد اُس سے بھی زیادہ قوی ہو اُسے اختیار کیا گیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کلام جو مسجوع ہو وہ غیر مسجوع کلام سے افضل ہے قرآن مجید میں غیر مسجوع کلام مسجوع کے علاوہ بھی وارد کیا گیا ہے کیونکہ مسجوع کلام کے مقابلہ میں غیر مسجوع کلام باعتبار اعجاز زیادہ بلیغ ہے، اسی سبب سے قرآن میں دونوں قسم کے کلام موجود ہیں۔

علّامۂ موصوف "سجع" کی بحث میں لکھتے ہیں:-

وقد ذمہ بعض اصحابنا من ارباب ھذہ الصناعۃ ولا اری لذلک وجہاً سوی عجزھم ان یاتوا بہ والا فلو کان مذموماً لما ورد فی القرآن الکریم فانہ قد اتی منہ بالکثیر حتی انہ لیؤتی بالسورۃ جمیعاً مسجوعاً کسورۃ الرحمٰن والقمر، وغیرھما وبالجملۃ تخل منہ سورۃ من السور فمن ذلک .... وامثال ذلک کثیرۃ وقد ورد ھذا الاسلوب من کلام النبی صلعم شیٔ کثیراً ایضاً فمن ذلک مارواہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلعم استحیوا من اللہ حق الحیاء قلنا انا لنستحی من اللہ یارسول اللہ قال لیس ذلک ولکن الاستحیاء من اللہ ان تحفظ

بعض ارباب ادب نے سجع کو مذموم سمجھا ہے میرے نزدیک اس کو بُرا سمجھنے کی اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ بُرا سمجھنے والے خود اس صنعت پر قادر نہ تھے کہ اس صنعت کو استعمال کرسکتے اس لیئے ان لوگوں نے اپنی کمزوری کو پوشیدہ کرنے کے لیئے یہ ضروری سمجھا کہ اس کو بُرا کہیں اگر در اصل یہ کوئی مذموم صنعت ہوتی تو قرآن کریم میں اس کا استعمال کیوں ہوتا قرآن میں بکثرت سجع موجود ہے، یہانتک کہ بعض سورے تو شروع سے آخر تک مسجوع ہیں جیسے سورۂ رحمٰن سورۃ القمر وغیرہا مختصر یہ کہ قرآن میں کوئی سورہ ایسا نہیں جس میں سجع کی مثال نہ مل جاتی ہو، چند مثالیں بلحاظ خوف طوالت کے بعد وہ آیات قرآنی جس میں سجع ہو بطور مثال کے نقل کی ہیں جن کو بلحاظ طوالت ترک کیا گیا، قرآن میں سجع کی مثالیں بہت زیادہ ہیں، قرآن کے علاوہ رسول اللہ صلعم کے کلام میں بھی یہ اسلوب (سجع) بکثرت پایا جاتا ہے، منجملہ اسکے یہ ہے جس کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا۔ خدا سے حیا کرو جو حق ہو حیا کرنیکا

الراس وما وعی والبطن وما حوی
وتذکر الموت والبلی ومن اراد
الآخرة ترك زينة الحياة الدنيا
ومن ذالك ما رواه عبد الله بن سلام
فقال لما قدم رسول الله صلعم فجئت
فی الناس لانظر اليه فلما تبينت وجهه
علمت انه ليس بوجه كذاب فكان
اول شیء تكلم به ان قال ايها الناس
افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا
بالليل والناس نيام تدخلوا الجنة
بسلام" فان قيل ان النبی صلعم قال
لبعضهم منكرا عليه وقد كلمه بكلام
مسجوع أسجعا كسجع الكهان ولولا
السجع مكروه لما انكره النبی صلعم
فالجواب عن ذلك . انا نقول لو كره
النبی صلعم السجع مطلقا لقال أسجعا
ثم سكت وكان التتمة يدل على انكار
هذا الفعل لم كان فلما كان أسجعا
كسجع الكهان صار المعنی معلقا على امر
وهو انكار الفعل لم كان على هذا
الوجه فعلم انما ذم من السجع ما كان
مثل سجع الكهان لا غير وانه لم يذم
السجع على الاطلاق وقد ورد فی القرآن الكريم
وهو صلى الله عليه وسلم قد نطق به كثيرا
من كلامه حتى انه غير الكلمة عن وجهها
اتباعا لها باخواتها من اجل السجع فقال
لابن ابنته عليهما السلام اعيذه من الهامة

اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اللہ سے حیا کرتے ہیں
حضرت نے فرمایا حیا یہ نہیں ہے بلکہ خدا سے حیا کرنا یوں ہے کہ
تحفظ الراس وما وعی . والبطن وما حوی، و
تذکر الموت والبلی ، ومن اراد الاخرة ترك
زينة الحياة الدنيا . الخ
عبد اللہ بن سلام کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جب
رسول اللہ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو میں حضرت
کی زیارت کے لیے مجمع میں نکلا جب حضرت کے روئے مبارک
نظر پڑی تو مجھے اس کا یقین ہو گیا کہ معاذ اللہ یہ کسی کذاب
کا چہرہ نہیں بلکہ حضرت اپنے دعوی رسالت میں صادق
ہیں اس وقت حضرت نے سب سے پہلے جو کلام ارشاد فرمایا
وہ یہ تھا یا ایہا الناس افشوا السلام واطعموا
الطعام وصلوا باللیل والناس نیام تدخلوا
الجنہ بسلام"
اب اگر کوئی معترض یہ کہے کہ حضرت نے ایک ایسے شخص سے
جس نے حضرت سے مسجوع کلام کیا تھا تو حضرت نے اسکو نا پسند
فرما کر یہ ارشاد کیا تھا "یہ سجع تو مثل کاہنوں کی سجع کے ہے"
اگر سجع کو رسول اللہ ناپسند نہ فرماتے تو یہ ارشاد کرتے اسکا جواب
یہ ہے کہ اگر رسول اللہ مطلق سجع کو ناپسند فرماتے تو یہ ارشاد
کرکے ساکت ہو جاتے کہ "یہ تو سجع ہے" کیونکہ اس سے سجع کی اس
قسم سے اظہار ناگواری ہو جاتی لیکن حضرت نے جب فرمایا
کہ "یہ سجع تو مثل کاہنوں کی سجع کے ہے" تو اس سے مطلق سجع
کے انکار کا مفہوم نہیں پیدا ہوتا بلکہ ایک مخصوص طرز سجع سے
ناگواری ظاہر ہو رہی ہے اور وہ مخصوص طرز کاہنوں
کی سجع کا ہے نہ کہ سجع کی دوسری قسمیں اسلیے کہ حضرت نے
سجع کی مطلقاً مذمت نہیں فرمائی اور ایسا کیونکر ہو سکتا تھا جبکہ
قرآن مجید میں سجع موجود ہے اور خود حضرت نے بھی کلام

اللامة وكل عين لامة، وانما اراد ملمة
لان الاصل فيها من الم فهو ملم،
وكذلك قوله صلعم ارجعن مازورات
غير ماجورات، وانما اراد موزورات
من الوزر فقال مازورات لمكان ماجورات
طلبا للتوازن والسجع وهذا مما يدلك
على فضيلة السجع، على ان هذا الحديث
النبوى الذى يتضمن انكار سجع الكهان
عندى فيه نظر فان "توهم ليسبق الى الذهن"
يقال فما سجع الكهان الذى يتعلق
الانكار به ونهى عنه رسول الله صلعم
والجواب عن ذلك ان النهى لم يكن
عن السجع نفسه، انما النهى عن الحكم
الكاهن الوارد باللفظ المسجوع الاترى
لما امر رسول الله اسجعا كسجع الكهان
اى اتتبع سجعا كسجع الكهان
وكذلك كان الكهنة كلهم فانهم كانوا
اذا سئلوا عن امر جاؤا بالكلام مسجوعا
كما فعل الكاهن فى قصة هند بنت عتبة
فانه قال لما امتحن قبل السؤال عن
قصتها ثمرة فى كمرة فقيل له نريد
ابين من هذا فقال حبة بر فى احليل
مهر فانه قال عبد المسيح جاء الى
سطيح وهو موف على الضريح لرؤيا
المؤبذان وارتجاس الايوان واتم
الكلام الى آخره مسجوعا والحكاية
مشهورة ايضا فلهذا اختصرناها

مسجوع ارشاد فرمایا ہے یہاں تک کہ محض سجع کو برقرار
رکھنے کے لئے حضرت نے اپنے کلام میں ایک کلمہ کو اسکی
صورت سے بدل دیا تاکہ لفظوں میں جو سجع کی مناسبت ہے
وہ پائی رہے جیسا کہ آپ نے اپنے فرزند حضرت کیلئے ارشاد
فرمایا تھا " اعیذ من الھامۃ والسامۃ وکل
عین لامۃ " ۔ لامۃ کہتے ہوئے یہاں پر حضرت نے
" ملمۃ " مراد لیا ہے کیونکہ اصل لفظ "الم" سے یہ
" ملم ہوگا اسی طرح حضرت کا یہ ارشاد "ارجعن
مازورات غیر ماجورات " یہاں پر بھی حضرت
کی مراد " موزورات " ہے جو "موزن" سے ہی لیکن
حضرت ماجورات کی مناسبت سے مازورات ارشاد فرمایا
ہیں " تاکہ وزن و سجع دونوں قائم رہیں اور یہ امر بھی سجع کی
کی فضیلت کو ثابت کر دیتی ہے ۔ علاوہ اسکے یہ حدیث
نبوی جو کاہنوں کے سجع کے انکار پر مشتمل ہو یہ میرے
نزدیک قابل غور ہے۔

سوال یہ ہے کہ کاہنوں کا سجع کیسا ہوتا ہے جو قابل
ذم ہے اور جس کو رسول اللہ نے منع فرمایا ہو؟ اس کا
جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت نفس سجع سے نہیں متعلق ہے بلکہ
اس نہی کا تعلق اس حکم سے ہے جو کاہن اپنی مسجع عبارت
کے ذریعہ لگایا کرتے ہیں ...... تمام کاہنوں کا دستور
تھا کہ جب ان سے کسی امر کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ
مسجع عبارت میں حکم لگاتے اور جواب دیا کرتے تھے جیسا کہ
ہند بن عتبہ کے قصہ میں کاہن نے مسجوع عبارت میں
حکم لگایا تھا...........................
در اصل سجع سے نہیں منع کیا گیا بلکہ کاہن کی اس حکم
کی پیروی سے روکا گیا ہے جو مسجع عبارت میں دیا
کرتے تھے اس لئے رسول اللہ کا یہ جملہ کہ "یہ سجع تو

فالسجع اذا ليس بمنهي عنه وانما
المنهي عنه هو الحكم المتبوع في قول
الكاهن فقال رسول الله صلعم
أسجعا كسجع الكهان اى احكما
كحكم الكهان به ذلك والا
فالسجع الذى اتى الرجل لا بأس
به لانه أأدى من شرب ولا اكل
ولا نطق ولا استهل ومثل ذلك
بطل وهذا كلام حسن من حيث
السجع وليس ينكر لنفسه وانما المنكر
هو الحكم الذى تضمنه في امتناع الكاهن
ان يدى الجنين بغرة عبد او امة

مثل کاہنوں کی سجع کے ہے"، یہ مطلب رکھتا ہے
کہ یہ حکم لگانا بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ کاہن اپنی سجع
عبارت میں حکم لگایا کرتے ہیں، اور اصل اگر کوئی سجع
کا استعمال کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے
جیسا کہ خود یہی عبارت ہے جس کے سلسلہ میں رسول
اللہ کا یہ ارشاد منقول ہے۔ "أأدى من لا
شرب ولا اكل ولا نطق ولا استهل
ومن ذلك بطل" اس میں کیا شک ہے کہ یہ
کلام بحیثیت مسجع ہونے کے بہت خوب ہے کسی طرح
مذموم نہیں، در اصل اس کی برائی اور مذمت کاہن
کے انداز پہ اس حکم لگانے سے ہے کہ "ان
يدى الجنين بغرة عبدا او امة"

(مثل السائر صفحہ ۲، ۷۵، طبع مصر)

اسی طرح علامہ ابو ہلال حسن بن عبد اللہ بن سہل العسکری المتوفی ۳۹۵ھ نے بھی قرآن اور حدیث
پیغمبر میں سجع کا ہونا ثابت کیا ہے اور کلام مسجوع کے مستحسن ہونے پر بحث کی ہے، ملاحظہ ہو۔ کتاب الصناعتین
الباب الثامن فی ذکر السجع والازدواج صفحہ ۱۹۹/۲۰۰ طبع اول مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۲۰ھ)
علامہ ابن ابی الحدید استحسان کلام مسجوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

واعلم ان السجع لو كان عيبا لكان
كلام الله سبحانه معيبا لانه مسجوع
كله ذو فواصل وقرائن ويكفي هذا
القدر وحده مبطلا لمذهب هولاء
فاما خطبة رسول الله صلعم هذه
وان لم تكن ذات سجع فان
اكثره خطبة مسجوع، كقوله
ان مع العز ذلا وان مع الحياة موتا
وان مع الدنيا آخرة وان لكل
شيء حسابا ولكل حسنة ثوابا

جاننا چاہیئے کہ اگر سجع کا استعمال عیب ہے تو پھر
قرآن کریم الہامی نیز دور پاک کلام میں بھی عیب
پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی سجع موجود ہے اور
یہ امر ان لوگوں کے بطلان کے لیئے کافی ہے جو سجع
کو معیوب سمجھتے ہیں علاوہ ازیں رسول اللہ صلعم کے
خطبے اگرچہ سب کے سب کلام مسجوع نہیں ہیں لیکن
اکثر و بیشتر خطبے حضرت کے ایسے ہیں جس میں
سجع موجود ہے مثلاً "ان مع العز ذلا
ان مع الحياة موتا ——— وهو
عملك" اس کلام کا اکثر و بیشتر حصہ مسجوع

ولكل سيئة عقابا وان على كل شيء رقيبا وانه لا بد لك من قرين يدفن معك هو حي وانت ميت فان كان كريما اكرمك وان كان لئيما اسلمك ثم لا يحشر الا معك ولا تبعث الا معه ولا تسأل الا عنه فلا تجعله الا صالحا فانه ان صلح أنست به وان فسد لم تستوحش الا منه وهو عملك "فاكثر هذا الكلام مسجوع" لما تراه وكذلك خطبه الطوال كلها واما كلامه القصير فانه غير مسجوع لانه لا يحتمل السجع وكذلك القصير من كلام امير المومنين عليه السلام فاما قولهم ان السجع يدل على التكلف فان المذموم هو التكلف الذي تظهر سماجته وثقله للسامعين، فاما التكلف المستحسن فاى عيب فيه الا ترى ان الشعر نفسه لا بد فيه من تكلف اقامة الوزن وليس لطاعن ان يطعن فيه بذلك واحتج عايبو السجع بقوله عليه السلام لبعضهم منكرا عليه، أسجعا كسجع الكهان لولا ان السجع منكر لما انكر عليه السلام سجع الكهان وامثاله فيقال لهم انما انكر عليه السلام السجع الذي هو سجع الكهان امثاله لا السجع على الاطلاق وهو صورة الواقعة انه عليه السلام امر في الجنين بغرة فقال قائل أأدي من لا شرب ولا اكل ولا نطق ولا استهل ومثل هذا بطل فانكر عليه السلام

ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو حضرت کے جس قدر طولانی خطبے ہیں وہ سب مسجع ہیں! اں آپ کا کلام قصیر البتہ ایسا ہے جس میں سجع نہیں پایا جاتا کیونکہ ایسا کلام سجع کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اسی طرح امیر المومنینؑ کے کلام قصیر میں بھی سجع نہیں ہے، رہا معترض کا خیال کہ سجع تکلف و تصنع پر دلالت کرتا ہے اسکی کوئی اہمیت نہیں اسلئے کہ مذموم در اصل وہ تکلف ہے جس کی قباحت ظاہر ہو اور سننے والوں پر گراں گذرے لیکن تکلف مستحسن تو اس میں کونسا عیب ہے، آخر دیکھئے تو خود شعر میں وزن کی پابندی کب تکلف سے خالی ہے لیکن اس پر کوئی معترض اعتراض نہیں کرتا، سجع کو برا سمجھنے والوں نے آں حضرتؐ کے اس قول سے بھی احتجاج کیا ہے جو آں حضرتؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ سجع مثل کاہنوں کی سجع کے ہے معترض کا گمان یہ ہے کہ اگر سجع مذموم نہ ہوتا تو آں حضرتؐ ایسا کیوں ارشاد کرتے، اس کا جواب یہ ہے کہ آں حضرت صلعم نے کاہنوں کی سجع کو مکروہ و مذموم قرار دیا ہے نہ کہ مطلق سجع کو، واقعہ یہ ہے کہ آں حضرت صلعم نے جنین کے متعلق جو ارشاد فرمایا تھا تو اس کو سنکر ایک شخص نے یہ کہا تھا "أأدی من لا شرب ولا اکل ولا نطق ولا استهل ومثل هذا بطل"

پس حضرت نے اس انداز کلام کو ناپسند فرمایا، اسلئے کہ کاہن زمانۂ جاہلیت میں مسجوع الفاظ کے ساتھ حکم لگایا کرتے تھے جیسے کاہنوں کا قول ہے، "سحبة برق احليل مضر" یا اُن لوگوں کا

ذلك لان الكهان كانوا يحكمون في الجاهلية بالفاظ مسجوعة كقولهم حبة بر في احليل مهر وقولهم عبد المسيح على جمل مشيح لرؤيا الموبذان وارتجاس الايوان ونحو ذلك من كلامهم وكان عليه السلام قد ابطل الكهانة والتنجيم والسحر ونهى عنها فلما سمع كلام ذلك القائل اعاد الانكار ومراده به تاكيد تحريم العمل على اقوال الكهنة ولو كان عليه السلام قد انكر السجع لما قاله وقد بينا ان كثيرا من كلام مسجوع وذكرنا خطبته ومن كلام عليه السلام المسجوع خبر ابن مسعود رحمه الله تعالى فقال ليس ذلك بالامر تكم بروانما الاستحياء من الله ان تحفظ الرأس وما وعى والبطن وما حوى وتذكر الموت والبلى ومن اراد الآخرة ترك زينة الحياة الدنيا ومن ذالك قد م المشهور عليه السلام اول قدومه اليها ايها الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا بالليل والناس نيام تدخلوا الجنة بسلام وعوذ الحسن عليه السلام فقال اعيذك من الهامة والسامة وكل عين لامة وانما اراد ملمة فقال لامة لاجل السجع وكذلك قوله ارجعن مازورات غير ماجورات، وانما هو موزورات بالواو۔ (ابن ابی الحدید جلد اول ص ۳۲۲، ۳۲۳ طبع مصر)

یہ قول "عبد المسیح علی جمل المشیح لرؤیا الموبذان وارتجاس الایوان" وغیرہ وغیرہ۔ آں حضرتؐ نے کہانت، سحر، علم نجوم (جوتش) وغیرہ کو باطل قرار دیا ہے، اس لیئے کہ جب آں حضرت نے قائل کے مندرجہ بالا کلام کو سنا تو آپ نے اس کو ناپسند فرمایا۔ گویا حضرت نے اس طرح کاہنوں کے اقوال پر عمل کرنے کی حرمت پر تاکید فرمائی، اگر آں حضرت سجع کو برا سمجھتے ہوتے تو خود کیوں استعمال فرماتے جیسا کہ آپ کے اکثر کلام میں موجود ہے اور ایک خطبہ کو مثالاً پیش کر چکا ہوں، خبر ابن مسعود میں بھی مسجوع کلام آپ سے منقول ہے، "ان تحفظ الرأس وما وعی والبطن وما حوی وتذکر الموت والبلی ومن اراد الآخرة ترك زينة الحياة الدنيا" اور حضرت کا یہ کلام مشہور جو مدینہ میں آنے کے بعد ارشاد فرمایا "ایها الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا بالليل والناس نيام تدخلوا الجنة بسلام" یا امام حسن علیہ السلام کے لیئے آپ کی جو دعا ہے، "اعیذك من الهامة والسامة وكل عين لامة" یہاں پر لامّة سے مراد حضرت کی ملمة ہے "لیکن حضرت نے سجع کو برقرار رکھنے کے لیئے لامة ارشاد کیا، اسی طرح حضرت کا قول "ارجعن مازورات غیر ماجورات" حالانکہ دراصل مازورات نہیں ہے بلکہ موزورات واؤ کے ساتھ ہے، لیکن سجع کے لیئے مازورات ارشاد ہوا"

بہر حال عہد جاہلیت وصدر اول اسلام کے خصوصیات میں سے ہے کہ اس عہد کا کلام مسجوع ہوا کرتا تھا، یہاں تک کہ خلیفہ سوم عثمان بن عفان جو قادر الکلام وخطیب نہ تھے جن کی زبان تقریر کرنے میں بند ہو جاتی تھی

لیکن خلافت کی ذمہ داری کی بنا پر کسی نہ کسی طرح خطبہ دینے پر مجبور تھے، ان کے بھی مسجوع خطبے پائے جاتے ہیں جس میں سجع کی پابندی موجود ہے (تاریخ الطبری جلد سوم صفحہ ۲۷۰ طبع قاہرہ و ابن ابی الحدید جلد دوم صفحہ ۲۸۲ طبع مصر)

ساتواں شبہ

نہج البلاغہ میں بعض الفاظ ایسے معنوں میں وارد ہوئے ہیں جن معنوں میں صدر اول میں یہ الفاظ نہیں دلالت کرتے تھے بلکہ یہ الفاظ مولد ہیں جو دور تراجم و تدوین علوم میں اصطلاحاً ان معنوں میں استعمال کیے گئے ہیں جیسے ازلیۃ، کیفیہ معلول وغیرہ الفاظ کا پایا جانا اس کا ثبوت ہے کہ یہ حضرت علیؑ کا کلام نہیں ہے۔

جواب

یہ ایراد کئی وجہوں سے صحیح نہیں ہے،

اصطلاحات کے واضع خود امیرالمومنینؑ ہیں

اول یہ کہ جدید اصطلاحی معنوں کے اعتبار سے یہی کیوں نہ تسلیم کیا جائے کہ ان اصطلاحات کے واضع و موجد خود امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ ہی ہیں، جس طرح حضرتؑ نے علم نحو کو ایجاد فرمایا نقوط[عله] اعراب کی تشکیل کی، علم توحید و کلام اور فقہ اسلامی کی تاسیس فرمائی۔

عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:۔

له الهداية الاولی فی التوحيد الاسلامی	امیرالمومنین علی ہی نے علمی و فنی حیثیت سے سب سے
والقضاء الاسلامی والفقه الاسلامی وعلم النحو العربی	پہلے توحید اسلامی، فقہ اسلامی، علم نحو عربی
وفن الكتابة العربية مما يجوز لنا ان	فن کتابت عربی کی طرف رہبری فرمائی جس کی بنا پر

عله یہاں پر نقوط اعراب سے مراد علامت اعراب ہے، جو شروع میں قرآن مجید میں بطور علامت (زیر، زبر، پیش) کے نقطہ کی شکل میں دیے گئے تھے اس امر کی تعلیم ابوالاسود نے امیرالمومنین سے حاصل کی تھی، ورنہ اصل نقطہ کا وجود بہت پہلے سے ہے، نقطہ سامی زبانوں میں برابر استعمال ہوا ہے، استاد ڈکٹر ابراہیم جمعہ مصری لکھتے ہیں، واذا كان من المقطوع به ان الشكل والعلامات الاعرابية امر حادث على الكتابة العربية فى الاسلام، فان النقط بمعنى اضافة النقط الى الحروف المتشابهة فى الرسم كالباء والتاء والثاء والياء قد يكون اقدم عهداً، اذ يبعد أن تكون الحروف التى من هذا القبيل قد وضعت اول امرها على هذا اللبس وتدل بعض الكتابات العربية التى تنسب الى اوائل العقد الثالث الهجرى (۲۲ھ) على ان العرب كانوا يستعملون النقط قبل انشاء الكوفة واستقرارهم فى العراق اى قبل زياد وأبى الاسود بزمن (قصة الكتابة العربية صفحہ ۵۰ دار المعارف مصر ترجمہ صفحہ ۱۹۶ پر دیکھو)

نسميه اساسًا صالحًا للموسوعة المعارف
الاسلامية في جميع العصور او يجوز لنا
ان نسميه موسوعة المعارف الاسلامية
كلها في الصدر الاول من الاسلام
(عبقرية الامام صفحہ ۱۸۱ طبع مصر)

ہم کہہ سکتے ہیں اسلام کے ہر دور میں آپ کے ارشادات علوم و معارف اسلامی کے لئے درست اور مستحکم اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ کہنا بھی بالکل صحیح ہوگا کہ صدر اوّل اسلام میں آپ کی ذات بمنزلہ "دائرۃ المعارف الاسلامیۃ" ہے۔"

علی وضع اصطلاحات سے واقف تھے، آپ ہی کے سامنے بہت سے لغات عرب کو شارع مقدس نے مروجہ معنوں سے ہٹ کر مخصوص معنوں میں استعمال کیا تھا اس لئے اگر آپ نے ہی سب سے پہلے اس قسم کے الفاظ کو ان معنوں میں استعمال فرمایا ہو تو کیا حیثیت ہے جس کو بعد کے علمائے فن نے ان مخصوص معنوں میں استعمال کرنا حضرت ہی سے سیکھا، کیا وضع اصطلاحات کی اہمیت علم نحو کے ایجاد سے زیادہ ہے جس کو امیر المومنین نے وضع فرمایا۔

استاذ اللغۃ العربیہ احمد زکی صفوت لکھتے ہیں:۔

وهو الذی ابتدع علم النحو وانشأه
وأملى على ابی الاسود الدؤلی جوامعه
واصوله (ترجمہ علی ابن ابی طالب ص۸ طبع مصر)

امیر المومنینؑ ہی کی ذات ہے جس نے علم نحو کو وضع و ایجاد فرمایا اور اس علم کے قواعد و اصول کو ابو الاسود کو لکھوا بھی دیا

حضرت کی دقتِ نظر کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب آپ نے اپنے شاگرد ابو الاسود کو قواعد زبان کی زبانی تعلیم دینے کے علاوہ اصل اصول کو تحریر کر کے ان کے سپرد فرمایا اور یہ ارشاد کیا کہ اب تم خود تلاش و فکر سے اس میں اضافہ کرو، ابو الاسود نے کچھ دنوں کے بعد اس میں کچھ اضافہ کر کے حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا، اس میں اِنَّ، اَنَّ، لَیتَ، لعل، کان کا مذکرہ حروف ناصبہ کی حیثیت سے موجود تھا اور "لکنّ" کو چھوڑ دیا تھا، یہ ملاحظہ کر کے حضرت نے فرمایا کہ حرف "لکنّ" کو کیوں ترک کر دیا؟ ابو الاسود نے جواب دیا "میں اس کو حروف ناصبہ سے نہیں سمجھتا" حضرت نے فرمایا، نہیں! یہ بھی نصب کرتا ہے، یہ معلوم کر کے ابو الاسود نے اس کو بھی لکھ لیا، (تاریخ الخلفاء جلال الدین السیوطی صفحہ ۷، طبع مصر، معجم الادباء یاقوت الحموی جلد چہاردہم ص۴۹، طبع مصر)

(بقیہ صفحہ ۱۹۵)

ترجمہ:۔ یہ امر طے شدہ ہے کہ شکل و علامات اعراب عربی کتابت و رسم الخط میں مابعد اسلام کی ایک جدید چیز ہے کیونکہ وہ نقطہ جو حروف متشابہ میں امتیاز پیدا کرنے کا ایک نشان ہو مثل جاء، تاء، ثاء، یا کے اس کا وجود بہت قدیمی زمانے سے ہو، کیونکہ یہ بالکل بعید امر ہو کہ اس قسم کے حروف اول امر میں اس طرح وضع ہوئے ہوں، اس کے علاوہ عربی کی وہ تحریر جس کی کتابت ۲۲ھ کی بتلائی گئی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نقطے کا استعمال عرب اس زمانہ سے کرتے ہیں جب کوفہ کی بنیاد نہیں پڑی تھی اور زیاد ابو الاسود عراق میں قیام پذیر بھی نہیں ہوئے تھے"

یہ معلوم رہے کہ ابوالاسود وہ ہیں جن کے متعلق علامہ سیوطی نے لکھا ہے "وکان اعلم الناس بکلام العرب و زعموا انه کان یجیب فی کل اللغة" (کتاب المزھر جلد دوم ۴۰۰ طبع مصر) یہ کلام عرب کے سب سے بڑے عالم تھے یہاں تک کہ ان کے متعلق لوگوں کا یہ گمان ہے کہ ہر لغت کو سمجھتے اور اس میں جواب دیتے تھے، لیکن اتنا بڑا عالم لغات و ماہر لسانیات یہ نہیں جانتا تھا کہ حرف لکنّ نصب کرتا ہے، جب تک کہ امیر المومنین نے اس کو نہیں بتلایا، امیر المومنین کا عربی نحو کا ایجاد کرنا بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

یقول الاستاذ العقاد:

فحصة الامام من علم النحو۔ مثلا۔ عظیمة لان الابتداء بها اصعب من تحصیل المجلدات الضخام التی دوّنها النحاة بعد تقدم العلم وتکاثر النّاظر فیه" (عبقریة الامام ۱۶۳ طبع مصر)

امام علیہ السلام کا حصہ عربی علم نحو کے ایجاد و اختراع کرنے میں ایک "رشی عظیم" کی حیثیت رکھتا ہے اسلئے کہ اس کی ابتداء کرنا بہت دشوار ہے بہ نسبت تدوین علم و کثرت بحث و درایت کے بعد ضخیم مجلدات لکھ ڈالنے کے جیسا کہ ائمہ علم نحو نے بعد میں کیا۔

امیر المومنین کا زبان عرب کو علمی و ادبی زبان بنانے میں بہت بڑا حصہ ہے، عربی ادبیات میں علمی و فنی اسلوب کو پیدا کرنے والے آپ ہی ہیں۔

العقاد لکھتے ہیں:

فاستقام له اسلوب مطبوع مصنوع هو فیما نری اول اسالیب الانشاء الفنی فی اللغة العربیة واول اسلوب ظهر فیه اثر دراسة القرآن والاستفادة من قدرته وسیاقه وافاق له بسلیقته الادبیة ان یاخذ من فحولة ... ومن تهذیب الحضارة وانماط التفکیر الجدید الذی ابدعته المعرفة الدینیة والثقافة الاسلامیة۔ (عبقریة الامام صفحہ ۱۸۰ طبع مصر)

حضرت کا ایک فطری اور خود پیدا کیا ہوا اسلوب ایک قائم ہو گیا جو عربی ادب و انشاء کا سب سے پہلا علمی و فنی اسلوب ہے، در حقیقت یہی وہ پہلا اسلوب جس میں مطالعہ قرآن کے آثار ظاہر ہوئے اور قرآن کے طرز و انداز سے فائدہ حاصل کیا گیا، وہ حضرت ہی کا اسلوب ہے آپ نے ادبی سلیقہ کو ... فی کیا تھا ... اسلوب کو جو عہد تہذیب تمدن ... ذوق و فن نے پیدا کیا ہے ان سب کو اپنا لیا۔

حضرت نے انھیں روزمرہ کے لغات و الفاظ کے ذریعہ خاص انداز و اسلوب سے نئے نئے معانی و مفہوم کو ادا فرمایا ہے جس سے عرب پہلے واقف نہ تھے، یہ "ماعدا مما بدا" کے کلمہ سے کب واقف تھے سب سے پہلے امیر المومنین ہی نے اس کلمہ کو استعمال فرمایا ہے، (شفاء الغلیل حرف المیم ۱۶۳ طبع مصر) لہذا الفاظ ازل، کیفیہ، معلول وغیرہ ذلک کا نہج البلاغہ میں علم کلام کے مفہوم میں وارد ہونا یہ دلیل ہو کہ سب سے پہلے علی نے ان الفاظ کو اس مفہوم میں ادا فرمایا، جس کی پیروی متکلمین نے کی۔

امیر المومنین کا استعمال خود دلیل ہے کہ مولد نہیں ہے دوم یہ کہ مولد اس لفظ کو کہتے ہیں جس کا اہل لغت نے کہیں تذکرہ نہ کیا ہو، اور کسی ایسے شخص کے کلام میں مذکور ہو جس کا قول سند ہونے کے اعتبار سے قابل احتجاج نہ ہو، اگر کسی کلمہ کا اہل لغت نے تذکرہ نہ کیا ہو اور وہ کسی ایسے شخص کے کلام میں دستیاب ہو جس کا قول مستند سمجھا جاتا ہو تو اس کو مولد کہنا صحیح نہ ہوگا، اس لیئے قرآن یا کلام رسول و اصحاب رسول میں اگر کوئی لفظ پایا جائے تو پھر اسکے لیئے کتب لغت میں سند تلاش کرنیکی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ قرآن یا کلام رسول و اصحاب معتبر ہیں اس کا استعمال ہونا خود حجت ہے کہ نہج البلاغہ بھی جو کچھ ہو اس کو معتبر و ثقہ عربی النسل ائمہ ادبیات عرب بحیثیت خالص و فصیح عربی کے اس کو برابر روایت کرتے چلے آرہے ہیں بالکل اسی طریقہ سے جس طرح امرء القیس اور دوسرے شعرائے عرب کے کلام کو روایت کرکے قبول کیا گیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ باوجود اختلاف مذہب و عقائد کے مختلف فرق اسلامی کی ایک کثیر جماعت نے نہج البلاغہ کو امیر المومنین کا کلام ہونا تسلیم کیا ہے اور اس کی صحت نسبت میں شک نہیں کیا ہے، اس صورت میں حضرت علیؑ ایسے افصح العرب کے کلام میں کیونکر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں مولد الفاظ ہیں ہرگز نہیں!

علامہ ابن ابی الحدید نے ابن نباتہ اور امیر المومنینؑ کے خطبوں کو تقابل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

فلينظر المصنف هذا الكلام وما عليه من اثر التوليد اولى بالنسبة الى ذلك الكلام العربي المحض۔

انصاف کرنے والا نظر انصاف سے دیکھے کہ ابن نباتہ کے کلام میں تولید کا اثر کس قدر ہے، بھلا اسکو امیر المومنینؑ کے کلام سے جو عربی محض ہے کیا نسبت ہے۔

(ابن ابی الحدید جلد دوم ص۲۳۵ طبع مصر)

آپنے دیکھا کہ ابن ابی الحدید کا مسلم الثبوت ادیب و شاعر و خطیب و حکیم و متکلم (وفیات الاعیان ابن خلکان بہ ترجمہ ابن اثیر الجزری و مجمع الادب کمال الدین عبد الرزاق الشیبانی الفوطی) یہ بتلا رہا ہے کہ نہج البلاغہ جو امیر المومنینؑ کا کلام ہے وہ عربی محض و خالص عربی ہے) اس میں تولید کا مطلق اثر نہیں ہے، اسلیئے اساس البلاغہ زمخشری، و شفاء الغلیل خفاجی کا یہ جملہ کہ "ان الازل والازلیة کله خطاء لا اصل له فی کلام العرب" ازل و ازلیۃ غلط ہیں کیونکہ کلام عرب میں یہ نہیں پائے جاتے زمخشری و خفاجی کے عدم علم پر دلیل ہے کہ ان کے معلومات لغوی جمیع لغات عرب پر محیط نہ تھے ورنہ "علی" ایسے مطلبی و ہاشمی و قرشی افصح العرب کے کلام میں پائے جانے کے بعد یہ دعوی کیونکر صحیح ہے کہ کلام عرب میں یہ نہیں پایا جاتا، اگر یہ دونوں اس پر مطلع ہوتے کہ امیر المومنین نے استعمال فرمایا ہے تو پھر ایسا کبھی نہ لکھتے، ان دونوں کا یہ لغوی اجتہاد اس نص صریح کے بعد کیا وقعت رکھتا ہے۔ اہل لغت سے اس قسم کی غلطیاں اکثر ہوئی ہیں مثلاً لفظ عاشوراء جو خالص عربی لفظ ہے جیسا کہ قیاس لغت و مادہ عشر اس پر شاہد ہے اور حدیث پیغمبر میں بہ تکرار یہ لفظ وارد بھی ہوا ہے جیسا کہ صحاح ستہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے لیکن جوہری نے غلطی سے اس کو مولد سمجھا ہے اسلیئے ازل کنہ وغیرہ ذالک کے سے الفاظ کا نہ صرف نہج البلاغہ کلام امیر المومنینؑ بلکہ صحیفۂ کاملہ کلام

علی ابن الحسین زین العابدینؑ میں وارد ہوئے ہوں گے کیونکر عربی لفظ نہ سمجھا جائے گا، سادات فصحائے عرب کا استعمال کرنا یہ بتلاتا ہے کہ یہ لفظ مولد نہیں ہیں، بلکہ ایسا سمجھنے والوں کے متعلق سمجھا جائیگا کہ عربیت کے متعلق ان کے معلومات ناقص ہیں۔

لغت الفاظ کی جمع و تالیف حضرتؑ کی محتاج ہے

حضرت علی علیہ السلام ایسے مستند شخصیت کے کلام میں ایسے لغات کی موجودگی اگر بفرض یہ ثابت بھی ہو جائے کہ یہ لغات کتب معاجم ولغت میں موجود نہیں ہیں، اس امر کا زبردست ثبوت ہے کہ یہ الفاظ مولد نہیں ہیں کیونکہ ان الفاظ کے استعمال میں حضرتؑ لغت کے محتاج نہیں ہیں بلکہ خود لغت الفاظ کی جمع و تالیف میں حضرتؑ کی محتاج ہے۔

یہی وجہ ہے جس کی بنا پر ابن ابی الحدید نے حضرتؑ کے قول "ارعدوا وابرقوا" کو اصمعی پر حجت قرار دیا ہے جس کا یہ خیال تھا کہ "ارعد وابرق" صحیح نہیں ہے۔

چنانچہ ابن ابی الحدید حضرتؑ کے مندرجۂ ذیل ارشاد کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

"قال علیہ السلام: وقد ارعدوا وابرقوا ومع ھذین الامرین الفشل"
"ارعد الرجل وابرق اذا اوعد وھدد وکان الاصمعی ینکرہ ویزعم انہ لایقال الا رعد وبرق، ولما احتج علیہ ببیت الکمیت "ارعد وابرق یا یزید فما وعیدک لی بضائر" قال: الکمیت قروی لا یحتج بقولہ، وکلام [illegible] امیر المومنین علیہ السلام حجۃ دال علی بطلان قول الاصمعی"

(ابن ابی الحدید جلد اول ص۳۳۲ طبع مصر)

"وہ بڑی شان سے گرجے اور چمکے لیکن اس گرج اور تڑپ کے باوجود ناکامی ہے "ارعد الرجل وابرق" کے معنی ہیں فلاں شخص نے ڈرایا دھمکایا اصمعی "ارعد وابرق" [illegible] سمجھتے تھے اور جب ان کے [illegible] ثبوت میں کمیت شاعر کا یہ بیت پیش کیا گیا "ارعد وابرق یا یزید فما وعیدک بضائر" اصمعی نے اس کا جواب دیا کہ کمیت قابل احتجاج نہیں ہے کیونکہ یہ شہری ہے بدوی نہیں ابن ابی الحدید کہتے ہیں لیکن امیر المومنینؑ کے کلام میں "ارعد وابرق" کا وارد ہونا دلیل قاطع ہے اصمعی کے بطلان قول پر"

امیر المومنینؑ کا کلام خود حجت ہے جبھی تو اصمعی متوفی ۲۱۶ھ کے سے مشہور لغوی کے خیال وگمان کو مردود قرار دیا جا رہا ہے، اصمعی کی رد صرف ابن الحدید ہی نہیں کر رہے ہیں بلکہ الفراء الکوفی المتوفی ۲۰۷ھ ابو عبیدۃ المتوفی ۲۱۰ھ، ابو زید البصری متوفی ۲۱۵ھ نے بھی اصمعی کے اس قول کو مردود قرار دیا ہے، اور "ارعد وابرق" کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ (کتاب الالفاظ الکتابیۃ لعبدالرحمن بن عیسی الھمدانی ص۲۲ طبع بیروت)

عدم علم کی وجہ سے کوئی لفظ ٹکسال باہر نہیں کیا جا سکتا

اصمعی کی یہ کتنی بڑی غلطی تھی کہ "ارعد وابرق" کی صحت کا قائل نہ تھا اور کمیت کو اس لئے حجت نہیں سمجھتا تھا کہ وہ بدوی نہیں تھا حالانکہ لغت عرب میں بعض ایسے الفاظ ملجاتے ہیں جن کو اہل بدو شعرائے جاہلیت نے نہیں استعمال کیا ہے لیکن ان کے عدم استعمال سے اس کے صحت میں کلام نہیں کیا گیا اور نہ اس کو ٹکسال باہر کیا گیا، مثلاً فاسق کا لفظ ہے جس کے متعلق ابن فارس لغوی متوفی سنہ ۳۹۵ھ نے اپنی کتاب المجمل میں، ابن الاعرابی لغوی متوفی سنہ ۲۳۱ھ سے نقل کیا ہے کہ وہ بیان کرتا ہے کہ میں نے لفظ "فاسق" کو جاہلیت کے کلام میں نہیں دیکھا اور نہ اُن کے اشعار میں کہیں پایا، (گویا یہ لفظ ٹکسال باہر ہے) علامہ سیوطی اس کو نقل کرکے کہتے ہیں "وھذا عجیب وھو کلام عربی ولم یات فی شعر جاھلی" یہ عجیب بات ہے کیونکہ یہ لفظ عربی ہے اور اشعار جاہلی میں نہیں وارد ہوا، (کتاب المزھر جلد اول ص۲۲۱ طبع مصر) اسی طرح یہ الفاظ بھی خالص عربی ہیں جن کو امیر المؤمنینؑ نے استعمال فرمایا ہے اور زمخشری و خفاجی قلت نظر کی وجہ سے "مولد" سمجھتے ہیں۔

لغویین نے لفظ ازل کو کتب لغت میں ضبط کیا ہے

یہ تقریر تو لفظ "ازلیہ" وغیرہا کے متعلق بربنائے فرض کر رہا تھا کہ اگر یہ لفظ لغت عرب میں موجود ہو جب بھی حضرتؑ کے کلام میں اسکا پایا جانا اس کے خالص عربی ہونے پر دلیل ہے۔

حالانکہ اس لفظ کو ایسے مستند و معتبر لغویین نے اپنے کتب لغت میں ذکر کیا ہے جو خفاجی و زمخشری سے زیادہ لغات عرب کے محقق و ماہر ہیں چنانچہ امام اللغویین ابونصر اسمعیل بن حماد الجوہری اپنی کتاب الصحاح اللغۃ میں لکھتے ہیں:-

"الازل بالتحریك القدم يقال للقديم ازلی ذكر بعض اهل العلم ان اصل هذه الكلمة قولهم للقديم لم يزل ثم نسب الى هذا فلم يستقم الا باختصار فقالوا يزلی ثم ابدلت الياء الفا لانها اخف فقالوا ازلی كما قالوا فی الرمح المنسوب الى ذی يزن ازنی ونصل اثربی۔"

"الازل" "بالتحریک" قدم کے معنوں میں قدیم کو ازلی کہتے ہیں۔ بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ اصل اس کلمہ کی لوگوں کا یہ قول ہے جو قدیم کے لیے کہتے ہیں "لم یزل" اس کے بعد اس کی طرف نسبت دے کر بطور اختصار "یزلی" کہا پھر "یا" کو الف سے ثقل کو دور کرنے کے لئے بدل دیا لہٰذا ازلی ہو گیا جیسے کہ ذی یزن کی طرف منسوب ہونے والے نیزہ کو ازنی و نصل اثربی کہتے ہیں۔

(کتاب الصحاح الجوہری جلد دوم باب اللام فصل الالف ص۱۵۰ طبع مصر)

جوہری اور اُس کی لغت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ علامہ جلال الدین السیوطی اپنی کتاب المزہر فی علوم اللغۃ میں لکھتے ہیں:-

وغالب هذه الكتب لم يلتزم فيها مؤلفوها الصحيح بل جمعوا فيها ما صح وغيره وينبهون على ما يثبت غالبا واول من التزم الصحيح مقتصرا عليه الامام ابو نصر اسمعيل بن حماد الجوهري ولهذا سمى كتابه بالصحاح (المزهر جلد اول ص۹۲ طبع مصر)

جتنے کتب لغات ہیں اس میں جامعین نے صحت کا التزام نہیں کیا بلکہ صحیح اور غیر صحیح سب کو جمع کر دیا ہے اور کہیں کہیں پر بعض الفاظ جو ثابت نہیں ہیں اُن پر متنبہ کر دیا ہے لیکن سب سے پہلے جس لغوی نے الفاظ صحیح کو جمع کرنے کا التزام کیا ہو وہ امام ابو نصر اسمٰعیل بن حماد الجوہری ہے اسی لیئے اس نے اپنی کتاب کا نام "الصحاح" رکھا ہے۔

سیوطی دوسرے کتب لغات کا تذکرہ کرنیکے بعد پھر لکھتے ہیں:-

ولم يصل واحد من هذه الثلاثة في كثرة التداول الى ما وصل اليه الصحاح ولا نقصت رتبة الصحاح ولا شهرته بوجود هذه وذالك لالتزامه ما صح فهو في كتب اللغة نظير صحيح البخاري في كتب الحديث وليس المدار في الاعتماد على كثرة الجمع بل على شرط الصحة" (كتاب المزهر ص۵۱ جلد اول)

لغت کی یہ تین کتابیں (یعنی کتاب المحکم، کتاب العباب، کتاب القاموس زیادہ متداول ہونے کے لحاظ سے اس مرتبہ کو نہیں پہونچیں جس مرتبہ پر جوہری کی صحاح ہے اور نہ اُن کتابوں کے شائع ہونے سے صحاح کی شہرت و منزلت پر کوئی اثر پڑا اور یہ صرف اس بنا پر ہے کہ اس میں صحت لغت کا التزام کیا گیا ہے اور لغت میں یہ کتاب ویسے ہی ہے جیسے حدیث میں صحیح بخاری الفاظ کی کثرت کیوجہ سے اس لغت کی منزلت نہیں بلکہ اس بنا پر ہے کہ اس میں شرط صحت کے ساتھ لغات جمع کیئے گئے ہیں اور یہ بات صرف صحاح جوہری ہی کو حاصل ہے

یاقوت الحموی معجم الادباء میں لکھتا ہے:-

كتاب الصحاح هو الذي بايدي الناس اليوم وعليه اعتمادهم احسن الجوهري تصنيفه وجود تاليفه۔

کتاب الصحاح وہ جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اور جو اہل ادب کا محل اعتماد ہے۔ جوہری نے اسکی تصنیف و تالیف بہت خوبصورتی اور خوبی کے ساتھ کی ہے

صحاح جوہری کے بعد کسی دوسرے لغت کے حوالے کی ضرورت نہ تھی لیکن مزید اطمینان کے لیئے ملاحظہ ہو، علامہ محمد بن ابوبکر عبد القادر الرازی اللغوی لکھتے ہیں:-

الازل القدم يقال له ازلي ذكر بعض اهل العلم ان اصل هذه الكلمة

ازل قدیم کے معنوں میں ہے اسی سے ازلی ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اصل اس کلمہ کی عربی کا یہ قول ہے جو قدیم

قولهم للقديم لم يزل نسب هذا فلم يستقم الا بالاختصار فقالوا يزلی ثم ابدلت الياء الفا لانها اخف فقالوا ازلی كما قالوا فی الرمح المنسوب الی ذی يزن ازنی ونصل اثربی۔ (الصحاح ص۱۳ طبع مصر)

کے لیئے کہتے ہیں "لم یزل" اس کے بعد اس کیطرف نسبت دے کر بطور اختصار "یزلی" کہا، پھر ثقالت کو دور کرنے کے لیئے یا کو الف سے بدل دیا تو ازلی ہوگیا جیسے "ذی یزن" کی طرف منسوب ہونے والے نیزہ کو ازنی و نصل اثربی کہتے ہیں۔

مشہور محدث و لغوی محمد بن یعقوب فیروز آبادی قاموس میں لکھتے ہیں:۔

الازل بالتحريك القدم وهو ازلیٌّ و اصله يزلیٌّ منسوب الی لم يزل ثم ابدلت الياء الفا للخفة كما قالوا فی الرمح المنسوب الی ذی يزن ازنی۔

ازل بالتحریک قدم کے معنوں میں، اسی سے اس کو ازلی کہتے ہیں ازلی کی اصل یزلی تھی، لم یزل کیطرف منسوب ہونے کی وجہ سے آسانی کے خیال سے یا کو الف سے بدل دیا جیسے کہ ذی یزن کی طرف منسوب ہونے والے نیزہ کو ازنی کہتے ہیں۔ (قاموس جلد سوم باب اللام فصل الہمزہ ص۳۲۸ طبع مصر)

علامہ ابو الفضل جمال الدین مکرم المعروف بابن منظور الافریقی المصری "لسان العرب" میں لکھتے ہیں:۔

والازل بالتحريك القِدَم قال ابی منصور ومنه قولهم هذا الشیٔ ازلیٌّ ای قديم وذكر بعض اهل العلم ان اصل هذه الكلمة قولهم للقديم لم يزل ثم نُسب الی هذا فلم يستقم الا بالاختصار فقالوا يزلی ثم ابدلت الياء الفا لانها اُخف فقالوا أزلی كما قالوا فی الرمح المنسوب الی ذی يزن ازنی ونصل اثربیٌّ

ازل بالتحریک قِدَم کے معنوں میں ابو منصور کہتے ہیں کہ اسی سے عربوں کا یہ قول ہے هذا شیٔ ازلیٌّ "یہ شے قدیم ہے"، بعض اہل لغت نے یہ کہا ہے کہ اس لفظ کی اصل عربوں کا قدیم کیلئے لم یزل کہنا ہے جو منسوب ہو کر مختصراً یزلی ہوا پھر یا کو الف سے آسانی کے لیئے بدل دیا اور ازلی کہا جیسا کہ ذی یزن کی طرف منسوب ہونے والے نیزہ کو ازنی و نصل اثربی کہتے ہیں۔

(لسان العرب جلد ۱۳ ص۱۶ طبع اول مصر)

ابو البقاء الکفوی اپنی کلیات میں لکھتے ہیں:۔

الازلی بالتحريك هو ما لا بداية له فی اوله كالقدم والابد ما لا نهاية له فی آخره كالبقاء ويجمعها واجب الوجود ... والازلی اعم من القديم، قال ابن فارس واری كل يعنی الازلی ليست

ازل بالتحریک جس کی ابتدا نہ ہو مثل قدم کے اور ابد جس کی انتہا نہ ہو مثل بقا کے یہ واجب الوجود کی صفت ہے .... ازلی لفظ قدیم سے عام ہے، ابن فارس کہتے ہیں کہ ازلی کا لفظ مشہور نہیں ہے خیال یہ ہے کہ قدیم کو "لم یزل"

بمشهورة احسب انهم قالوا القديم لم يزل ثم نسب الى هذا فلم يستقم الا بالاختصار فقالوا يزلی ثم ابدلت الياء الفًا لانها أخف فقالوا ازلی كقولهم فی الرمح المنسوب الی ذی يزن ازنی"

کہتے تھے، پھر اس کی نسبت اس کی طرف دی اور اختصار کرکے ازل کر دیا، زبان پر آسانی سے جاری ہونے کے لئے یا کو الف سے بدل کے ازلی کر دیا، جیسے کہ عرب ذی یزن کی طرف منسوب کرکے نیزہ کو ازنی کہتے ہیں۔

(کلیات ابو البقاء الکفوی فصل الف والزای ص۲۵)

یہ ہے لفظ ازل و ازلی کے متعلق ائمہ لغویین کی تحقیق، کوئی اس کو مولد و دخیل نہیں بتلا رہا ہے بلکہ خالص عربی لفظ ہے، ہاں مشہور لغوی ابن فارس متوفی ۳۹۰ھ کے قول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ لفظ زیادہ مشہور نہ تھا، عدم شہرت سے اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جا سکتا ہے، بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ زیادہ مشہور نہ ہونے کی وجہ سے کچھ لوگ اس لفظ سے ناواقف ہوں جیسے صاحب اساس زمخشری اور صاحب شفاء الغلیل خفاجی (یہ گیارہویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں)

لفظ کیفیّة و کمیّة بھی کتب لغات میں موجود ہیں

اسی طرح "کیفیّة" کا لفظ ہے، یہ بھی لغت عرب میں اسی معنوں میں موجود ہے جس معنی میں نہج البلاغہ میں وارد ہوا ہے، مولد ہرگز نہیں ہے، مشہور لغوی احمد بن محمد بن علی المقری الفیومی اپنی لغت مصباح المنیر میں لکھتے ہیں "كيفية الشئ حاله وصفته" (مصباح المنیر جلد دوم ص۵۰، طبع مصر) "کیفیة" کی طرح کمیّة کا لفظ بھی اہل لغت کے نزدیک صحیح ہے۔

فیروز آبادی قاموس میں لکھتے ہیں:-

كم اسم ناقص مبنی علی السكون او سوال عن العدد ..... وقد تجعل اسمًا تامًا فتصرف وتُشدَّدُ وتقول اكثرت من الكمّ والكميّة۔

جوہری نے بھی صحاح لغت میں یہی لکھا ہے،

كم اسم ناقص مبهم مبنی علی السكون وله موضعان الاستفهام والخبر .... " وان جعلته اسما تامًا شدّدت آخره وصرفته فقلت اكثرت من الكمّ وهی الكميّة (صحاح جلد دوم ص۲۳۱ طبع مصر)

یہی عبارت لسان العرب میں بھی ہے " وان جعلته اسمًا تامًا شددت آخره و صرفته فقلت اكثرت من الكم وهی الكمية (لسان العرب جلد ۱۵ ص۲۴۳ طبع مصر)

میں پھر عرض کروں گا کہ اگر کسی عرب نے ان الفاظ کو اپنے کلام میں استعمال کیا ہوتا اور اہل لغت ان کلمات کے متعلق خاموش ہوتے تو اس وقت بھی یہ الفاظ مولد نہیں کہے جا سکتے تھے نہ کہ سید العرب

(افصح العرب) نے ان الفاظ کو استعمال کیا ہے، حضرتؑ کے استعمال کے بعد اہل لغت کی شہادت کی ضرورت نہیں ہے، اگر اہل لغت انکو نقل نہ کرتے تو یہ اُن کے جہل کا ثبوت تھا؛

استاذ محمد عبدہ مصری الفاظ نہج البلاغہ کو کتب لغت کے مقابلہ میں حجت قرار دیتے ہیں

الاستاذ الاکبر والمصلح الاعظم، الامام الادب الشیخ محمد عبدہ المصری الفاظ نہج البلاغہ کو کتب لغت کے مقابلہ میں سند قرار دیتے ہیں۔

"ممکن ہے تم اس مسئلہ میں استاذ امام عبدہ کی رائے دریافت کرو جنھوں نے نہج البلاغہ کو خواب گمنامی سے بیدار کیا اور وسعت اطلاع اور باریک نگاہی میں جن کا کوئی دوسرا مقابل نہ تھا اس سوال کا جواب یہ ہے کہ:۔

بل هو يتجاوز هذا المقدار الى الاعتراف	ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کتاب
بان جميع الالفاظ صادرة عن الامام	کو تمام وکمال امیر المومنینؑ ہی کا کلام سمجھتے تھے،
عليؑ حتى انه ليجعل ما فى الكتاب	صرف اتنا ہی نہیں بلکہ خصوصیات الفاظ کو بھی
حجة على معاجم اللغة اسمع اليه	حضرت علیؑ کی زبان سے نکلا ہوا سمجھتے تھے، یہانتک
وهو يقول جلد ۲ ص۱۹۷ من هذه المطبوع	کہ وہ نہج البلاغہ کے مندرجہ الفاظ کو لغت کی کتابوں کے
المواساة بالشئ الاشتراك فيه......	مقابلہ میں سند قرار دیتے ہیں (ملاحظہ ہو جلد ۲ ص۱۹۷
.. قالوا والفصيح فى الفعل اسيته	اس اڈیشن کا) وہ فرماتے ہیں" مواساۃ" کسی چیز میں
ولكن نطق الامام حجة" الى اخره	دوسرے کو شریک کرنا، اہل لغت کہتے ہیں کہ اس کے
(جلد ۳ ص۱۶ الحاشيه ۱۸ من هذه المطبوع)	فعل میں فصیح "اسیته" کی لفظ ہے (ہمزہ کے ساتھ)

مگر امام علیہ السلام کا تلفظ حجت ہے، اس طرح کا استاذ امام محمد عبدہ نے جلد ۳ صفحہ ۷، حاشیہ نمبر۱۸ میں بھی کہا ہے

(نہج البلاغہ مع الشرحین محمد عبدہ واستاذ محی الدین عبد الحمید مطبوعہ مطبع استقامۃ مصر)

علامہ محمد عبدہ نے اپنی شرح میں مندرجہ ذیل دو مقامات پر یہ لکھا ہے:۔

(اول) امیر المومنینؑ کے اس کلام کی شرح میں "لقد واسیته بنفسی فی المواطن التی تنکص فیها الابطال" حاشیہ محمد عبدہ لکھتے ہیں:۔

المواساة بالشئ، الاشتراك فيه فقد اشرك النبى فى نفسه ولا تكون بالمال لان يكون كفافا فان اعطيت عن فضل فليس بمواساة قالوا والفصيح فى الفعل اسيته ولكن نطق الامام حجة، (شرح ابن عبده المصرى الجزء الاول ص۱۳۲ طبع مصر)

(دوم) امیر المومنینؑ نے اپنے ایک مکتوب میں اپنے عامل کو جو یہ تحریر فرمایا ہے "ولم يكن رجل من اهلى اوثق منك فى نفسى لمواساتى وموازرتى" اس کے حاشیہ پر بھی محمد عبدہ لکھتے ہیں:۔

المواساة، من اساه اناله من ماله عن كفاف لا عن فضل او مطلقا، وقالوا ليست مصدراً لواساه فانه غير فصيح وتقدم الامام استعماله وهو حجة

(شرح محمد بن عبده الجزء الثانی ص۶۵ طبع مصر)

نہج البلاغہ میں لفظ معلول کا استعمال لغوی اعتبار سے صحیح ہوا ہے

لفظ معلول بھی لغوی اعتبار سے صحیح استعمال ہوا ہے جس کو حضرت نے خطبۂ توحید میں ارشاد فرمایا ہے " وکل قائم ماسواہُ معلول " اس کے متعلق علامہ الہادی النجفی آل کاشف الغطاء مدارک نہج البلاغہ میں تحریر فرماتے ہیں ۔

واما کلمة معلول، فالکلام فیها طویل الذیل والقول الذی لایتطرقه ریب ان یقال ان هذه اللفظة بمادتها وهیئتها موجودة فی کلام العرب بمعنی یمکن التجوز فیه لان باب المجاز واسع فاذا انتفی کون العلة لغة بمعنی السبب امکن یقال ان اطلاقها علیه من باب المجاز لان السبب یؤثر فی المسبب کتاثیر العلة والمرض فی البدن فاستعیر له هذا اللفظ وقال فی شرح القاموس العلة بالکسر تحل بالمحل فیتغیر به حال المحل وسمی المرض علة لان بحلوله یتغیر الحال من القوة الی الضعف الخ وعلی هذا تکون العلة بمعنی المؤثر والمغیر فیکون اطلاقها علی السبب حقیقة ۔

لفظ معلول کے متعلق بہت طولانی بحث ہے خلاصۂ کلام جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے وہ یہ ہے کہ یہ لفظ اپنے مادہ وہیئت کے لحاظ سے کلام عرب میں ایسے معنوں میں موجود ہے جس سے معنی مجاز لیا جا سکتا ہے کیونکہ مجازی معنوں کے مراد لینے میں بہت وسعت ہے اس لئے اگر علت بمعنی سبب نہ بھی لئے جائیں تو اس معنی میں مجاز کے طور سے اس لفظ کا اطلاق تو ہو ہی سکتا ہے، اس لئے کہ سبب اثر انداز ہوتا ہے اپنے مسبب پر، جس طرح مرض و علت بدن میں اپنا اثر کرتی ہے ہذا استعارہ کے طور پر علت کو سبب کے معنوں میں بولا گیا، شرح قاموس میں ہے علت بالکسر بمعنی کسی شئے یا جگہ میں حلول کر کے اس کی حالت کو متغیر کر دینا، مرض کا نام "علت" اسی وجہ سے پڑا کہ مرض کے حلول کرنے کے باعث قوت سے ضعف کی طرف حالت بدل جاتی ہے، اس اعتبار سے علت کے معنی مؤثر و مغیر کے ہو جاویں گے اور اس کا اطلاق بمعنی سبب بجائے مجازی کے حقیقی ہو جائے گا

صرف بطور استعارہ وہ مجازی ہی نہیں بلکہ لغوی اعتبار سے "علت" سبب کے معنوں ہیں فیروز آبادی "قاموس" میں لکھتے ہیں ۔

"وهذا علة سببه" اسکی علت یعنی سبب ہے، اسکے حاشیہ پر علامہ قرابانی صاحب بحار القول المانوس وضاحت کرتے ہیں ۔

قوله وهذه علة سببه هذا بناء

صاحب قاموس کا یہ قول کہ یہ اسکی علت یعنی اس کا سبب

منه على ترادف العلة والسبب

(قاموس المحیط جلد چہارم محشی شیخ نصر الهورینی و علامۃ القرمانی شرح سید مرتضی صفحہ ۱۲ طبع مطبعہ حسینیہ مصر طبع اول سنہ ۱۳۰۶ھ)

یہ اس امر پر مبنی ہے کہ فیروزآبادی کے نزدیک علت و سبب دونوں لفظ مرادف ہیں۔

مشہور لغوی علامۂ جمال الدین محمد بن مکرم المعروف بابن منظور، لسان العرب میں لکھتے ہیں،

"وهذا عِلَّةٌ لهذا أی سبب وفی حدیث عائشه فکان عبد الرحمٰن یضرب رِجْلِی بعلة الرّاحلة أی بسببها یُظهر انّه یضرب جنب البعیر برجله"

(لسان العرب الجزء الثالث عشر ص ۴۹۸ طبع اول مصر)

یہ علت ہو اس کی یعنی سبب کی اور حدیث عائشہ میں ہے فکان عبد الرحمن یضرب رجلی بعلة الراحلة أی بسببها

مندرجۂ بالا ایراد کے علاوہ بمصداق "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" دکتور خلوصی نے اپنی ادبیت کو ظاہر کرنے کے لئے نہج البلاغہ میں چند ادبی اغلاط کا ہونا بھی ظاہر فرمایا ہے، فرماتے ہیں،

The following are some of the mistakes occurring in the Nahj.

اب ان فرضی اغلاط کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

(۱)

اعتراض اول

Kadaan to be on the point of (Nahj Vol 1, P.P. 270 480) The verb Kada is normally used without an. It is used in the Quran as such (See Ilmi zada's fath al-Rahman li talil Ayatal Quran P. 423).

اور اس کا جواب

فعل "کاد" کا استعمال بغیر "ان" کے ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں مستعمل ہے، مگر نہج البلاغہ میں "ان" کے ساتھ استعمال ہوا ہے جیسے "واعلموا انه لیس من شئ الا و یکاد صاحبه ان یشبع منه ویملّه الا الحیاة فانه لا یجد له فی الموت راحة" (نہج البلاغہ محمد عبدہ اڈیشن جلد اول ص ۲۷۰) "وکاد ان یحرق میسمها" (نہج البلاغہ جلد اول ص ۴۸۰)

جواب

قبل اس کے کہ "ان" کے ساتھ "کاد" کے استعمال کا صحیح ہونا ثابت کروں، خلوصی کی سب سے

پہلی غلطی کی طرف متوجہ کردوں کہ اُس نے بغیر اس کی تحقیق کئے ہوئے کہ واقعاً اور درحقیقت حضرت علیؑ کی زبان مبارک سے یہ کلمات کن الفاظ اور کن حروف کے ساتھ نکلے تھے، محض اپنی تنگ نظری سے صرف بعض مروجہ نسخوں کی تحریر پر اُس نے اعتماد کرلیا اور کمزور اعتراضات کا جال اس نے پھیلا دیا ورنہ اسے یہ خبر نہیں ہے کہ نہج البلاغہ کے تمام موجودہ نسخوں میں اس مقام پر یکاد کے ساتھ اس حرف "ان" کے استعمال اور وجود پر اتفاق نہیں ہے اگر بعض نسخوں میں یکادصاحبہ ان لیشبع منہ" چھپا ہے تو بعض نسخے ایسے بھی موجود ہیں کہ جنہیں بغیر استعمال" ان" کے محض یکاد صاحبہ یشبع منہ" چھپا ہوا موجود ہے چنانچہ مندرجہ ذیل نسخوں میں ملاحظہ ہو:-

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جو حامل المتن ہے اور مطبع دار الکتب العربیہ مصر سے متعدد بار طبع ہو چکی ہے، اس میں بغیر" ان" کے حضرت کا یہ جملہ مذکور ہے، ملاحظہ ہو شرح مذکور مجلد ثانی مطبوعہ مطبع دار الکتب العربیہ بمصر ۱۳۲۹ھ جزو ہشتم صفحہ ۲۸۶ سطر ۱۲ (الاصل) (منھا) واعلموا انہ لیس من شئ الا ویکاد صاحبہ یشبع منہ ویملہ الا الحیاۃ)

(۲) اسی طرح علامہ ابن میثم بحرانی کی شرح بھی حامل المتن طبع ہوئی ہے، اس میں بھی بغیر" ان" کے "یکاد صاحبہ یشبع منہ صاف طور سے موجود ہے، ملاحظہ ہو ص۲۹۹ یہ نسخہ ۱۲۷۶ھ میں ایران میں چھپا ہے

(۳) شرح نہج البلاغہ ملا محمد صالح قزوینی ۱۳۰۲ھ میں حامل المتن تبریز میں چھپی ہے اس میں بھی بغیر" ان" کے ہے (جلد اول ص۲۰۷)

(۴) صرف مطبوعہ نسخوں ہی میں نہیں ایسا ہے بلکہ مخطوطات میں بھی ایسا پایا جاتا ہے کہ اس مقام پر" ان" کا استعمال نہیں ہے، ملاحظہ ہو، نہج البلاغہ حامل المتن مع شرح وترجمہ فارسی علی بن الحسین الزواری مکتوبہ ۱۰۹۵ھ منقول از اصل نسخہ مکتوبہ علی بن الحسین الزواری در ۹۴۷ھ (یہ نسخہ خطی مکتبۃ الحسینیہ راجہ محمود آباد میں موجود ہے)

خلوصی صاحب کو حوالہ دینے سے پہلے اس کی تحقیق کرلینی چاہیئے تھی کس محل پر حضرت نے" ان" کا استعمال فرمایا ہے اور کس جگہ پر نہیں فرمایا، بہرحال خلوصی صاحب کا یہ دعویٰ کہ "کاد" کا استعمال بغیر" ان" کے ہوا کرتا ہے "ان" کے ساتھ اس کا استعمال درست نہیں ہے" یہ موصوف کے جہل کا ثبوت ہے کیونکہ نحویین کے نزدیک" کاد" کی خبر پر" ان" کا استعمال بھی جائز ہے، ملاحظہ فرمائیے،

(۱) علامہ عبد القاہر جرجانی کی" شرح مأۃ عامل" بحث افعال مقاربہ ص۱۳۳

والثانی کاد وھو یرفع الاسم وینصب الخبر وخبرہ فعل مضارع بغیر ان وقد یکون مع ان تشبیھا بعسی"	دوسرا کاد ہے رفع کرتا ہے اسم کو اور خبر کو نصب کرتا ہے اور اس کی خبر فعل مضارع بغیر ان کے ہوتا ہے اور کبھی" ان" کے ساتھ بھی اس کی خبر ہوتی ہو، مشابہت میں لفظ عسیٰ کے،

(۲) ملا عبدالرحمٰن جامی شرح کافیہ موسوم بہ فوائد ضیائیہ (شرح جامی) میں لکھتے ہیں،

وقد تدخل ان علی خبر کاد تشبیہا
لہ بعسیٰ کما انہ تحذف ان عن خبر
عسیٰ تشبیہا لہ بکاد کقولہ ع قد کاد من
طول البلیٰ ان یمصحا"۔۔۔
فلما کان کل واحد منہما مشابہا للآخر
اعطی کل منہما حکم للآخر من وجہ

اور "ان" کاد کی خبر میں داخل ہو جاتا ہے جس طرح
لفظ عسیٰ ہے جیسے یہ قول ہے قد کاد من
طول البلیٰ ان یمصحا

(شرح جامی مطبوعہ نظامی کانپور بحث افعال مقاربہ ص۲۶۷)

(۳) دوسرے علماء نحو اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں،

وقد تدخل ان علی خبرہا تشبیہا لہ کقولہ بعسیٰ اور کاد کی خبر پر ان داخل ہوتا ہے مشابہت میں لفظ عسیٰ جیسے شاعر عرب کا

ع رسم عفی من بعد ما قد انمحی
قد کاد من طول البلیٰ ان یمصحا

یہ شعر ہے ع رسم عفی من بعد ما قد انمحی
قد کاد من طول البلیٰ ان یمصحا

(وسیط النحو ص۱۲ طبع کلکتہ، بہجۃ المرضیہ فی شرح الالفیہ ابن مالک العلامہ جلال الدین السیوطی ص۳۵ طبع خیریہ مصر، ضوء المصباح لامام محمد بن احمد الاسفرائی صاحب اللباب ص۱۲، اوضح المسالک الی الفیہ ابن مالک ص۵۵ طبع کلکتہ)

(۴) علامہ صدرالدین المدنی، حدائق الندیہ، شرح الفوائد الصمدیہ میں لکھتے ہیں:-

ویقل اقترانہ بہا نظرا الی الاصل کقولہ
ع ابیتم قبول السلم منا فکدتم
لدی الحرب ان تغنوا السیوف عن السل

اصل کی طرف نظر کرتے ہوئے ایسا استعمال کم ہوتا ہے اگرچہ استعمال جائز ہے جیسا کہ
شاعر عرب کہتا ہے ابیتم قبول السلم منا فکدتم
لدی الحرب ان تغنوا السیوف عن السل

(۵) علامہ ابن عقیل شرح الفیہ میں لکھتے ہیں:-

ومن اقترانہ بان قولہ صلی اللہ
علیہ وسلم ما کدت ان اصلی العصر
حتی کادت الشمس ان تغرب وقولہ
کادت النفس ان تفیض علیہ
اذ غدا حشو ریطۃ وبرود

کاد کا استعمال "ان" کے ساتھ بھی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت رسول اللہ
کا ارشاد ہے "ما کدت ان اصلی العصر حتی کادت
الشمس ان تغرب" شاعر عرب کہتا ہے:۔
کادت النفس ان تفیض علیہ
اذ غدا حشو ریطۃ وبرود

(شرح العلامہ ابن عقیل علی الفیۃ الامام ابن مالک ص۱۶ طبع بیروت)

اگر خلوصی صاحب کی نظر اشعار عرب اور نحو کی مبسوط کتابوں پر نہ تھی تو کم از کم نحو کی ان کتابوں کو ضرور ملاحظہ فرما لیتے جو بچّوں کے درس میں رہا کرتی ہیں، ملاحظہ ہو،

کافیہ ابن حاجب، جس میں یہ موجود ہے "وقد تدخل ان" اور "اِنْ" کادَ کے ساتھ داخل ہوتا ہے
یا اس سے بھی چھوٹی اور ابتدائی کتاب نحو میر "بدانکہ افعال مقاربہ چہار است، عسیٰ، وکادَ، وکربَ واوشکَ"

واین افعال در جملہ اسمیہ روند چوں کان، اسم را برفع کنند و خبر را نصب الا آں کہ خبر آنہا فعل مضارع باشد با ان، (نحو میر بحث افعال مقاربہ صفحہ ۷۰)

جس جس طریقہ سے قواعد نحویہ کے ماتحت "کاد" کا استعمال صحیح ہے حضرت نے استعمال فرمایا

جب قواعد و اصول نحویہ سے یہ بات ثابت ہے کہ "کاد" کی خبر پر "ان" کا استعمال اختیاری ہے چاہے استعمال کرے یا نہ کرے، پس اگر متکلم اور خطیب ناقص ہوگا تب تو بیشک اس کا کلام اور استعمال بھی صرف ایک ہی ایسے طریقہ پر منحصر رہے گا جسکی اُسے عادت ہو گئی ہے لیکن اگر خطیب و متکلم کامل و اکمل ہے بلکہ علم نحو کا واضع اول ہو تو کسی ایک اپنی عادت ہی پر بولنا اس کا کمال نہ ہوگا بلکہ اُس کے کمال کی دلیل تو یہ ہوگی کہ جتنے طریقے استعمالات کے صحیح اور اصول و قواعد کے ماتحت ہوں، وہ ہر ہر طریقہ سے علیحدہ علیحدہ کلام کرتا رہے اور کوئی طریقہ اجرائے الفاظ اور استعمال صحیح کا اس سے نہ چھوٹے گا تاکہ اس کا عبور و اقتدار ہر صحیح طرز ادا پر واضح ہوتا جاوے، صرف یہی نہیں بلکہ بعد والوں کو خود واضع علم نحو کی طرف سے ایک سند اور حجت بھی حاصل ہو جاوے، چنانچہ بعض دوسرے مقامات ایسے ہیں جہاں پر حضرتؑ نے اسی کاد کو بغیر ان کے بھی استعمال فرمایا ہے، مثلاً چند مقامات ملاحظہ ہوں، حضرت کے مشہور خطبہ طاوسیہ میں یہ الفاظ ہیں:-

۱۔ "فاذا رمی ببصرہ الی قوائمہ، زقا معولا، یکاد یبین عن استغاثتہ"

۲۔ "یکاد افضلھم رایا یردہ عن فضل رائہ الرضا والسخط"

۳۔ "ویکاد اصلبھم عودا تنکؤہ اللحظۃ تستحیلہ الکلمۃ الواحدۃ"

(نہج البلاغہ جلد دوم محمد عبدہ صفحہ ۲۲۵)

ان مقامات پر "کاد" کے استعمال سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ جس جس طریقہ سے قواعد نحویہ کے ماتحت "کاد" کا استعمال صحیح اور درست تھا حضرت نے اپنی قدرت کلامیہ سے ہر ہر طریقہ کو موقع موقع پر استعمال اور اختیار فرمایا جو حضرت کے کمال اور رسوخ فی العلم کی دلیل ہے،

کلام رسول صلعم و کتب احادیث اہل سنت میں استعمال

نہج البلاغہ میں "کاد" کی خبر پر "ان" کا استعمال دیکھ کر خلوصی صاحب سے رہا نہ گیا بلکہ اس کو غلط قرار دے کر اپنی جہالت کا ثبوت دے دیا، لیکن کیا خلوصی صاحب نے اپنے مذہب اہل سنت کی کتب احادیث و صحاح کو نہیں ملاحظہ فرمایا جسمیں بکثرت "کاد" کی خبر پر "ان" کا استعمال موجود ہے میں موصوف کے سامنے چند مثالیں پیش کرتا ہوں ملاحظہ فرماویں، رسول اللہ صلعم نے استعمال فرمایا، اصحاب رسول و خلفاء نے استعمال کیا، رواۃ حدیث و محدثین نے استعمال کیا،

(۱) چنانچہ علامہ عبدالرؤف المناوی کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق میں مندرجہ ذیل احادیث

لکھتے ہیں جس میں "کاد" کے ساتھ "ان" کا استعمال ہے،

(۱) کاد الحلیم ان یکون نبیا رواه الخطیب (۲) کاد الحسد ان یغلب القدر رواه ابن منیع (۳) کادت الحاجة ان تکون کفرا رواه الطبرانی (۴) کاد ان یصیبنا فی خلافتک شربا عمر رواه الدیلمی (۵) کاد الفقران یکون کفراً رواه ابن منیع (۶) کادت القیمة ان تکون سحرا رواه ابن لال (کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق للامام المناوی حرف الکاف ص۹۰ طبع بمبئی)

(۲) صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ "باب الاذان" "قول الرجل ما صلینا" صفحہ ۸۰ مطبوعہ مطبع اسناد المطبعین دہلی:

حدثنا ابو نعیم، قال حدثنا شیبان عن یحیٰ قال سمعت ابا سلمہ یقول انا (ای اخبرنا) جابر بن عبد اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاءہ عمر بن الخطاب یوم الخندق فقال یارسول اللہ واللہ ماکدت ان اصلی حتی کادت الشمس تغرب الخ"

اس روایت میں فقط "ماکدت" کے بعد "ان اصلی" ہے مگر "کادت الشمس" کے بعد "ان تغرب" نہیں ہے

(۳) لیکن اسی روایت کو بخاری نے "کتاب المغازی" کے "باب غزوة الخندق" کے تحت میں ان الفاظ سے ذکر کیا ہے۔

عن جابر بن عبد اللہ ان عمر بن الخطاب جاء یوم الخندق بعد ما غربت الشمس جعل یسب کفار قریش فقال یارسول اللہ ما کدت ان اصلی حتی کادت الشمس ان تغرب" (ص۴۳۶/۲ مطبوعہ اسناد المطبعین دہلی)

(۴) یہی روایت بخاری کتاب الصلوٰۃ باب قولہ حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطی" طبع مذکور صفحہ ۸۸/۱ پر یوں ہے "کادت الشمس ان تغیب"

(۵) صحیح بخاری، طبع مذکور کے صفحہ ۳/۱۰ پر ہے "فکاد بعض الناس ان یرتاب"

(۶) صحیح بخاری، کتاب التفسیر بذیل تفسیر سورہ حجرات باب قولہ لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبیؐ (طبع مذکور ص۵۴۲)

حدثنا یسرة بن صفوان بن جمیل اللخمی، قال حدثنا نافع بن عمر عن ابن ملیکة قال کاد الخیران ان یھلکا، ابابکر وعمر، رفعا اصواتھما عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم

لیکن صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں "ان ھلکا" یقیناً موجود ہے، مگر بعض میں بغیر "ان" کے بھی صرف "ھلکا" مذکور ہے جیسا کہ حاشیہ کے نسخوں (ن) سے واضح ہوتا ہے، چنانچہ علامہ محمد طاہر فتنی حنفی نے مجمع بحار الانوار میں لغت خیر کے تحت میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس میں بھی

اولاً ان کے ساتھ ذکر کیا ہے اسکے بعد اختلاف نسخ کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔

"فیہ کاد الخیران یھلکا، بتشدید تحتیة ای الفاعلان للخیر الکثیر، ویھلکا
فی بعضھا (ای لبعض النسخ) یحذف نون بلا ناصب وجازم علی لغة وھما ابو بکر
عمر" (مجمع بحار الانوار جلد اول ص۳۸۹ لغت خیر)

اختلاف نسخ کی یہ مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسی نہج البلاغہ کے مختلف نسخوں میں امیرالمومنینؑ کے
اس قول میں ہے کہ بعض میں "یکاد صاحبہ ان یشبع منہ" ہے اور بعض میں یکاد صاحبہ یشبع منہ
بغیر ان کے ہے؛

(۷) صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب السنہ باب ما یکرہ من التعمق والتنازع والغلو فی
الدین والبدع، طبع مذکور دہلی ص۱۰۸۳، وطبع میمنیہ مصر الجزء الرابع ص۱۶۰، حدثنا محمد
بن مقاتل اخبرنا وکیع عن نافع بن عمر عن ابن ابی ملیکة قال کاد الخیران
ان یھلکا ابوبکر الخ" اس مقام پر "ان" کا استعمال بالکل نہیں ہے صرف اختلاف یہ ہے
کہ بعض نسخ میں "ان یھلکان" ہے جیسا کہ حاشیہ پر اختلاف نسخ کے سلسلہ میں یہ تحریر کیا گیا
ہے لیکن واضح رہے کہ قواعد صرفیہ کے ماتحت یہ بھی غلط ہے کہ ناصب بھی موجود ہو اور تثنیہ کا نون
بھی بغیر حذف کے موجود رکھا جا وے۔

(۸) صحیح مسلم مع شرح النووی جلد دوم کتاب صفات المنافقین، طبع مطبع انصاری دہلی، صفحہ ۳۷۰، "عن
جابر قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سفر فلما کان قرب المدینة ھاجت
ریح تکاد ان تدفن الراکب۔ یہاں پر کسی قسم کا اختلاف نسخ نہیں ہے بلکہ ہر نسخہ میں "تکاد
ان تدفن الراکب" ہی ہے، شارح علامہ نودی لکھتے ہیں، قولہ ھاجت ریح تکاد ان
تدفن الراکب ھکذا ھو فی جمیع النسخ"

(۹) صحیح مسلم مع شرح النووی، جلد اول، کتاب الصلوٰة باب الدلیل لمن قال صلوٰة الوسطیٰ"
صلوٰة العصر ص۲۲۷ طبع مطبع انصاری دہلی،
عن جابر بن عبد اللہ، ان عمر بن الخطاب یوم الخندق جعل یسبّ کفار قریش وقال
یا رسول اللہ واللہ ما کدت ان اصلّی العصر حتی کادت ان تغرب الشمس،

(۱۰) صحیح مسلم مع شرح النووی جلد اول کتاب الایمان، باب تحریم قتل الانسان نفسہ ص۲

حیرت ہے کہ بغیر کسی ناصب وجازم کے نون اعرابی کا حذف کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اور ملا طاہر سا فتنی سا ماہر فن اسکی
تغلیط بھی نہیں کرتا بلکہ بعنوان صحیح اُسے نقل کرتا ہے۔

طبع مطبع انصاری دہلی،

عن ابی ھریرہ قال شھدنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنیناً فقال الرجل ممن یدعی بالاسلام ھذا من اھل النار فلما حضرنا القتال قاتل الرجل قتالاً شدیداً فاصابہ جراحۃ فقیل یارسول اللہ الرجل الذی قلت لہ انفاً انہ من اھل النار قاتل الیوم قتالاً شدیداً وقد مات فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی النار، فکاد بعض المسلمین ان یرتاب فبینما ھم علی ذلک اذ قیل فانہ لم یمت ولکن بہ جراحاً شدیداً فلما کان من اللیل لم یصبر علی الجراح فقتل نفسہ فاخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بذلک فقال اللہ اکبر اشھد انی عبد اللہ ورسولہ ثم امر بلالاً فنادی فی الناس انہ لا یدخل الجنۃ الا نفس مسلمۃ، فان اللہ یؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر"

شارح النووی لکھتے ہیں:۔

قولہ فکاد بعض المسلمین ان یرتاب | "کاد بعض المسلمین ان یرتاب" جیسا کہ
کذا ھو فی الاصول ان یرتاب فاثبت ان | اصل متن حدیث میں ہے اس سے ثابت ہوا کہ کاد
مع کاد وھو جائز لکنہ قلیل | کے ساتھ ان کا استعمال جائز ہے لیکن ایسا استعمال کم ہے

وکاد لمقاربۃ الفعل ولم یفعل اذ لم یتقدمھا نفی فان تقدمھا کقولک ماکاد یقوم کانت دالۃ علی القیام لکن بعد بطؤ کذا نقلہ الواحدی وغیرہ عن العرب واللغۃ (صلا)

(۱۱) الشیخ منصور علی ناصف من علماء الازہر اپنی کتاب التاج الجامع للاصول فی احادیث الرسول میں ترمذی و بخاری سے روایت کرتے ہیں:۔

عن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ قال کاد الخیران یھلکا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنھما رواہ البخاری والترمذی" (کتاب التاج الجامع للاصول فی احادیث الرسول جلد ۲ کتاب التفسیر سورۃ الحجرات ص۳۶۱ طبع مصر)

(۱۲) مشکوۃ المصابیح للعلامۃ الشیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری، باب فی المعجزات، الفصل الاول ص۵۳۵ مطبوعہ مطبع نظامی دہلی صحیح مسلم سے روایت ہے:۔

"عن جابر قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سفر فلما کان قرب المدینۃ ھاجت ریح تکادان تدفن الراکب، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت ھذہ الریح لموت منافق فقدم المدینۃ فاذا عظیم من المنافقین قد مات رواہ مسلم

(۱۳) مشکوۃ المصابیح باب المعجزات ص۵۳۵ صحیح بخاری سے روایت ہے:۔

"عن جابر قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب استند الی جزع نخلۃ

من سواری المسجد فلمّا صنع له والمنبر فاستوی علیه صاحت النخلة

الّتی کان یخطب عندھا حتی کادت ان تنشق فنزل النبی صلعم حتی اخذھا

فضمّھا الیه فجعلت تانّ انین الصبی الذی یسکّت حتی استقرت قال بکت علی ما کانت

تسمع الذکر رواہ البخاری، اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ " کادت ان تنشق " بخاری

میں بھی موجود ہے؛

(۱۴) مجمع بحار الانوار علامہ محمد طاہر فتنی جلد اول صفحہ ۴۲۵ " لغت ذممومنه حدیث ابن صیاد فاخذ

منه ذمامه حتی کاد ان یاخذ فیّ بتشدید الیاء اوعلی حاشیة لعله قول ابن عمر

حین تکلم معه ابن صیاد فی طریق مکة۔

(۱۵) مجمع بحار الانوار علامہ محمد طاہر فتنی حنفی جلد دوم ص۱۳۸ لغت مسلم " ومنه کاد امیه بن الصلت ان یسلم "

" منه " سے اشارہ کرمانی کی طرف ہے اور اس کی تشریح میں لکھتے ہیں؛۔ لان شعرہ من الاقرار

بالوحدانیه والبعث

(۱۶) مجمع بحار الانوار محمد طاہر فتنی حنفی جلد سوم ص۱۵۸ لغت فقر " کاد الفقر ان یکون کفرا

(۱۷) مجمع بحار الانوار محمد طاہر فتنی حنفی جلد سوم ص۱۲۶ لغت دلی من النھایة قول ابن الحنفیه ولدت

ان اکون السواد المختر مشبّه کاد بعسی فادخل ان فی خبرھا۔

(۱۸) کتاب النھایہ ابن اثیر الجزری جلد ۲ طبع قاہرہ ص۱۳۲ لغت دلی " ومنه حدیث ابن الحنفیّة ،

کان اذا مات بعض ولده قال أدلی لی کدت ان اکون السواد المختر مشبه کاد

بعسی فادخل فی خبرھا ان "

کتب احادیث اہلسنت میں اسکی بکثرت مثالیں ہیں، کہاں تک حوالہ دیا جاوے اس لئے مندرجہ

بالاشواہد پر اکتفا کرتا ہوں،

کتب ادب و تاریخ میں " کاد " کے ساتھ " ان " کا استعمال

صرف احادیث اہلسنت ہی نہیں بلکہ عربی ادب وعلوم کی کتابوں میں بھی اس کی مثالیں

ملتی ہیں اس محل پر صرف چند حوالے دینا کافی ہیں ملاحظہ ہو۔

(۱۹) علامة الادیب محمد بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ اپنی کتاب شرح الابیات الشواہد واقوال العرب

(نسخہ خطی ورق ۱۰۴ و ۱۰۵) پر اور اپنی دوسری تالیف فرائد القلائد فی مختصر شواہد الشواہد (نسخہ

خطی ، ورق ۵۰، ۵۱، ۵۲) پر بضمن شواہد افعال المقاربہ " کاد " کے ساتھ " ان " کے شواہد کو

پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو،

(الف) شعر ؎ کادت النفس ان تفیض علیه من ثوی حشو ریطة وبرود

دیروی ان تفیظ، والشاھد فیہ دخل ان فی خبرکاد تشبیھا بعسیٰ

(ب) شعر رؤبہ بن العجاج ؎ ربع عفا من بعد ما قد انمحیٰ
قد کاد من طول البلی ان یمصحا

والشاھد فی وقوع خبرکاد فعلا مضارعا مقرونا بان کما فی عسیٰ

(ج) شعر ابو یزید الاسلمی ؎ سقاھا ذو الاحلام سجلا علی الظما
وقد کربت اعناقھا ان یقطعا

وقد کربت بکسر الراء وبہ استشھد وھو بمعنی کاد وفیہ الشاھد حیث جاء بان

(د) شعر ؎ احبیتم قبول السلم منا وکدتموا لدی الحرب ان تغنوا السیوف عن السل

وقولہ ان تغنوا خبرکد تموا وفیہ الشاھد حیث جاء مقرونا بان حملوا علی عسیٰ

(ہ) وقد جاء فی النثر، قال جبیرین مطعم "کاد قلبی ان یطرح"

اسی طرح اور شواہد بھی علامہ عینی نے دیے ہیں یہ دونوں مخطوطے مسلم یونیورسٹی لائبریری کے سلیمان کلکشن میں موجود ہیں۔

(۲۰) علامہ علاء الدین محمد النجفی شرح صرف المعزی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔
وکان قد طلع من مشرق سلطنتہ کوکب ظاھر الاشراق وکاد ان یستنیر بانوار معدلتہ الآفاق " (نسخہ قلمی مسلم یونیورسٹی)

(۲۱) علامہ شہاب الدین فضل اللہ العمری جو فاضل بلیغ، حجۃ الکتّاب، امام اہل الادب اور جوادبِ انشا اور نثر نگاری میں آیات الٰہی میں سے سمجھے جاتے ہیں (دوفات الوفیات صلاح الکتبی جلد اول طبع مصر) وہ اپنی کتاب مسالک الابصار فی ممالک الامصار میں بضمن ذکر بقیع الغرقد، دفن امام حسن علیہ السلام لکھتے ہیں
"وکادت الفتنۃ ان تقع" (مسالک الابصار مطبوعہ تحقیق استاد احمد زکی پاشا جلد اول ص۱۳۱ طبع مصر ۱۹۲۴ء)

(۲۲) علامہ مسعودی، مروج الذہب میں بضمن ذکر الحکمین وبدر التحکیم لکھتے ہیں:۔
"وکادت العصبیۃ ان تقع بین النزاریۃ والیمانیۃ"
(مروج الذہب برحاشیہ نفح الطیب جلد دوم ص۴۳ طبع مصر)

(۲۳) علامہ محمد بن جریر الطبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔
(ب) "فکاد المسلمون ان یفتتنوا فی صلاتھم برسول اللہ صلعم"
(تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۱۹۶ طبع مصر)

(ب) فتخالف علیه احدٌ قال الارتد ادومت قد کاد ان یرتد"

(تاریخ طبری جلد سوم ص۲۱۲ طبع مصر)

(۲۴) علامۂ ذہبی بضمن ذکر خلافت واثق باللہ اپنی تاریخ دول الاسلام میں لکھتے ہیں:۔

فلما اردت ان اضنع اصبعی علی النقد فتح عینیه فذکدت ان اموت فزعًا فتاخرت الی خلفی فتعلقت قبیعة سیفی بالعتبة فعثرت فاندق السیف وکادان ید خل فی لحمی"

(دول الاسلام ذہبی مخطوطہ ورق ۵ب

عبدالسلام کلکشن نمبر ۱۱۵ مسلم کلکشن نمبر ۵ مسلم یونیورسٹی لائبریری)

(۲۵) مؤرخ ادیب ابوالفضل محمد خلیل المرادی، سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر" میں لکھتے ہیں:۔

"فاشتد غضبه حتی کادان یبطش بی"

(سلک الدرر جلد چہارم ص۱۰۳ طبع مصر)

(۲۶) قاضی القضات شہاب الدین احمد الخفاجی شرح درۃ الغواص میں لکھتے ہیں:

وکاد من طول البلی ان یمصحا هم عفامن بعد ماقد امحی

وبروی مد بع عفا ان الدهر طولًا فامحی وهو من ارجوزة لرؤبة بن العجاج، وفیه تاهنا یضاعله تشبیه کاد بعسی بدخول ان فی خبرها۔

ہم عفامن بعد ماقد امحی کاد من طول البلی ان یمصحا

پہلا مصرعہ یوں بھی روایت کیا گیا ہے "ربع عفا الدهر طولًا فامحی" رؤبہ بن عجاج کے ارجوزہ میں سے ہے اور تعجب کہ "کاد" "عسی" کے مشابہ ہوا اس امر میں کہ اس کی خبر میں "ان" داخل ہوتا ہے (شرح درۃ الغواص فی اوہام الخواص صفحہ ۷ مطبوعہ قسطنطنیہ)

اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۳ پر خفاجی لکھتے ہیں:۔

وقد ذکره المرزوقی وغیره فی الحواشی قال افصح الفصحا صلی الله علیه وسلم کاد الفقران یکون کفرا، وان کاد الحسد وان یغلب القدر وهذا معروف فی کلام العرب کقول ذی الرمة ؎

وجدت فوادی کادان یستخفه
خلیع الهوی من اجل ما یتذکر

(شرح درۃ الغواص صفحہ ۱۳۳)

مرزوقی وغیرہ نے حواشی میں ذکر کیا ہے کہ ارشاد فرمایا افصح الفصحا صلی اللہ علیہ وسلم نے "کاد الفقران یکون کفرا" "وکاد الحسد ان یغلب القدر" اور "کاد" کے ساتھ "ان" کا استعمال کلام عرب میں بہت زیادہ مشہور و معروف ہے، مشہور شاعر عرب ذوالرمہ کہتا ہے ؎

وجدت فوادی کادان یستخفه
خلیع الهوی من اجل ما یتذکر

(۲۷) جواہر الادب فی ادبیات وانشاء لغۃ العرب، الطبعۃ الخامسۃ عشرۃ (پندرھواں ایڈیشن) ص۲۵۶

مطابق سنہ ۱۹۰۹ء مطبوعہ مصر جلد اول فصل رابع بضمن استعطاف تمیم بن جمیل المعتصم صفحہ ۸۸" فتبسم

فتبسم المعتصم وقال، كاد والله يا تميم ان يسبق السيف قد وهبتك للصبية و

وعفوت لك عن الصبوة ثم امر بفك قيوده وخلع عليه "

۲۸- عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری المتوفی سنہ ۲۷۶ھ لکھتے ہیں :-

"وبكى معاوية بن يزيد حتى كادت نفسه ان تخرج وطال بكاؤه "

(کتاب الامامۃ والسیاسۃ طبع اول ازہر مصر سنہ ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۰۳)

۲۹- شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا کتاب الشفاء کے بحث الٰہیات میں لکھتے ہیں :-

ان روس الفضائل عفة وحكمة وشجاعة ومن اجتمع له معها العدالة وهي خارجة عن

الفضيلة النظرية ومن اجتمعت له معها الحكمة النظرية فقد سعد ومن فاز

مع ذلك بالخواص النبوية كاد ان يصير ربا انسانيا وكاد ان يحل عبادته

بعد الله وهو سلطان العالم الارضي وخليفة الله (الٰہیات الشفا مخطوطہ)

(۲) خلوصی کے نزدیک دوسری غلطی یہ ہے،

The preposition Ka is incorrectly used with a pronoun in the following phrase in ni lastu kanata, I am not like you (Nahj VOL, I P. 449).

نہج البلاغہ میں حرف جار (کاف) کا استعمال ضمیر کے ساتھ غلط ہوا ہے جہاں پر حضرت نے فرمایا ہے انی لست کانت جلد اول محمد عبدہ صفحہ ۴۴۹ طبع مصر یعنی کانت میں ضمیر کے ساتھ حرف جر کا استعمال صحیح نہیں ہے

جواب

یہ اعتراض بھی پہلے اعتراض کی طرح جس کا علمی جواب دیا گیا معترض کی جہالت پر دال ہے اس لئے کہ ائمہ نحویین نے اس کے استعمال کو جائز بتایا ہے اور اس کو تسلیم کیا ہے کہ حروف جر کے ساتھ ضمیر کا استعمال ہوا ہے، مثلاً "حتی" جو حرف جر ہے اس کے ساتھ ضمیر کا استعمال ہوا شاعر عرب کہتا ہے۔

فلا والله لا يلقى اناس فتى حتاك يا ابن ابي زياد

"ربّ" جو حرف جر ہے اس کے ساتھ ضمیر غائب کا استعمال ہوا، شاعر عرب کہتا ہے۔

واه رأيت وشيكا صدع اعظمه وربه عطبا انقذت من عطبه

اسی طرح کاف" جو حرف جر ہے اسکے ساتھ ضمیر کا استعمال ہوا، شاعر کہتا ہے۔

خلى الذنابات شمالا كثبا وام اوعال كها او اقربا

دوسرا شاعر کہتا ہے

ولا تری بعلا ولا حلائلا کہ ولا کہن الا حاظلا

(ملاحظہ ہو، شرح العلامہ ابن عقیل علی الفیۃ الامام مالک ص۱۳۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۳۰ء)

اسی طرح حرف جارہ "کاف" کا استعمال ضمیر مخاطب کے ساتھ بھی ہوا ہے شیخ جمال الدین بن ہاشم الانصاری النحوی مغنی اللبیب میں لکھتے ہیں:۔

وانت ضمیر مرفوع انیب عن المجرور کما قولهم ما انا کانت۔ (مغنی اللبیب جلد اول ص۱۳۰ طبع مصر)

اور عرب اہل زبان جو یہ بولتے ہیں "ما انا کانت" اس میں "انت" ضمیر مرفوع ہے جو مجرور واقع ہوا ہے۔

وسیط النحو میں ہے "وقد تدخل علی المرفوع نحو ما انا کانت" اور کبھی مرفوع پر حرف جر کاف داخل ہوتا ہے جیسے "ما انت کانت" (وسیط النحو ص۲۰ طبع مدراس ۱۳۲۰ء) مسالک البہیہ میں ہے "نزد اخفش ضمیر مجرور است کہ موقع مرفوع شدہ در ما انا کانت" (مسالک البہیہ فی قواعد النحویہ ص۱۴۳ طبع کلکتہ)

اوضح المسالک شرح الفیہ میں ہے:۔

کذا اجر الکاف المضمر الغائب نحو "کہا فی قول العجاج یصف حمارا وحشا

خلی الذنابات شمالاً کثبا وام اوعال کہا او اقربا

ونحوہ مثل کہ وکہما وکہم وکہن، الا قلیلاً وکذا المضمر المخاطب نحو انا کک والمتکلم ما انت کی ومنہ قولہ "اذ الحرب شمرت ولم تکن کی" وقالوا ما انت کانا وما انا کانت"

اسی طرح حرف جر کاف ہے، جو ضمائر کے ساتھ مستعمل ہوا ہے جیسے ضمیر غائب کے ساتھ "کہا" عجاج شاعر عرب اس شعر میں جس میں وہ حمار وحشی کی تعریف کرتا ہے

خلی الذنابات شمالاً کثبا وام اوعال کہا او اقربا

اسی طرح کہ، کہما، کہم، کہن، اگرچہ ان کا استعمال کم ہے، اسی طرح ضمیر مخاطب میں حرف جر کاف مستعمل ہے، جیسے "انا کک" اور ضمیر متکلم میں "ما انت کی" شاعر عرب کہتا ہے "اذ الحرب شمرت لم تکن کی" اور اہل عرب کی بول چال ہے، "ما انت کانا"، "وما انا کانت" (اوضح المسالک شرح الفیہ ابن مالک صفحہ ۲۰۳، ۲۰۴ طبع کلکتہ ۱۸۳۲ء)

رضی شرح کافیہ بحث کاف جارہ وتشبیہہ میں ہے "وقد یدخل فی السعۃ علی المرفوع نحو ما انا کانت"

شرح جامی مذکور بحث حروف جارہ صفحہ ۱۸۱ میں ہے:۔

ویختص ای الکاف بالظاہر ای باسم الظاہر عند الجمہور فقال

کہ استغناء عنه بمثل ونحوہ، وقد تدخل فی السعة علی المرفوع نحو
ما انا کانت خلافاً للمبرد فانه اجاز ذلک مطلقاً نظر الی ما جاء فی اشعار هو
حاشیہ ۱۵ قوله اجاز ذلک مطلقاً ای فی السعة والضرورة و فی المرفوع و
المنصوب والمجرور و فی الاسم الظاهر والضمیر۔
قوله نظراً ای لاجل النظر او حال کونه ناظراً الی ما جاء فی بعض الاشعار لا کلیاً

نحوئیین یہ بتلا رہے ہیں کہ اہل زبان کی بول چال میں "کانت" جاری ہے اور اس کی صحت میں
کسی کو کلام نہیں ہو سکتا ہے اس لئے اگر نہج البلاغہ میں وارد ہے تو کیوں غلط ہوگا بلکہ اس کو غلط کہنے
والا خود اپنی بے خبری اور جہالت کا ثبوت پیش کرتا ہے، عرب تو عموماً "وما انا کانت" کہتے ہیں
لیکن افصح الخلق بعد رسول اللہ نے "انی لست کانت" ارشاد فرما کر اس جملہ کو بلاغت کے بلند ترین درجہ
پر پہنچا دیا ہے،

مندرجہ بالا شواہد سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس کلمہ علویہ "لست کانت" کی شواہد میں اشعار
عرب کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نحوئیین کی یہ تصریح موجود ہے کہ ضمیر مرفوع پر کاف جارہ تشبیہ
غیر اشعار میں داخل ہوا کرتا ہے جس کے لئے لفظ "سعۃ" کا استعمال خاص طور سے کیا گیا ہے لہٰذا
امیر المومنینؑ کے ارشاد "انی لست کانت" کی تمثیل یا سند میں محض اقوال نثریہ ہی عربوں کے پیش کئے
جاویں گے جس کا وجود خود انھیں علمائے ادب و نحوئیین ہی کی تحریرات سے یقینی طور پر ثابت ہے جیسا کہ
صاحب مغنی اللبیب کی عبارت "انت ضمیر مرفوع" و انیب عن المجرور کما فی قولهم انی
لست کانت" سے ظاہر ہے لیکن باوجود اس عدم ضرورت کے بھی حسب تحریر شرح جامی (نظرا
الی ما جاء فی اشعارهم) نیز حسب تصریح محشی (ناظراً الی ما جاء فی بعض الاشعار) اشعار عرب
میں بھی ایسا استعمال موجود ہے، بہر حال امیر المومنینؑ کے کلمہ "انی لست کانت" کی سند اور مثال میں
عربوں کا یہی قول کافی اور وافی ہے کہ "ما انا کانت" جو کہ مسلمات اور یقینیات کی حیثیت سے تمام
کتابوں میں مذکور ہے اور "انی لست" و "ما انا" میں کوئی فرق حقیقتاً نہیں ہے جو کچھ بھی ہو وہ صرف
ظاہری معنی و مفہوم کے اعتبار سے دونوں بالکل ایک ہی ہیں، اور پھر جملہ معترض علیہا کا یہ پہلا جزء و
محل اعتراض بھی نہیں ہے کہ جس میں فرق کا ہونا کچھ حارج بھی سمجھا جا سکتا، اعتراض کا مورد و محل جو کچھ
بھی ہے وہ صرف آخر کا جزء ہے یعنی "کانت" کہ جس میں ضمیر پر کاف جارہ داخل ہوا ہے اور یہ جزء
حضرت کے کلمہ اور عرب کے قول میں یکساں طور سے بغیر کسی فرق ظاہری و باطنی کے بحمد اللہ موجود ہے۔

۳۔ خلاصتی صاحب فرماتے ہیں:۔

Iltaqa bhi: to meet (No. ? vol. 11. P. 62)

Iltaqa — does not take the preposition be:

خلوصی کا یہ ایراد امیر المومنین ع کے اس جملہ پر ہے جو حضرت نے محمد بن ابی بکر کی شہادت کے بعد عبداللہ بن عباس کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا تھا، اس مکتوب کا یہ آخری جملہ ہے " لاحببت ان القی معھم یو ما واحدا و لاالتقی بھم ابدا" (نہج البلاغہ جلد دوم ص۔۔) اعتراض یہ ہے کہ " التقی" حرف جارہ ب کو نہیں قبول کرتا اور یہاں باء جارہ کے ساتھ اس کا استعمال ہے لہذا غلط ہے،

جواب

یہ اعتراض بھی خلوصی کے جہل پر دلیل ہے، آخر کس اصول و قاعدہ کی بنا پر یہ فیصلہ کیا جارہا ہے کہ حرف جر " با" کا استعمال لفظ التقی کے ساتھ صحیح نہیں ہے، جب " التقی " کے اصل کلمہ کے ساتھ حرف با کا استعمال برابر ہوتا ہے تو اس کے ساتھ بھی استعمال ہوسکتا ہے، ملاحظہ ہو:- " القاہ بہ" وقد تلاقوا بھا، " ھم یتلاقون بالقیتہ لھم" " الق یدمن یدلك " لسان العرب لعلامۃ اللغوی ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم، جلد بستم صفحات ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴ طبع اول بولاق مصر) یہ لحاظ رہے کہ جس طرح متذکرہ بالا موارد استعمال میں اصل کلمہ لازم ہے اسی طرح " التقی " بھی لازم ہے اسلئے جواز کیلئے یہ توی ثبوت ہے کسی خلوص مثال کی ضرورت نہیں ہے۔

۴۔ خلوصی صاحب فرماتے ہیں:

Mutakif: devoted to prayers in a reclusive manner. It is used only in a religious sense. But the "Nahj" uses it in the sense of applying oneself to anything assiduously, in which case the kindred word 'akif' is the correct one.

نہج البلاغہ میں " اھلہ معتکفون علی العصیان " (نہج البلاغہ جلد اول ابن عبدہ صفحہ ۲۹۰) کے جملہ میں معتکف کا لفظ مطلق مواظبت و ملازمت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے حالانکہ معتکف میں ایک مذہبی اصطلاحی شرعی مفہوم پایا جاتا ہے، یہاں پر صحیح لفظ عاکف تھا جس کو استعمال کرنا چاہیئے تھا،

جواب

یہ ایراد بھی محاورات قرآن وحدیث ولغت عرب سے بے خبری اور صحیح ذوق ادب نہ رکھنے کا نتیجہ

ہے، یہ بالکل غلط ہے کہ معتکف کے معنوں میں مذہبی مفہوم کا ہونا ضروری ہے، اس لزوم کی کیا دلیل ہے ؟ ہمیں تو کہیں بھی ایسا وجوب ولزوم اصطلاحات شرعیہ میں نہیں ملتا، ظاہر ہے کہ صلوٰۃ کی لفظ مصطلح اور منقول شرعی ہوجانے کے بعد، مذہبی اور شرعی مفہوم میں بہئیت مخصوصہ مقررہ نماز کے لیئے (جس میں قیام وقعود، رکوع و سجود، تشہد وسلام نیت وتکبیرۃ الاحرام کا ہونا لازمی وضروری ہے) مخصوص ہوگیا ہے تو کیا معترض کے قول کے بموجب یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں کہیں بھی لفظ صلوٰۃ بولی جائے نماز کی ہئیت کذائیہ کا مفہوم بھی وہاں پایا جانا ضروری ہے، قطعاً غلط ہے، یہ امر ہرگز لازم نہیں ہے کہ جہاں کہیں بھی لفظ صلوٰۃ بولی جائے تو اسمیں نماز کی ہیئت کذائیہ کا مفہوم بھی لازم ہے، اگر کچھ بھی اسکی اصلیت وحقیقت ہوتی تو پھر خداوند عالم اسی لفظ صلوٰۃ کو استعمال فرماکر غیر نماز کے مفہوم میں کیسے مراد لے سکتا تھا، کیا اس لفظ کے منقول شرعی اور اصطلاحی ہوجانے کے بعد خود قرآن مجید ہی میں "یصلّون علی النبی" اور "صلّوا علیہ" وارد نہیں ہے، اور کیا وہاں پہ بھی لفظ صلوٰۃ میں نماز کی ہیئت کذائیہ کا مفہوم ہے ؟ یا ایسے مفہوم کے ہوسکنے کا امکان بھی ہے ؟ اسی طرح تمام الفاظ اصطلاحیہ ومنقولہ شرعیہ، جو دوسرے معانی لغویہ میں خود قرآن مجید ہی کے اندر مستعمل ہوئے ہیں، وہ سب کے سب معترض کے خودساختہ اس خیال لزوم کو قطعی طور پر باطل ٹھہرا رہے ہیں، مثلاً "یزکون انفسھم" "ثم ادنی الحج" وغیر ذلک، اس لیئے یہ ادعا قطعاً صحیح نہیں ہے کہ معتکف کا لفظ اصطلاح شرع کے اعتبار سے مخصوص انداز عبادت کے لیئے مختص ہوگیا ہے اور "عاکف" کا لفظ اس کے مقابلہ میں عام مفہوم میں استعمال ہوتا ہے، سب سے پہلے اس لفظ کے لغوی معنی کی طرف توجہ کرنا چاہیئے کہ اہل لغت کیا کہتے ہیں، جوہری صحاح اللغۃ میں لکھتے ہیں:۔

عکفہ عکفہ ای حبسہ ووقفہ یعکفہ ویعکفہ عکفاً ومنہ قولہ تعالیٰ والھدی معکوفاً یقال ما عکفک عن کذا ومنہ الاعتکاف فی المسجد وھو الاحتباس وعکف علی الشیٔ یعکف ویعکف عکوفاً ای اقبل علیہ مواظباً یقال فلان عاکف علی فرج حرام وقال تعالیٰ یعکفون علی اصنام لھم عکفوا حول الشیٔ استداروا ویقال عکف الجوھری فی النظم

(الصحاح جلد دوم صفحہ ۱۹ طبع مصر)

عکفہ عکفہ یعنی اس کو بند کردیا اور روک دیا والھدی معکوفاً کے معنی ہیں قربانی کے لیئے روکا ہوا اور بندھا ہوا جانور، "ما عکفک عن ھذا" کس امر نے تم کو اس سے روکا "الاعتکاف فی المسجد" مسجد میں عبادت کیلئے اپنے کو روک لینا "عکف علی الشیٔ" کسی چیز پر مقیم رہنا اور اس پر برابر عمل کرنا "فلان عاکف علی فرج حرام" فلاں نے حرام کاری پر اپنے کو روک رکھا ہے قرآن میں ہے وہ لوگ اپنے بتوں کی عبادت پر ڈٹے اور اڑے ہوئے ہیں کسی شے کے گرد پھرنا کہا جاتا ہے عکف الجوھری فی النظم یعنی جوہری نے موتی کو دھاگے میں ڈالا۔

احمد بن محمد المقری الفیومی لکھتے ہیں :-

عکف علی الشیٔ عکوفا و عکفا من بابی قعد وضرب لازمة وواظبه وقرئ بهما فی السبعة فی قوله تعالیٰ یعکفون علی اصنام لهم وعکفت الشیٔ اعکفه واعکفه حبسته ومنه الاعتکاف و هو افتعال لانه حبس النفس عن التصرفات العادیة وعکفته عن حاجته۔ (المصباح المنیر جلد دوم صفحہ ۵۰)

علامہ زمخشری لکھتے ہیں :-

یعکفون علی اصنامهم وعکفت الطیر علی القتیل وهم علیه عکوف ویقال انك لتعکفنی عن حاجتی والهدی معکوفا وهو فی معتکفه،

(اساس البلاغہ جلد دوم صفحہ ۱۲۶ طبع نولکشور لکھنؤ)

مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی لکھتے ہیں :-

عکفه یعکفه و یعکفه عکفا حبسه وعلیه عکوفا اقبل علیه مواظبا والقوم حوله استداروا کذا الطیر حول القتیل والجوهر فی النظم استدار وفی المسجد اعتکف ورهی واصلح وتاخر وقوم عکوف عاکفون

(قاموس جلد سوم صفحہ ۱۸۲ طبع مصر)

یہ ہیں عمومی کتب لغات جن سے یہ معلوم ہوا ہے کہ "عکف" کے معنی ہیں ایک چیز پر مقیم رہنا، ٹھہرنا اور روک رکھنا، اور "الاعتکاف فی المسجد" کے معنی ہیں مسجد میں عبادت کے لیے خاص پابندیوں کے ساتھ ٹھہرنا اور رکنا اور "عکوف وعاکف" کے معنی ہیں کسی چیز پر قائم رہنا و رکنا، اب لغات حدیث کو ملاحظہ کیجیے، امام راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات میں لکھتے ہیں :-

عکف، العکوف، الاقبال علی الشیٔ وملازمته علی سبیل التعظیم له والاعتکاف فی الشرع هو الاحتباس فی المسجد علی سبیل القربة ویقال عکفته علی کذا ای حبسته علیه لذلك قال سواء العاکف فیه و الباد، والعاکفین. فنظل لها عاکفین یعکفون علی اصنام لهم ظلت علیه

عکف، عکوف کے معنی ہیں کسی چیز پر قائم رہنا اور برنبائے تعظیم اس کو اپنے لیے لازم کر لینا اور اصطلاح شرع میں اعتکاف کے معنی ہیں بہ تقرب خداوندی مسجد میں قیام کر کے مصروف عبادت ہونا، کہتے ہیں "عکفته علی کذا" یعنی اپنے کو اسی پر روک رکھنا، قرآن میں ہے "سواء العاکف فیه والباد" مکہ میں ٹھہرے ہوئے مقیم لوگ اور باہری دونوں برابر ہیں، "العاکفون"

عاکفا، والعاکفون فی المساجد، فی المساجد، مسجد میں اپنے کو روک رکھنے والے

والھدی معکوفا ای محبوسا ممنوعا۔ "والھدی معکوفا" قربانی کے لئے روکا ہوا جانور

(مفردات امام راغب برحاشیہ نہایہ جلد سوم صفحہ ۱۳۱ طبع مصر)

علامہ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں:۔

عکف قد تکرر فی الحدیث ذکر الاعتکاف والعکوف وھو الاقامة علی الشیء و بالمکان ولزومھما یقال عکف یعکف ویعکف عکوفا فھو عاکف واعتکف یعتکف اعتکافا فھو معتکف ومنہ قیل لمن لازم المسجد واقام علی العبادة فیہ عاکف، و معتکف،

عکف، احادیث میں اعتکاف وعکوف کا لفظ بار بار آیا ہو، اعتکاف وعکوف کہتے ہیں کسی شئے وجگہ پر قائم اور ان دونوں کو اپنے اوپر لازم کر لینا ان دونوں کی گردان یہ ہے عکف، یعکف، یعکف عکوفا فھو عاکف واعتکف، یعتکف ویعتکف اعتکافا فھو معتکف۔ اس لئے اس شخص کو جو مسجد میں عبادت کرنے کے لئے بیٹھ جاتا ہے اور باہر نہیں نکلتا اس کو عاکف یا معتکف کہتے ہیں۔

(النہایۃ ابن اثیر جلد سوم صفحہ ۱۲۱ طبع قاہرہ)

ابن اثیر کی عبارت سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اعتکاف اور عکوف دونوں ایک دوسرے کے مرادف و ہم معنی ہیں یعنی دونوں کے معنی کسی چیز یا کسی مقام پر اقامت اور لزوم کے ہیں اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسی لغوی ہی معنوں میں (یعنی مذہبی مفہوم سے الگ ہو کر) حدیثوں میں بکرات ومرات اس لفظ کا ذکر اور استعمال ہوا ہے، پھر اس کے بعد شرعی اور اصطلاحی معنی کا ذکر ابن اثیر نے یوں کیا ہے، ومنہ (یہ لفظ خصوصیت سے غور کرنے کے قابل ہے جس سے تقدم معنائے لغوی واضح ہوتا ہے)" قیل لمن لازم المسجد واقام علی العبادة فیہ عاکف ومعتکف"، اس عبارت کا نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اصطلاحی وشرعی مفہوم میں کچھ نہ کچھ اثر اور مفہوم لغوی معنی کا موجود ہے، (یعنی مطلق لزوم) جو بعد النقل والاصطلاح مسجد کے ساتھ بعنوان اقامۂ عبادت مخصوص ومشروط ہو گیا ہے (یعنی وہی لزوم) مگر اس کا عکس ہرگز نہیں ہے یعنی اصطلاحی اور شرعی معنی کا مفہوم لغوی معنی میں پایا جائے اور یہ ہو کیسے سکتا ہے، اس لئے کہ لغت مقدم ہے اور نقل واصطلاح موخر ہے تو مؤخر کے مفہوم کا مقدم میں لازم ہونا کس صحیح الدماغ کی عقل میں صحیح متصور ہو سکتا ہے، اس لئے اگر نہج البلاغہ میں لفظ اعتکاف ومعتکف شرعی مفہوم سے الگ ہو کر محض لغوی معنوں میں وارد ہوا ہے تو اس میں کیا غلطی ہے، ایک نہج البلاغہ ہی پر ایسے استعمال کا کیا انحصار ہے، احادیث نبویہ میں بھی اصطلاحی اور مذہبی مفہوم سے الگ ہو کر محض لغوی معنوں میں اس لفظ اعتکاف کا استعمال برابر ہوا ہے، مثالاً دیکھئے۔ (مجمع بحار الانوار لغت احادیث اہل سنت جلد دوم صفحہ ۴۱۳)

د ج (حدیث) اذا اعتکف المؤذن للصبح حدیث پیغمبر میں ہے " اذا اعتکف المؤذن

ویبدا صلیؒ اعتکف ای جلس ینتظر الصبح	للصبح وبیدا "صلی" یہاں پر
لکی یوذّن، او انتصب قائماً للاذان،	اعتکف کے معنی ہیں اذان دینے کے لئے
ویروی اذا اعتکف ولاذن فضمیر اعتکف للنبی	انتظار صبح میں بیٹھا رہنا، یا اذان دینے
صلی اللہ علیہ وسلم، ویدا بلا ھمزۃ ای ظھر	کے لیے سیدھا
الصبح وصلیؒ جواب اذا،	کھڑا ہونا

اس حدیث کے علاوہ آگے چل کر اسی کتاب میں دوسری مثال یہ ہے، "وھو یعتکف الذنوب ای یحتبس عن الذنوب"

حاصل کلام یہ کہ مذہبی اصطلاح میں عاکف ومعتکف دونوں لفظ یکساں ہیں یہ نہیں کہ معتکف کا لفظ مخصوص ہو مذہبی مفہوم کے لیے اور عاکف عام ہو بلکہ جو مفہوم معتکف کا ہو وہی مفہوم عاکف کا بھی ہے لغت وحدیث کے بعد اب قرآن ملاحظہ کیجیے، کلام خدا میں معتکف کا لفظ نہیں وارد ہوا ہے، عاکف ہی کا لفظ دو مقامات پر الاعتکاف فی المسجد کے معنوں میں آیا ہے، (سورۂ بقرہ کی ۱۲۵ آیت میں ہے،

وعھدنا الی ابراھیم واسمعیل ان	اور ہم نے ابراہیم و اسمعیلؑ سے یہ عہد لیا کہ وہ میرے
طھّرا بیتی للطائفین والعاکفین	اس گھر کو طواف، اعتکاف، رکوع و سجود کرنے
والرکع السجود۔	والوں کے واسطے پاک و پاکیزہ کر دیں۔

دوسری آیت بھی اسی سورہ میں ہے جس کا نمبر ۱۸۷ ہے،

ولا تباشروھن وانتم عاکفون	اور جب تم مسجد میں اعتکاف کرنے بیٹھو تو اپنی بیویوں سے
فی المساجد۔	رات کو ہم بستر نہ ہو۔

ہاں احادیث میں البتہ "معتکف" کا لفظ "الاعتکاف فی المساجد" کے معنی میں موجود ہے اسی بنا پر علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے۔

ومنہ قیل لمن لازم المسجد واقام	اسی سے کہ جو شخص مسجد میں عبادت کرنے
علی العبادۃ فیہ عاکف ومعتکف	کے لیے اپنے کو روک لیتا ہے اور باہر نہیں نکلتا
(نہایہ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۳)	وہ عاکف یا معتکف کہلاتا ہے،

اسی لیے خلوصی عراقی کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ معتکف "اعتکاف فی المساجد" کے لیے مخصوص ہے اور عاکف نہیں ہے، دراصل دونوں الفاظ اعتکاف کرنے والے کے معنوں میں اصطلاح شرع میں مستعمل ہوئے ہیں، جب مصطلح شرع میں یہ دونوں لفظ یکساں ہیں اور ان میں سے ایک لفظ عاکف "اصطلاح شرع ہونے کے باوجود" معنائے لغوی میں برابر مستعمل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ "فلان عاکف علی فرج حرام" (الصحاح الجوھری) تو پھر یہ کیوں نہیں کہا جا سکتا "اھلہ معتکفون

علی العصیان (نہج البلاغہ) جب کہ اس کے استشہاد میں حدیث پیغمبرؐ "اعتکف المؤذن للصبح" "وھو یعتکف الذنوب" بھی موجود ہے، کیا خلوصی کے نزدیک حضرت پیغمبر صلعم نے بھی صحیح لفظ نہیں استعمال فرمایا،

۵۔ خلوصی صاحب فرماتے ہیں:۔

Apart from those mistis the Nahj contains words which were not known at his time, such as ...... Talashi تلاشی . Tabri yya تبریہ Tarheeb ترہیب

خلوصی کے مجمل اعتراض کی تفصیل یہ ہے نہج البلاغہ کے اس جملہ "وما تلاشت عنہ بروق الغمام" میں (نہج البلاغہ جلد اول ص۲۶۰ طبع استقامت مصر) "تلاشت" جس کا مصدر "تلاشی" بمعنی اضمحلال افناء، عدام ہے ان معنوں میں اہل لغت اس لفظ سے واقف نہیں ہیں،

جواب

یہ اعتراض بھی غلط ہے اس لئے کہ اس لفظ کی اصل زبان عرب میں موجود ہے، ملاحظہ ہو قاموس جلد دوم طبع مصر ص۳۷۲ پر یہ عبارت ہے، "لشا خس بعد رفعۃ"

المعتمد میں ہے "لشا، لشوا، خس بعد رفعۃ، لاشی الرجل الشیء صیرہ الی الاضمحلال العدم" تلاشی الشیء ذھب واضمحل وصار الی العدم وھما منحوتان من لا شیء "

(کتاب المعتمد ص۶۶۲ طبع بیروت)

المنجد کے صفحہ ۶۹۵ پر تفصیلات اشتقاقیہ بھی درج ہیں "لشہ لشا) طردہ (اللش) مص السماق (لشلش) اضطربت احشاؤہ واکثر التردد لفزعہ (اللشلاش) المضطرب الاحشاء (لشا یلشو لشوا) خس بعد رفعۃ (لاشی ملاشاۃ) الشیء صیرہ الی العدم وھو منحوت من لاشی (تلاشی تلاشیا) الشیء صار الی العدم واضمحل (التلاشی) مص الاضمحلال

(المنجد ص۶۹۵ طبع مصر)

الاستاذ الادیب محمد عبدہ لفظ "تلاشت" کی تشریح میں لکھتے ہیں:۔

تلاشت، اضمحلت واصلہ من الشیء بمعنی خس بعد رفعۃ وما یضمحل البرق ھو الاشیاء التی عند لمعانہ، (نہج البلاغہ محمد عبدہ جلد اول ص۳۷۱ طبع مصر)

نیز استاذ نائل المرصفی نے بھی اپنے شرح میں صفحہ ۲۸۴ جلد اول مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر نے یہ لکھا ہے۔ "تلاشت ای اضمحلت"

علامہ ابن ابی الحدید، لکھتے ہیں۔

وما تلاشت عنه بروق الغمام، هذه الكلمة اهمل بناء ها كثير من ائمة اللغه وهي صحيحة وقد جاءت وردت، قال ابن الاعرابي، لشا الرجل اذا اتضع وخس بعد رفعة، واذا صح اصلها صح استعمال الناس تلاشى الشئ، بمعنى اضمحل، وقال القطب الراوندي تلاشى مركب من لا شئ ولم يقف على اصل الكلمة، وقد ظهر الآن ان معنى كلامه عليه السلام انه سبحانه يعلم مايصوت به الرعد و يعلم مايضمحل عن البروق"

(ابن الحدید جلد دوم ص۱۸۵ طبع مصر)

"وما تلاشت عنہ بروق الغمام" اکثر اہل لغت سے یہ لفظ نظرانداز ہو گئی ہے، حالانکہ یہ لفظ صحیح ہے اور اہل زبان کے محاورے و بول چال میں موجود ہے (مشہور ماہر لسانیات) ابن اعرابی کہتا ہے "لشا الرجل" جب ضائع و برباد ہو جائے، رفعت کے بعد پستی ہو، (ابن ابی الحدید کہتے ہیں) جب اس لفظ کی اصل صحیح ہے تو لوگوں کا اس کا استعمال کرنا بھی صحیح ہو گا اس لئے "تلاشی الشئی بمعنیٰ اضمحل" ہوں گے قطب راوندی (شارح نہج البلاغہ) کہتے ہیں کہ یہ لفظ لاشئی سے مرکب ہو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس لفظ کا علم نہیں ہوا بہر حال اصل لفظ کی حقیقت معلوم ہو جانے سے معنی بالکل صاف ہیں کہ خدا کو معلوم ہے کہ رعد اپنی گرج میں کیا صدا بلند کرتا ہے اور بادلوں کی چمک میں کتنی بجلیاں مضمحل ہو جاتی ہیں۔

خلوصی صاحب کلام امام کا اعجاز دیکھیں کہ حضرت "فسبحان لا یخفی علیہ...... وما تلاشت عنہ بروق الغمام" ارشاد فرما کر علم برق کی جدید تحقیقات برق ساکن (Electro-statics) پر روشنی ڈال رہے ہیں:

۶۔ خلوصی صاحب فرماتے ہیں۔

"نہج البلاغہ میں لفظ "ترہیب" (Frighten) ڈرانے کے معنوں میں ہے حالانکہ اس زمانہ میں یہ لفظ ان معنوں میں مستعمل نہیں تھا۔

جواب

غالباً خلوصی صاحب کا اعتراض لفظ ترہیب کے سلسلہ میں حضرت علیہ السلام کے اس جملہ سے متعلق ہے جو آپ نے دنیا کی مذمت کرنے والے کو متنبہ کرتے وقت ارشاد فرمایا تھا...... راحت بعافیتہٖ وابتکرت بفجیعۃ، ترغیباً وترھیباً وتخویفاً وتحذیراً (نہج البلاغہ جلد دوم صفحہ ۱۸۵، محمد عبدہ اڈیشن طبع رحمانیہ مصر) حضرت نے اس محل پر لفظ ترہیب کو بالکل صحیح معنوں میں استعمال فرمایا ہے کیونکہ لفظ

ترہیب "خوف وفزع ڈرانا" کے معنوں میں اہل زبان کے نزدیک مستعمل ہے، جیساکہ امام اللغۃ والنحو عبدالرحمٰن بن عیسیٰ الہمدانی لکھتے ہیں:۔

رہب نھو، راھب، .... اجناس الخوف الرعب والفزع والذعر و والخیفۃ والمخافۃ والرّھبۃ .... وتقول، خوّفت الرّجل بغیری تخویفًا واخفتُہ اناخافۃً وارھبتُہ ارھابا ورھّبتُہ ترھیبًا وذعرتہ ذُعرًا فاعمدتُہ اذا رھبتہ فتوادی و استرھبتہ ....

(کتاب الالفاظ الکتابیہ ص۲۸۳ طبع بیروت)

۷۔ خلوصی صاحب فرماتے ہیں:۔

"نہج البلاغہ کے خطبۂ قاصعہ میں یہ جملہ ونازع اللہ رداء الجبریۃ" (نہج البلاغہ صفحہ ۳۹۶) حضرت علیؑ کا نہیں ہو سکتا اس لیئے کہ فرقۂ جبریہ آپ کے زمانہ میں نہیں ظاہر ہوا تھا!

جواب

اسی موقع کے لئے کہا گیا ہے "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" خلوصی صاحب اس جملہ میں لفظ جبریہ سے فرقۂ جبریہ سمجھتے ہیں اس لیئے اس کا ترجمہ اس طرح فرما کر اعتراض کر رہے ہیں،

"He who Contended with God on the garment of Jabriyya."

"اور نزاع کیا اللہ سے جبریہ کے لباس میں"

حالانکہ موصوف جو مطلب اس جملہ کا سمجھ رہے ہیں وہ غلط ہے صحیح ترجمہ یہ ہے "اور نزاع کیا اللہ سے کبر و غرور کے لباس میں" "جبریہ" لغت میں کبر کے معنوں میں آیا ہے، ملاحظہ ہو،

یجبر الرجل تکبر و یقال فیہ جبریۃ ایضًا وجبرۃ وجبروت و جبورۃ بوزن فروجۃ ای کبر، (مختار الصحاح لمحمد بن ابوبکر بن عبدالقادر ص۹۱ طبع مصر)	یجبر الرجل، یعنی اس مرد نے کبر کیا، اسی معنی میں لفظ جبریہ بھی بولا جاتا ہے، اور جبرۃ و جبروت وجبورۃ بروزن فروجہ بھی بمعنی کبر ہیں؛

الجبروت والجبریۃ "الجبروت کو ابن اثیر الجزری نے بھی ان معنوں میں لکھا ہے، اسی لئے "امرأۃ جبارۃ" کے معنی مستکبرۃ عاتیہ" "گھمنڈی اور سرکش عورت اور قرآن میں "جبارًا عنیدا" "المتمرد العاتی" سرکش و گنہگار کے معنوں میں ہے؛ (نہایہ ابن اثیر جلد اول ص۱۲۶۵ طبع مصر)

خود خداوند عالم کو "جبار" اس کی کبریائی کی وجہ سے کہتے ہیں "الجبار اللہ تعالیٰ

لتکبرہ (قاموس جلد اول صفحہ طبع مصر)

علامہ ابن ابی الحدید اپنی شرح میں لکھتے ہیں:۔

قوله عليه السلام ء اء الجبرية الباء	امام علیہ السلام کا قول سداء الجبریہ باء
المفتوحه يقال فيه جبرية وجبرت	مفتوحہ کے ساتھ، جبریہ جبروۃ، وجبرت
وجبروة وجبروه كطرد جداء ای كبر	وجبورۃ، بروزن فرد جہ کبر کے معنوں میں ہے
وانشدوا، ع	شاعر عرب کہتا ہے۔ ع
فانك ان عاديتنى عصب لحصا	فانك ان عاديتنى غصب لحصا
عليك وذو الجبورة المتغطرت	عليك وذو الجبورة المتغطرت

(ابن ابی الحدید جلد سوم صفحہ طبع مصر)

۸۔ خلوصی صاحب کو اس سے غرض نہیں کہ اعتراضات صحیح ہیں یا غلط وہ تو صرف ان عداوت و عصبیت کے مظاہرہ میں جو اُن کو امیرالمومنینؑ سے ہے نہج البلاغہ پر اعتراض کرنا ہی اپنا فریضہ سمجھتے ہیں اسی لئے وہ اعتراض کے لئے نئے نئے عنوان تلاش کرتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"تاریخی تحلیل و تجزیہ سے بھی ان خطبوں میں خلل و عیب نظر آتا ہے، مثلاً وہ خطبہ جو صفین سے واپسی کا ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں "خیر دار و شر جیران" (نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۳۳ طبع مصر) "خیر دار" کے الفاظ صفین پر نہیں منطبق ہوتے کیونکہ خیر دار مکہ ہے اور شر جیران مکہ کے باشندے قریش ہیں"

جواب

افسوس کہ خلوصی صاحب نے اصل خطبہ کو نہیں پڑھا ورنہ تاریخی تحلیل و تجزیہ (Chronology) کی زحمت نہ پڑتی، اور اگر اس خطبہ کو پڑھا ہے تو جان بوجھ کر لوگوں کو دھوکے میں مبتلا کر رہے ہیں، خود امیرالمومنینؑ نے اس خطبہ میں خیر دار سے مراد مکہ معظمہ کو لیا ہے اور شارحین نے بھی یہی سمجھا ہے صفین کو "خیر دار" نہ امیرالمومنینؑ بتلا رہے ہیں اور نہ کوئی شارح یہ سمجھ رہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جنگ صفین میں جس دھوکے اور فریب سے کام لیا گیا اُس کا اثر امیرالمومنینؑ کے دل پر تھا، اس سے متاثر ہو کر صفین کی واپسی پر یہ خطبہ ارشاد فرمایا، خود خطبہ کے الفاظ یہ بتلاتے ہیں کہ آپ کو عہد رسولؐ یاد آ گیا جس میں اسی طرح ضلالت و نفاق کی تند و تیز ہوائیں چل رہی تھیں اور جس طرح منافقین نے رسول اللہ کو دھوکے دیئے اور اسلام کو اپنے ابتدا ر دعوت ہی میں ختم و فنا کر دینے کی کوششیں کیں، بالکل اسی طرح جنگ صفین میں امیرالمومنینؑ کے ساتھ کیا گیا۔ چونکہ رسول صلعم کا وہ عہد اور علیؑ کا یہ زمانہ حالات کے اعتبار سے

بالکل یکساں تھے اس لیئے آپ کو رسُول کا زمانہ یاد آگیا، حالات میں اگر مطابقت ہو تو ایک زمانہ دوسرے دوسرے زمانہ کو یاد دلا ہی دیتا ہے، جو صورتیں صفین میں علیؑ کو پیش آئیں یہی حالات رسول اللہ پر بھی گزر چکے تھے، صلح حدیبیہ میں رسول اللہ کی حالت اور جنگ صفین میں تقررِ حکمین اس تطابق کو اور زیادہ واضح کر رہا ہے، چنانچہ آپ نے اس خطبہ میں رسُول اللہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے، عہد رسول ؐ کا ذکر فرمایا ہے کہ:۔

والنّاس فی فتن انجذم فیھا	(بعثت رسُول کے وقت) لوگ ایسے فتنوں میں
حبل الدین وتزعزت سواری	مبتلا تھے کہ جس سے دین کی رسّی ٹوٹ گئی تھی اور یقین
الیقین واختلف النجر وتشتت	کے ستون ہل کر اکھڑ گئے تھے۔ اصلیں مختلف ہو چکی تھیں
الامر وضاق المخرج وعمی	اور امر پراگندہ ہو چکا تھا (بچ کے) نکلنے کا راستہ
المصدر فالھدی خامل والعمی	تنگ تھا اور آنے کی راہ سجھائی نہ دیتی تھی (تو
شامل، عُصی الرحمن، ونصر الشیطان	اس وقت کیا ہوا یہ کہ) ہدایت گمنام تھی اور اندھا
وخذل الایمان فانھارت دعائمہ	پن شامل حال تھا، خدا کی نافرمانی کی گئی اور
وتنکرت معالمہٗ ودرست	شیطان کی مدد کی گئی، ایمان بے مدد چھوڑ دیا گیا
سُبُلہٗ وعفت شُرکہ اطاعوا	تو اُس کے کھمبے اور ستون گر گئے اور اس کے راستے
الشیطان فسلکو مسالکہ وورد	بدل گئے اور اسکی راہیں پُرانی ہو گئیں ڈنگیں اور
مناھلہ بھم سارت اعلامہ	ڈھرے مٹ گئے لوگوں نے شیطان کی اطاعت
وقام لواؤہ فی فتن داستھم	کی اور اُسی کی راہوں پر چلے اور اُس کی پنگھٹ پر
باخفافھا ووطئتھم باظلافھا	اُترے، یہ لوگ شیطان کے جھنڈوں کو لیکر بڑھے اور
وقامت علیٰ سنابکھا فھم	اس کا علم ایسے فتنوں میں بلند ہوا جن فتنوں نے
فیھا تائھون حائرون جاھلون	اُن کو اپنے پاؤں سے روند ڈالا اور اپنے کھُروں سے
مفتونون فی خیر دار وشر جیران	کچل ڈالا، یہ فتنہ اپنے پنجوں کے بل کھڑا ہو گیا،

اب وہ اس میں سراسیمہ وحیران ہیں جاہل تھے اور فتنے کا شکار، اس جگہ میں جو بہترین ہے (مکہ) مگر اس کے ہمسائے بدترین ہیں،

اس خطبہ میں "خیر دار وشر جیران" مخصوص رسول اللہ کے الفاظ ہیں، جب آں حضرت ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو اہل مدینہ سے شروع بعثت کے حالات کا ذکر فرما کر یہ ارشاد فرما کر یہ ارشاد کیا تھا "کنت فی خیر دار وشر جیران" میں بہترین مقام اور بدترین ہمسایہ میں تھا اس کے بعد آپ نے قریش اور عقبہ بن ابی معیط کی ایذا رسانیوں کا ذکر فرمایا تھا، حضرت کے اس خطبہ میں "خیر دار وشر

حیران“ سے مراد علمائے شیعہ نے اختلاف اقوال کو نقل کرنے کے بعد مکہ اور اہل مکہ ہی کو مراد لیا ہے ملاحظہ ہو
علامہ ابن میثم البحرانی کی شرح موصوف خیر دار کے متعلق ہر قول نقل کرنے کے بعد اسی کو قول حسن
فرمایا ہے کہ اس سے مراد مکہ معظمہ ہے (شرح ابن میثم جلد اول ص۲۵ طبع ایران)
ملا محمد صالح قزوینی اپنی شرح میں لکھتے ہیں :-

”در بہترین سرائے یعنی خانۂ کعبہ و حوالی آں و بدترین ہمسایگاں آں خانہ گمراہاں قریش و عرب در جاہلیت
و اول بعثت“ (شرح ملا محمد صالح قزوینی ص۱۰ طبع تبریز ۱۳۲۲ھ)

فاضل معاصر حاج سید علی نقی فیض الاسلام اصفہانی اپنے ”ترجمہ و شرح“ میں لکھتے ہیں :-
”ہمگی در آں سرگرداں و حیران و نادان و گرفتار بودند در بہترین محل دنیا مکۂ معظمہ و میان بدترین ہمسایگان
اہل مکہ“ (ترجمہ شرح نہج البلاغہ آقائے فیض الاسلام جلد اول ص۴۳ طبع طہران)

شارحین اہلسنت بھی یہی مراد لیتے ہیں چنانچہ محمد عبدہ المصری لکھتے ہیں :-
”خیر دار ھی مکۃ المکرمۃ و شر الجیران ان عبدۃ الاوثان من قریش“
(شرح نہج البلاغہ محمد عبدہ جلد اول ص۴۳)

استاذ محمد حسن نائل المرصفی اپنی شرح میں لکھتے ہیں :-
”یعنی بخیر دار مکۃ و شر الجیران من حولھا من عبدۃ الاوثان الذین کانوا
فی الجاھلیۃ وقبل البعثۃ“ (شرح المرصفی ص۴۳ جلد اول طبع دار الکتب العربیہ مصر)

علامہ ابن ابی الحدید نے بھی اپنی شرح میں یہی لکھا ہے :-
”قولہ بخیر دار یعنی مکۃ و شر جیران یعنی قریشاً“
(ابن ابی الحدید جلد اول ص۲۵ طبع مصر)

اس خطبہ میں ظاہر الفاظ اور منطوق کے اعتبار سے حضرتؑ نے عہد رسالت اور اس زمانہ کے معاندین
و محاربین و منافقین و کافرین کا تذکرہ فرمایا ہے لیکن مفہوم کے اعتبار سے اس کی تطبیق حضرتؑ کے حالات
سے ہو رہی ہے کہ جو حالت آں حضرت صلعم کی خیر دار مکہ میں ”شر جیران“ اہل مکہ کی وجہ سے تھی وہی
حالت امیر المومنینؑ کی (سرزمین عراق کے) خیر دار کوفہ میں شر جیران کوفیوں کی بے وفائی و غداری کی
وجہ سے تھی (کوفہ کا شمار بھی ارض مقدسہ میں ہے، ملاحظہ ہو معجم البلدان یاقوت الحموی جلد ہفتم ص۲۹۵ طبع مصر)
یا جس طرح قریش اپنے کفر و مخالفت اسلام کی وجہ سے بدترین لوگ تھے اگرچہ وہ لوگ بہترین مقام
کے رہنے والے تھے اسی طرح سرزمین شام اگرچہ ارض مقدس ہے لیکن وہاں کے رہنے والے امام حق
سے جنگ کرنے اور معاویہ کے لشکری اور اس کے حمایتی ہونے کی وجہ سے بدترین لوگ ہیں چنانچہ قطبؒ راوندی
نے اپنی شرح میں اسکی طرف اشارہ کیا ہے، بہر حال اس کے مراد لینے سے بھی کوئی قباحت نہیں ہو سکتی

کیونکہ خیبر وار، ارض مکہ، ارض کوفہ، ارض شام تینوں مقامات ہیں اور ہر جگہ کے باشندے حق سے انحراف و باطل کی حمایت کرنے کی وجہ سے شر حیران ہیں۔

۹۔ اسی طرح تاریخی تحلیل و تجزیہ کے بعد جو دوسرا خلل وعیب خلوصی صاحب کو نظر آیا ہے وہ یہ ہے کہ نہج البلاغہ میں "الآن رجع الحق الی اهله" کا جملہ جنگ صفین کے نتیجہ سے متعلق ہے حالانکہ یہ اس سے متعلق نہیں ہوسکتا ہے بلکہ اس کو ابتدائی خلافت کے زمانہ کے خطبہ سے متعلق ہونا چاہیئے۔

جواب

جنگ صفین سے واپس آنے پر جو خطبہ حضرت نے ارشاد فرمایا تھا اس کو نقل کرنے کے بعد سید رضیؒ نے "ومنها یعنی قوماً آخرین" کے زیر عنوان حضرت کا جو کلام نقل فرمایا ہے اسی میں "الآن رجع الحق الی اهله" ہے سید رضی کی یہ انتہائی دیانت ہے کہ راویوں نے جس عنوان سے روایت کیا ہے آپ نے ویسا ہی نقل فرمایا ہے، اپنی طرف سے کچھ تصرف نہیں فرمایا، سید رضی نے جس عنوان سے اس کلام کو نقل فرمایا ہے اس سے یہ قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کلام ماسبق خطبہ کا لازمی جزو ہی ہے، اسی لیئے سید رضی نے اس خطبہ سے الگ نقل کیا ہے، اس کلام میں حضرت فرماتے ہیں:۔

زرعوا الفجور وسقوه الغرور وحصدوا الثبور (نہج البلاغہ جلد اول صـ٣٢)

انھوں نے فسق و فجور کی کھیتی بوئی اور اُسے غرور سے سینچا اور کھیتی کو کاٹ کر ہلاکت اپنے لیئے فراہم کی۔

ابن ابی الحدید اپنی شرح میں لکھتے ہیں:۔

"واشارته هذه ليست الى المنافقين كما ذكره الرضي رحمه الله تعالى وانما اشارة الى من تغلب عليه وجحد حقه كمعاوية وغيره ولعل الرضي عرف ذلك وكنى عنه"

(ابن ابی الحدید جلد اول صـ٤٦ طبع مصر)

"یہ اشارہ امام علیہ السلام کا منافقین کی طرف نہیں ہے جیسا کہ سید رضی بتلاتے ہیں بلکہ امامؑ نے اس میں ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے جنھوں نے امام پر غلبہ حاصل کیا اور آپ کے حقوق کا انکار کیا مثل معاویہ وغیرہ کے، اور غالباً سید رضی نے سمجھ بوجھ کر منافقین سے انھیں لوگوں کا کنایہ کیا ہے۔"

بالفاظ سید رضی منافقین اور بالفاظ ابن ابی الحدید وہ لوگ جنھوں نے حضرت کے حقوق کا انکار کیا اور حضرت پر غلبہ حاصل کیا مثل معاویہ وغیرہ کے، ان کا تذکرہ کرنے کے بعد حضرت "آل محمدؐ" کے فضائل و مرتبے کو بیان فرماتے ہیں،

لایقاس بآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ

اس امت میں کسی ایک کا بھی قیاس و مقابلہ

من هذه الامة احد ولا يسوّى بهم من جرت نعمتهم عليه ابدا هم اساس الدين وعماد اليقين اليهم يفيء الغالى وبهم يلحق التالى ولهم خصائص حق الولاية وفيهم الوصية والوراثة الآن اذ رجع الحق الى اهله ونقل الى منتقله "

(نہج البلاغہ جلد اول ص٣٣)

آل محمدؐ سے نہیں کیا جا سکتا اور ان لوگوں کی برابری جن کو برابر نعمتیں دی گئیں اُن افراد سے نہیں کی جا سکتی جو نعمت دینے والے تھے اور نعمتیں دیتے رہے، آل رسولؐ دین کی بنیاد ہیں اور یقین کے ستون ہیں انھیں کی طرف حد سے تجاوز کرنے والا پلٹتا ہے اور پیچھے رہ جانے والا انھیں سے مل کے اور انکے قدم بقدم چل کے نجات پاتا ہے ان کے لئے حقوق ولایت کے خصوصیات ہیں اور وصیت و وراثت انھیں میں رہی اب حق خلافت جو اس کا اہل تھا اس کی طرف پلٹا دیا گیا ہے اور جو اس کی جگہ تھی اُسے وہاں پہونچا دیا گیا"

جامع نہج البلاغہ نے اس کلام کو جس عنوان سے نقل کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ راوی کلام اسکو اسی خطبہ کا جز سمجھتا ہے جو حضرت نے صفین سے واپس آکر دیا تھا، مگر شارحین کا خیال یہی ہے کہ بیعت عامہ کے موقع پر آپ نے یہ کلام ارشاد فرمایا تھا،

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:۔

واعلم ان هذه الكلمات وهي قوله عليه السلام الآن اذ رجع الحق الى اهله الى اخرها يبعد عندى ان تكون بقوله عقب انصرافه عليه السلام من صفين لانه انصرف عنها وقتئذ مضطرب الامر منتشر الحبل بواقعة التحكيم ومكيدة ابن العاص وما تم لمعاوية عليه من الاستظهار وما شاهد في عسكره من الخذلان وهذه الكلمات لا تقال في مثل هذه الحال واخلق بها ان تكون قيلت في ابتداء بيعته قبل ان يخرج من المدينة الى البصرة وان الرضي رحمه الله تعالى نقل ما وجد وحكى ما

جاننا چاہیئے کہ "الآن اذ رجع الحق الى اهله" سے آخر خطبہ تک کے کلمات کچھ ایسے ہیں جو میرے نزدیک صفین کی واپسی پر حضرت نے نہیں ارشاد فرمایا ہوگا کیونکہ واقعۂ تحکیم کے بعد حضرت کے معاملات خلافت درست نہیں رہ گئے تھے کوفیوں میں اضطراب وانتشار پیدا ہو چکا تھا اور معاویہ کو استحکام حاصل ہو گیا تھا ایسے حالات ومواقع پر اس قسم کے کلمات نہیں کہے جاتے بلکہ صحیح یہ ہے کہ حضرت نے اپنی ابتداء خلافت میں مدینے سے بصرہ آنے سے قبل یہ کلام ارشاد فرمایا ہو، در اصل سید رضی رحمہ اللہ نے بالکل اسی طرح نقل فرما دیا جیسا کہ موصوف نے پایا تھا اور جس طرح سُنا ویسے ہی بیان فرما دیا یہ غلطی سید رضی کے

سمعوا الغلط من غيره والوهم سابق له" (ابن ابی الحدید جلد اول ص طبع مصر) علاوہ دوسروں کی ہے اور گزشتہ روات کا وہم ہے۔

لیکن اگر اس کلام کو اسی خطبہ کا جزو سمجھا جائے جو آپ نے صفین کی واپسی پر ارشاد فرمایا تھا تو مناسبت محل و مقتضائے حال کے اعتبار سے بھی کوئی خرابی نہیں پیدا ہوتی اور نہ اس سے کوئی خلل و عیب ہی ہوتا ہے کیونکہ آپ نے جنگ صفین کے ان حالات سے جس میں معاویہ و عمرو عاص نے مکر و فریب سے کام لیا، کوفیوں نے غداری و بیوفائی کی، اور خوارج کی جماعت پیدا ہو گئی جو لوگ آپ کے ساتھ باقی ہے ان میں سستی و ضعف کے آثار پیدا ہو گئے، ان حالات کو پیش نظر رکھ کر آپ نے صفین کی واپسی پر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے رسول کے انھیں حالات کا تذکرہ فرمایا جو آپ کے حالات سے مشابہ تھے، مطلب حضرت کا یہ تھا کہ آج پھر حق کو مٹانے کے لیے وہی طاقت ابھر آئی ہے جس کو رسول اللہ نے اپنے زمانہ میں دبایا تھا، دراصل یہ اسلام کے مقابلہ میں ایسے مرتجعین کی جماعت ہے جس نے بظاہر لباس اسلام تو پہن لیا ہے لیکن وہ ویسے ہی اسلام کے مخالف ہیں جیسے کفار قریش تھے اور ہم اہلبیت جو محل اسرار وحی اور صندوق علم و سرچشمۂ حکمت ہیں، دین خدا کے محافظ ہیں، اس فتنہ کو ہماری ہی رہبری و ہدایت سے مٹایا جاسکتا ہے اس فتنہ کو برپا کرنے والے جنھوں نے جاہلیت کے بیج کو زمین اسلام میں لیا اور اپنے آپ غرور سے اس کو سینچا وہ معاویہ اور اس کے متبعین ہیں لہٰذا اس حقیقت کو سمجھ لو کہ آل محمد کا مقابلہ کسی سے نہیں ہو سکتا ہے دراصل یہی دین کے وارث، رسول کے وصی اور ولایت و حکومت کے حقدار ہیں، اب جب کہ حق خلافت پلٹ کر اپنے مرکز پر آگیا ہے تو اس موقع کو غنیمت جانو اور ہماری رہبری میں مخالفین کا مقابلہ ڈٹ کر کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ پھر اپنی جگہ سے ہٹ جائے اور اسلام کو تباہی سے دوچار ہونا پڑے"

۱۰۔ خلوصی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"علیؑ کے خطبے خودستائی اور انانیت سے بھرے ہوئے ہیں آپ نے اپنے خطبہ میں ۱۱۳ مرتبہ "انا انا" کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ آپ ایک ایسا ہی خطبہ دے رہے تھے جس میں آپ سختی سے حالات پر نکتہ چینی کر کے آئندہ کی خبریں بتلا رہے تھے کہ سوید بن نوفل الہلالی نے درمیان خطبہ میں یہ کہا "یا امیر المومنین انت حاضر بما ذکرت وعالم به" یا امیر المومنین جو کچھ آپ بیان فرما رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دیکھا ہوا سامنے کا واقعہ ہے اس کے دخل دینے سے آپ غضبناک ہو گئے اور آپ نے اسی غصہ کے عالم میں، میں ایسا ہوں، میں یہ ہوں، میں وہ ہوں کہہ کہہ کر اپنی مدح خوانی کرنے لگے، یہاں تک کہ وہ آدمی اس کو برداشت نہ کر سکا اور بیہوش ہو کر مر گیا اور لوگ آپ کے قدموں کا بوسہ دینے لگے، اب آپ نے چاہا کہ تقریر کے سلسلہ کو ختم کر دیں لیکن لوگوں نے اصرار کیا کہ خطبہ ناقص نہ چھوڑا جائے، تب آپ نے اس کو پورا کیا جس میں آپ نے بنی عباس، تاتاریوں کا حملہ بغداد کی تباہی اور امام مہدیؑ کے ظہور کی غیبی خبریں دیں" جن لوگوں نے علیؑ کے خطبوں کو وضع کیا ہے ان کی یہ

سعی رہی ہے کہ ان خطبوں کے ذریعہ علیؑ کے عالم الغیب ہونے کو ظاہر کریں، یہ "انا" علیؑ کے خطبوں کی کنجی ہے اور اپنی حمد و ثنا، خود ستائی علیؑ کے خطبوں کا خاص امتیاز ہے، دیکھو "النثر الفستی زکی مبارک جلد اول ص۲۳"

جواب

اس اعتراض میں خلوصی صاحب نے انتہائی عیاری کا ثبوت دیا ہے موصوف نہج البلاغہ کے متعلق بحث کر رہے ہیں کہ اسکے خطبے حضرت علیؑ کے ہیں یا نہیں، اس لیئے ان کو صرف انھیں خطبوں پر نقد و تبصرہ کرنا چاہیئے جو نہج البلاغہ میں مندرج ہیں لیکن چونکہ موصوف خطب نہج البلاغہ کے خلاف کچھ مستحکم ایراد و اعتراض کر نہیں سکے اس لیئے خبط عشواء کی طرح ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور اپنے اصل موضوع مندرجات نہج البلاغہ سے ہٹ کر دوسرے خطب جو حضرت کی طرف منسوب ہیں اور نہج البلاغہ میں نہیں ہیں اُن پر اعتراض کرتے ہیں، لیکن اس چالاکی سے کہ پڑھنے والا یہ سمجھے کہ یہ نہج البلاغہ ہی کا خطبہ ہے، چنانچہ مندرجہ بالا اعتراض جس خطبہ پر کر رہے ہیں جس میں انا......... انا بکثرت موجود ہے اور جس میں سوید بن نوفل الھلالی نے درمیان خطبہ میں سوال کیا تھا اور آپ نے اس کو متنبہ کیا تھا اور پھر ضمیر متکلم "انا" کے ساتھ اپنے فضائل و مناقب کو بیان فرمایا ہے اور جس کو سُن کر غش کھا کر مر گیا، وغیرہ وغیرہ........، اس خطبہ کو سید رضی نے نہج البلاغہ میں نہیں نقل فرمایا ہے بلکہ خلوصی صاحب کے ہم مذہب علمائے اہلسنت نے اس کو نقل کیا ہے چنانچہ علامہ کمال الدین ابو سالم محمد بن طلحۃ القریشی النصیبی الشافعی نے اپنی کتاب "الدر المنظم" میں اور فخر الاسلام قسطنطنیہ علامہ الشیخ سلیمان بن ابراہیم الحنفی البلخی القندوزی نے اپنی کتاب "ینابیع المودت" میں (یہ کتاب قسطنطنیہ سے شائع ہو چکی ہے) مفصلاً اسی شرح و بسط کے ساتھ جس کا تذکرہ خلوصی صاحب کر رہے ہیں ذکر کیا ہے، اور اس خطبہ کے اکثر حصہ کو علامہ شہاب الدین احمد نے اپنی کتاب توضیح الدلائل علی ترجیح الفضائل میں بھی وارد کیا ہے۔ اگر اس خطبہ کے متعلق کوئی ایراد و اعتراض ہے تو اپنے اجلۂ علماء سے کیجئے، یہ کیا اندھیر ہے نقل تو کریں آپ کے علمائے اہلسنت اور اعتراض فرمائیے نہج البلاغہ پر جس میں اسکا کہیں وجود نہیں ہے، ایں چہ بوالعجبی است!

یہ خطبہ جو "البیان" کے نام سے مشہور ہے، مندرجہ بالا علمائے اہل سنت نے اس کو نقل فرما کر یہ تحریر فرمایا ہے:-

"قد ثبت عند علماء الطریقۃ و مشائخ الحقیقۃ بالنقل الصحیح والکشف الصریح۔"	علمائے طریقت، مشائخ حقیقت کے نزدیک نقل صحیح اور کشف صریح سے یہ خطبہ ثابت ہے۔

"نقل صحیح" اور "کشف صریح" کو آپ اپنے علماء سے دریافت کیجئے کہ کیا ہے؟

جیسا کہ بتلا چکا ہوں کتب شیعہ میں اس خطبہ کا وجود نہیں ہے، نہ کتب اربعہ شیعہ میں ہے، نہ مصنفات علامۂ مجلسیؒ میں ہے اور نہ نہج البلاغہ میں ہے شیخ رجب علی برسی جو ایک صوفی ہیں البتہ انھوں نے کتب اہل سنت سے اس خطبہ کو اپنی کتاب "مشارق الانوار" میں نقل کیا ہے لیکن شیخ رجب علی برسی صوفی اور اُن کے مصنفات کو اہل شیعہ نے قابل حجت نہیں سمجھا ہے۔

علامہ مجلسی لکھتے ہیں:-

"ولا اعتمد علی ما یتفرد بنقلہ	میں ان کی تنہا نقل کردہ چیزوں پر بھروسہ
لاشتمال کتابہ علی ما یوھم الخبط	نہیں کرتا اس لیے کہ ان کے مصنفات میں ایسی
والخلط"	باتیں ہیں جو خبط وخلط کی موہم ہیں،

اسی طرح شیخ حر العاملی وسائل الشیعہ میں فرماتے ہیں:-

"حافظ رجب علی برسی کی کتاب میں حد سے متجاوز باتیں درج ہیں اور بسا اوقات ان کی طرف غلو کی نسبت دی جاتی ہے" (سفینۃ البحار للشیخ عباس القمی جلد اول ص۵۱۱ طبع ایران)

رہا یہ امر کہ علیؑ کے بعض خطب میں اخبار غیب پائے جاتے ہیں تو اس کا جواب میں دے چکا ہوں کہ خود صحاح اہلسنت میں موجود ہے کہ رسول اللہ نے قیامت تک ہونے والے واقعات کی خبر اپنے اصحاب کو دی بعض اصحاب نے اس کو یاد رکھا اور بعض بھول گئے، اگر علیؑ نے یاد رکھا اور بیان کیا تو کیوں حیرت ہو، خود علیؑ ہی نے فرمایا ہے کہ جو کچھ میں بتلا رہا ہوں یہ رسول اللہ کی بتلائی ہوئی خبریں ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ "اتراك مغزول" کی خبر دے رہے تھے کہ قبیلۂ کلب کے ایک شخص نے عرض کیا:-

"لقد اعطیت یا امیر المومنین علم الغیب"	اے امیر المومنین آپ کو علم غیب عطا ہوا ہے،
فضحك علیہ السلام وقال، یا اخا کلب لیس	حضرت نے مسکرا کر جواب دیا، اے برادر کلبی جو کچھ
ھو بعلم غیب وانما ھو تعلم من	میں نے خبریں دی ہیں یہ علم غیب نہیں ہے بلکہ
ذی علم"	صاحب علم ودانش حضرت پیغمبر صلعم کی بتلائی

ہوئی باتیں ہیں، (نہج البلاغہ جلد اول ص۲۶۴ طبع مصر)

رہا یہ کہ "آنا" علیؑ کے خطبوں کی کنجی ہے اور خود اپنی آپ تعریف کرنا یہ علیؑ کا شیوہ ہے، اخلوصی صاحب کا یہ ادعا بالکل ویسا ہی ہے جس طرح مخالفین اسلام نے قرآن پر اعتراض کرکے یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کا خدا کیسا ہے کہ اس نے قرآن میں شروع سے آخر تک مختلف عنوان سے خود اپنی ہی حمد و ثنا کی ہے، خلوصی صاحب نے اس خودستائی کے سلسلہ میں دکتور زکی مبارک کی کتاب "النثر الفنی" کا حوالہ دیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دکتور زکی مبارک نے بھی وہی اعتراض کیا ہے جو آپ امیر المومنینؑ

کے خطبوں کے متعلق کر رہے ہیں حالانکہ اس کتاب میں آپکے اس اعتراض کا جواب مل جاتا ہے،
اصل یہ ہے کہ ابوالہلال العسکری نے اپنی کتاب الصناعتین ص۱۰۰ (طبع مصر) میں شعر کی صفات میں
بیان کیا ہے کہ برخلاف خطیب و کاتب کے شاعر اپنے اوصاف و ثنا کو شعر میں حسن و خوبی سے
بیان کر سکتا ہے، اس کا جواب ڈکٹوز کی مبارک یہ دیتے ہیں۔

وهذا الكلام يحتمل النقض فان مدح الرجل نفسه ان جرى مجرى الدفاع والمفاخرة صح وقوعه في النثر وشواهد ذلك كثيرة من خطب الخلفاء والولاة ورسائلهم فليست خطب علیؑ ابن ابی طالبؑ في جملتها الاشارة بشرفه ودنوها بقربه من الرسول. اما الفخر الذي يجري مجرى الزهو والخيلاء فهو مردود في الشعر والنثر۔
(كتاب النثر الفني في القرآن الرابع نقد الشعر النبي ص۱۲ طبع مصر)

اس کلام سے (ابی شعر پر) احتمال نقص ہوتا ہے جو درست نہیں ہے کیونکہ کسی شخص کا دفاع و مفاخرت کے موقع پر اپنی مدح و ثنا کرنا یہ صحیح و درست ہے، اس کی مثالیں و شواہد خلفا کے خطبوں اور حکام کے خطوط و رسائل میں بکثرت ہیں۔ اس بنا پر حضرت علیؑ کے خطبے اس قسم کے نہیں ہیں کہ جن میں بیجا خطیب نے اپنی خود ستائی کی ہو بلکہ اپنے شرف و منزلت اور رسول اللہ سے جو قربت حاصل تھی اس کو روشن کرنے کی ضرورت سے بطور مدح و ثنا کے بیان کیا گیا ہے لیکن وہ فخر و مباہات جو اترانے کی بنا پر ہو وہ شعر میں ہو یا نثر میں، ہو ہر صورت میں برا ہے،

خلوصی صاحب نے اس "مدح و ثنا" کے لئے جو خود امیر المومنینؑ نے اپنی زبان سے فرمائی ہے، تاریخی تحلیل و تجزیہ سے کام نہیں لیا، کیا تاریخ میں موصوف نے یہ نہیں دیکھا کہ معاویہ نے علیؑ کے خلاف کیا کیا پروپیگنڈا کیا تھا، شام میں اموی پروپیگنڈے کا یہ نتیجہ تھا کہ وہاں یہ مشہور تھا کہ رسول اللہ سے جس کو سب سے زیادہ قربت حاصل ہے وہ بنی امیہ ہیں (مروج الذہب مسعودی جلد دوم صفحہ ۷۲ طبع اول مصر و شرح ابن الحدید جلد دوم ص۱۲ طبع مصر) ان لوگوں نے امیر المومنین علی بن ابی طالب کا تعارف ایک ظالم و جابر کی حیثیت سے کیا تھا بلکہ یہ شہرت دے رکھی تھی کہ "اراہ لصا من لصوص الفتن"
(مروج الذہب مسعودی جلد دوم ص۵۲ طبع اول مصر)

اسی طرح خوارج و اصحاب جمل آپ کی منزلت کو گھٹانے کی کوشش کر رہے تھے، ان حالات میں اگر امیر المومنینؑ اپنے فضائل و مناقب کو بیان فرماتے ہیں تو خلوصی صاحب کی اموی رگ کیوں حرکت میں آتی ہے

۱۱۔ خلوصی صاحب فرماتے ہیں:۔
"خود سید رضی کو ان خطبوں کے متعلق اختلاف روایت کا اقرار ہے، یہاں تک کہ مجلسی نے بحار الانوار

جلد ہفدہم صفحہ ٩١ میں علیؑ کے ایک خطبہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ "وھذہ الخطبۃ قد نقلھا الکفعمی مع اختلاف شدید" اس خطبہ کو کفعمی نے بڑے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے، لیکن بعد میں ابن ابی الحدید نے اس پورے خطبہ کو شامل کر دیا۔ (ابن ابی الحدید جلد اول صفحہ ١٠١)

جواب

خلوصی صاحب نے اس ایراد میں بھی عیاری سے کام لیا ہے، اختلاف روایت کا اقرار کرنا ایک الگ چیز ہے اور مجلسی کا کسی مخصوص خطبہ کے متعلق جو نہج البلاغہ میں نہیں ہے کچھ بیان کرنا یہ ایک دوسری چیز ہے اور ابن ابی الحدید کا اس کو اپنی تالیف میں ذکر کرنا امر آخر ہے لیکن خلوصی نے ان تینوں باتوں کو اس طرح ملا یا ہے جس سے پڑھنے والا یہ نتیجہ نکالے کہ ابن ابی الحدید نے، نہج البلاغہ میں ایک ایسے خطبے کو بڑھا دیا ہے جس کے بارے میں علامہ مجلسی یہ بتلاتے ہیں کہ اس خطبہ میں شدید اختلاف ہے، اصل یہ ہے کہ جس طرح سے اصل الفاظ حدیث پیغمبرؐ کے متعلق بین الرواۃ اختلاف پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ احادیث صحاح کی بھی یہی صورت ہے، اسی طرح سے امیر المومنینؑ کے الفاظ احادیث و خطب کے متعلق بھی بعض مقامات پر روات نے اختلاف کیا ہے، لیکن جس طرح ایک ناقد بصیر الفاظ و متن احادیث کے اختلاف کے باوجود صحیح و سقیم کو پرکھ لیتا ہے اسی طرح امیر المومنینؑ کے کلام سے بھی سید رضی نے اختلافات روایات کے باوجود، متقن و مستحکم، اور صحیح و قابل اعتماد کلام کو جمع فرما دیا۔

اور جس طرح اختلافات روایات احادیث صحاح کے لئے قادح نہیں ہیں اسی طرح ان صحیح و معتمد کلام امیر المومنینؑ کے لئے بھی جن کو سید رضی نے نہج البلاغہ میں جمع فرمایا ہے، قادح نہیں ہے۔

خلوصی نے علامہ مجلسیؒ کا جو حوالہ دیا ہے وہ موصوف کے مفید مطلب نہیں ہے کیونکہ علامہ مجلسیؒ نے "بحار الانوار" جلد سیزدہم میں اپنے اسناد معتمدہ سے حضرتؑ کے اس خطبہ کو نقل فرمایا ہے جو بغیر الف کے ہے، یہ وہ خطبہ ہے جس کو سید رضی نے نہج البلاغہ میں نہیں وارد کیا ہے خطبہ مذکورہ کو نقل کرنے کے بعد علامہ مجلسیؒ نے اس امر پر متنبہ کیا ہے کہ بین الرواۃ اس کے الفاظ میں اختلاف واقع ہوا ہے، خلوصی نے حوالہ کی مکمل عبارت کو نقل نہیں کیا ہے اور نہ حوالہ کا صفحہ ہی صحیح ہے، اصل عبارت یہ ہے:-

وھذہ الخطبۃ قد نقلھا الکفعمی	اس خطبۂ بے الف کو علامہ کفعمی نے کتاب المصباح میں
فی کتاب المصباح و لکن مع اختلاف	الفاظ کے شدید اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے اس لئے میں
شدید و لذلک قد تعرضنا	اس لفظی اختلاف کو حاشیہ پر پیش کئے دیتا ہوں۔
الاختلاف فی الھامش۔	(بحار الانوار جلد ہفتم صفحہ ٢٠٢ طبع تبریز)

خلوصی کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ ابن ابی الحدید نے نہج البلاغہ میں اصل متن کی حیثیت سے اس خطبہ کو شامل کر دیا ہے، حوالہ میں موصوف نے ابن ابی الحدید جلد اول لکھا ہے، دعویٰ تو غلط تھا ہی حوالہ بھی غلط ہے، اصل یہ ہے کہ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح کے مجلد چہارم میں صفحہ ۲۵۹ سے لے کر ۲۶۵ تک مشہور لغویین وائمہ فن ابو عبید قاسم بن سلام اور ابن قتیبہ کے ان مصنفات سے جو غریب الحدیث کے موضوع پر ہیں امیر المومنینؑ کے اس کلام کو نقل کیا ہے جو لغات غریبہ پر مشتمل ہے اور جنکی شرح ابو عبید اور ابن قتیبہ نے کی ہے، حضرت کے ان تمام کلمات غریبہ کو مع حل شرح کے درج کرنیکے بعد ابن ابی الحدید لکھتے ہیں

وانا الآن اذکر من کلامه الغریب ما لم یورده
ابو عبید و ابن قتیبة فی کلامهما و اشرحه ایضاً
وهی خطبة رواها کثیر من الناس له علیه السلام
خالیة من حرف الالف قالوا تذاکر قوم من
اصحاب رسول الله صلی الله علیه و آله ای حرف
الهجاء ادخل فی الکلام فاجمعوا علی الالف
فقال علی علیه السلام

(ابن ابی الحدید صفحہ ۲۶۵ مجلد چہارم طبع مصر)

اب میں حضرت کے کلام میں سے اس غریب کلام کو مع شرح کے وارد کرتا ہوں جس کو کہ ابو عبید اور ابن قتیبہ نے نہیں نقل کیا اور یہ حضرت کا وہ مشہور خطبہ ہے جسکو بہت سے لوگوں نے حضرت سے روایت کیا ہے جو حرف الف سے خالی ہے، بیان کرتے ہیں کہ اصحاب رسولؐ کے مجمع میں ایک دن یہ گفتگو ہوئی کہ حروف ہجا میں سے وہ کون حرف ہے جو سب سے زیادہ زبان عرب میں مستعمل ہے، سب نے اتفاق کیا کہ وہ حرف الف ہے جسکے بغیر کلام نہیں کیا جا سکتا، یہ سن کر امیر المومنینؑ نے فوراً ہی فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حرف الف نہیں تھا اور وہ خطبہ یہ ہے"۔

اس کے بعد ابن ابی الحدید نے اس خطبہ کو ۲۶۶ صفحے سے ۲۶۸ صفحے تک نقل کیا ہے اور آخر میں الفاظ غریبہ کے معنی بتلائے ہیں، اسی خطبۂ بلا الف کو علمائے اہلسنت کی ایک کثیر تعداد نے اپنی کتابوں میں وارد کیا ہے جیسا کہ ابن ابی الحدید کا بیان ہے، منجملہ ان علماء کثیرہ کے حافظ محمد بن یوسف الکنجی الشافعی نے باسناد و اسانید رجال ثقات اپنی کتاب "کفایۃ الطالب" میں وارد کیا ہے، اسی طرح علامہ کمال الدین محمد بن طلحۃ القرشی الشافعی نے بھی اپنی کتاب مطالب السئول، النوع الخامس فی الخطب" میں (صفحہ ۲۰۵) بہ تمام و کمال نقل کیا ہے، بہرحال اس خطبہ کو اجلۂ علمائے فریقین اسناد معتبرہ سے روایت کر کے اپنے مصنفات میں درج کرتے چلے آرہے ہیں، لیکن سید رضی نے نہج البلاغہ میں نہیں وارد کیا ہے اس لئے اس خطبے کی صحت و عدم صحت کا اثر نہج البلاغہ پر کیا پڑتا ہے"

۱۲۔ خلوصی صاحب فرماتے ہیں:۔

On comparing the Nahj as it stands in the commentary of Ibne Abil Hadeed with Mohommad Abdah's edition we found that the latter contained fifty extra pages.

"ابن ابی الحدید اور محمد عبدہ کی شرحوں کا جب ہم مقابلہ کرتے ہیں تو ہم کو محمد عبدہ کی شرح میں اصل متن نہج البلاغہ سے پچاس صفحوں کا اضافہ ملتا ہے"

جواب

یہ ہے وہ دلچسپ دروغ بے فروغ جو "اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز لندن یونیورسٹی کے استاد کے لئے زیبا ہے۔ حیرت ہے کہ ایک ایسے اعلیٰ درسگاہ میں غلوصی ایسا نااہل کیونکر استاد مقرر کیا جاسکتا ہے، بغیر تحقیق و تدقیق جو چاہا لکھ دیا، بیچارے غلوصی نے کب ان دونوں شرحوں کا مقابلہ کیا، یہ تو سنی سنائی باتوں پر آنکھ بند کرکے ایمان لانے والوں میں سے ہیں، اصل حقیقت یہ ہے کہ مرحوم محمد عبدہ کے بعد محمد کمال بکداش نے ان کی شرح کو بیروت میں چھپوایا جس کی تصحیح مطبع کی جانب سے "شیخ محی الدین الخیاط" نے کی، یہ شخص بھی غلوصی ہی کی ذہنیت کا آدمی تھا، "مصحح الکتاب" ہونے کی حیثیت سے تو صرف کام اتنا تھا کہ طباعت و مطبع کی غلطیوں کی اصلاح و صحت کریں، لیکن انھوں نے اپنے حدود سے تجاوز کرکے کچھ مزید حواشی بھی محمد عبدہ کے تعلیقات و تشریحات کے ساتھ حاشیۂ کتاب پر بڑھا دیا۔ چنانچہ اس ایڈیشن کے صفحہ ۱۳ پر جہاں سے جامع نہج البلاغہ سید رضی کا خطبہ شروع ہوتا ہے، حاشیہ پر یہ لکھا ہے :-

" تنبیہ " کل کلام یعقب (م) ہو من کلام مصحح طبع الکتاب الشیخ محی الدین الخیاط " اس کے بعد کل کتاب میں خیاط صاحب کے حواشی ہیں جو زیادہ تر ابن ابی الحدید کی شرح سے ماخوذ ہیں۔ صفحہ ۲۰۸ سے حضرت کا یہ خطبہ "من خطبۃ من تنزیہ اللہ ثم فی صفۃ خلق بعض الحیوانات" شروع ہوتا ہے جس کا ابتدائی جملہ یہ ہے "الحمد للہ الذی لاتدرکہ الشواھد ولا تحویہ المشاھد" اسی خطبہ کے عنوان پر ایک ستارہ کا نشان بنا کر حاشیہ پر مصحح کتاب محی الدین خیاط یہ پیوند لگاتے ہیں۔

(م) لم یذکر ابن ابی الحدید ھذہ الخطبۃ وما بعدھا الی الخطبۃ التی اولھا " روی ان صاحباً لامیر المومنین " ولذلک لاتری بعد الآن کلاماً لابن ابی الحدید الی ان تنتھی ھذہ الخطب "

ابن ابی الحدید نے اس خطبہ کو اور اس کے مابعد کے خطبوں کا اس خطبہ تک جس کی ابتدا " روی ان صاحباً لامیر المومنین " ہے، ذکر نہیں کیا ہے، اس لئے جب تک ان خطبوں کا سلسلہ رہے گا ابن ابی الحدید کا کلام حاشیہ پر نہیں درج کیا جاوے گا۔

اس سلسلہ کا آخری خطبہ ص۲۳۵ پر ختم ہوتا ہے، تو اس حساب سے گویا پچاس صفحات ہوئے، یہ تو بکداشی ایڈیشن کے صفحات ہیں، لیکن خود شیخ محمد عبدہ کے زمانہ حیات کا مطبوعہ نسخہ جو ۱۳۰۷ھ میں مطبعۃ الادبیہ بیروت سے شائع ہوا تھا اس کے صفحات ۱۹۶ سے ۲۲۱ ہیں، اور الاستاذ شیخ عبدالعزیز حسن من علماء الازہر کا ایڈیشن جو مطبع رحمانیہ مصر سے شائع ہوا، اس کے از ص۲/۳۷ تا ص۲/۹۲ یعنی ۵۳ صفحات، بہر حال بکداشی ایڈیشن کے مصحح الکتاب محی الدین خیاط نے اپنے اس عمل سے مرحوم شیخ محمد عبدہ پر یہ الزام لگایا کہ ۵۰ صفحات کا اضافہ اصل متن نہج البلاغہ میں انھوں نے کردیا کیوں کہ شرح ابن ابی الحدید میں ان خطبوں کا وجود نہیں ہے، لیکن یہ الزام بالکل صریح بہتان و کذب محض ہے، شرح محمد عبدہ کے تمام یہ خطبات جو صفحہ ۲۰۸ تا ۲۵۸ بکداشی ایڈیشن میں ہیں یا خود محمد عبدہ کے زمانہ حیات کے ایڈیشن مطبعہ ادبیہ میں از صفحہ ۱۹۶ تا ص۲۲۱ یا مطبع رحمانیہ کے ایڈیشن میں

از صفحہ ۲۷۲ تا ۴۲۴ میں ہیں وہ سب کے سب مع اصل خطب کے شرح ابن ابی الحدید متوفی ۶۵۶ھ میں پائے جاتے ہیں اور جس طرح ابن ابی الحدید نے دوسرے خطب کی شرح مبسوط کی ہے ویسی ہی ان خطبوں کی مفصل شرح کی ہے کہیں سے کوئی فرق نہیں ہے، ملاحظہ ہو شرح ابن ابی الحدید جلد سوم از صفحہ ۴۹ تا صفحہ ۲۸۲ مطبوعہ مطبع دارالکتب العربیۃ الکبریٰ مصر، اور آخری خطبہ جو بکداشی ایڈیشن کے صفحہ ۴۳۴ سے شروع ہے جس کی ابتدا "دوی ان صاحباً لامیر المومنین" سے ہے یہ ابن ابی الحدید کی شرح کی تیسری جلد میں نہیں ہے بلکہ جلد دوم میں از صفحہ ۵۴۷ تا ۵۵۶ مع شرح کے ہے، خلوصی صاحب غالباً بکداشی ایڈیشن کے مصحح کتاب کی اس تدلیس و تذویر پر ایمان لے آئے ہیں اور اپنی ذمہ داری کا بغیر لحاظ کئے ہوئے اس طرح دعویٰ کر دیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے دونوں شرحوں کا مقابلہ کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے، این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند!

الاستاذ شیخ محمد حسن نائل المرصفی نے بھی نہج البلاغہ پر اپنے تعلیقات لکھے اور محمد عبدہ کی شرح کے ساتھ دار الکتب العربیہ سے شائع کیا ہے اس ایڈیشن میں ۴۳۳ صفحہ سے لے کر ۴۹۴ صفحہ تک یہ خطبات درج ہیں، استاد نائل المرصفی نے کسی جگہ بھی یہ اشارہ نہیں کیا کہ یہ خطبات شرح ابن ابی الحدید میں نہیں ہے اس کے علاوہ محمد عبدہ کی شرح سے پہلے کی جتنی شرحیں ہیں اُن سب میں مثلاً شرح ابن میثم جو ۶۸۱ھ کی شرح ہے اس میں بھی یہ خطب موجود ہیں، یہی نہیں بلکہ محمد عبدہ کی شرح سے پہلے کے مخطوطات نہج البلاغہ بکثرت موجود ہیں اور ہندوستان و عراق و ایران، شام و مصر اور اسلامبول اور یورپ کے خزائن کتب میں پائے جاتے ہیں، ان میں سے کسی خطی نسخے میں خلوصی صاحب ملاحظہ فرمالیں، یہ خطبے تمام نسخوں میں بغیر کسی فرق کے موجود پائیں گے۔

سوال ۔ خلوصی صاحب اپنے تمام مزعومات و ہفوات کا نتیجہ یہ نکالتے ہیں۔

Nahj al blagha is the work of many centuries and hundreds of unknown anthors.

"نہج البلاغہ سیکڑوں غیر معلوم اشخاص کی تصنیف ہے جنھوں نے صدیوں میں اس کو مکمل کیا ہے"

چند ناموں کو خلوصی نے خصوصیت سے ظاہر کیا ہے کہ کچھ حصہ نہج البلاغہ کا جو شروع میں لکھا گیا وہ دونوں بھائی سید رضی و سید مرتضیٰ اور ان کے دوست ابو اسحٰق الصابی کا ہے، بعد میں اس میں صدیوں تک برابر اضافہ ہوتا رہا۔"

جواب

خلوصی صاحب کا یہ ادعا بالکل عامیانہ ہے، نہج البلاغہ کا طرز و اسلوب اور سبک و انداز نگارش شروع سے آخر تک بالکل یکساں ہے، کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے، نہ کہ سیکڑوں مختلف العہد لوگوں کا، سید رضی، سید مرتضیٰ، ابو اسحٰق الصابی کا انداز تحریر ایک ناقد بصیر پر پوشیدہ نہیں ہے، ان کے مصنفات آج دنیا میں موجود ہیں نہج البلاغہ کا طرز و انداز ان سب سے جداگانہ ہے، ابو اسحٰق الصابی کے رسائل سید رضی و سید مرتضیٰ کے مصنفات کو سامنے

رکھ کر نہج البلاغہ سے تقابل کرو تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا "این الثریا عن الثری" نہج البلاغہ میں سید رضی کا مقدمہ اور اس کے علاوہ کہیں کہیں پر سید رضی کی تشریحات خود ان کی عبارت میں موجود ہے، دونوں کلام کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کلام الامیر امیر الکلام"۔

الشیخ ابو محمد عبداللہ بن احمد المعروف بابن خشاب مشہور عالم اہل سنت کہتے ہیں۔

"سید رضی ہوں یا سید رضی کے علاوہ کوئی اور کس کی مجال و طاقت ہے کہ وہ یہ طرز رشیق اسلوب انیق یہ مضمون دقیق یہ کلام فصیح یہ عبارت بلیغ لکھ سکے، ہم نے طرز و طریقہ کلام سید رضی دیکھا ہے ان کے کلام کو اس کلام سے کیا مناسبت ہے"

(ابن ابی الحدید جلد اول ص۶۹ طبع مصر)

خلوصی اور ان کے ہمنوا کم از کم یہ تو تسلیم ہی کرتے ہیں کہ نہج البلاغہ کا بعض حصہ بیشک امیر المومنین ہی کا ہے یہی قرار کل نہج البلاغہ کے کلام امیر المومنین ہونے کا زبردست ثبوت ہے کیونکہ دونوں کلام یکساں ہونے کے لحاظ سے ایک ہی ہیں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔ علامہ ابن ابی الحدید مدائنی لکھتے ہیں:-

لان کثیرا من ارباب الھوی یقولون ان کثیرا من نھج البلاغہ کلام محدث صنعہ قوم من فصحاء الشیعۃ و ربما عزوا بعضہ الی الرضی ابی الحسن و غیرہ و ھولاء قوم اعمت العصبیۃ اعینھم فضلوا عن النھج الواضح و رکبوا بنیات الطریق ضلالاً و قلۃ معرفۃ باسالیب الکلام و انا اوضح لک بکلام مختصر ما فی ھذا الخاطر من الغلط فاقول لایخلو اما ان یکون کل نھج البلاغۃ مصنوعا منحولاً او بعضہ والاول باطل بالضرورۃ لانا نعلم بالتواتر صحۃ اسناد بعضہ الی امیر المومنین علیہ السلام و قد نقل المحدثون کلھم او جلھم و المؤرخون کثیرا منہ ولیس من الشیعۃ لینسبوا الی غرض فی ذلک والثانی یدل علی ما قلناہ لان من قد انس بالکلام والخطابۃ و شدا طرفا من علم البیان و صار لہ ذوق فی ھذا الباب لابد ان یفرق بین کلام الرکیک والفصیح و بین الفصیح والافصح و بین الاصیل

اکثر گرفتاران خواہش نفس یہ کہتے ہیں کہ نہج البلاغہ کا اکثر کلام مصنوعی ہے جسے ایک قوم نے فصحائے شیعہ سے وضع کیا ہے اور کبھی اس کو منسوب کرتے ہیں ابوالحسن سید رضی وغیرہ کی طرف حالانکہ یہ گمان کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کی آنکھوں کو تعصب نے اندھا کر دیا ہے جس سے وہ راہ واضح و روشن سے گمراہ ہوئے اور اپنی گمراہی کی وجہ سے بھٹکانے والی راہوں میں چلے اور یہ امر اُن سے ظاہر ہوا بوجہ اس قلت معرفت کے جو ان کو اسلوب کلام سے ہے اور میں ایک مختصر تقریر سے اس وہم کے اغلاط کو دور کیے دیتا ہوں، میں کہتا ہوں کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو کل کلام نہج البلاغہ وضعی و مصنوعی ہے یا اُس کا بعض حصہ مصنوعی ہے، پہلا دعویٰ تو بالبداہت باطل ہے کیونکہ بعض خطبوں کے اسناد حضرت کی طرف ہم کو تواتر معلوم ہیں کیونکہ کل محدثین نے یا اکثر محدثین اور سب مورخین نے بہت سے خطبے کو حضرت سے روایت کیا ہے وہ محدثین و مورخین یا افرادِ شیعہ تو تھے نہیں جو کسی غرض سے اُس کی نسبت حضرت کی طرف دیتے ہوئے دوسرا دعویٰ کہ بعض خطبے وضعی ہوں پس خود یہی دعویٰ ہمارے دعوے صحت کلام نہج البلاغہ کی دلیل ہے کیونکہ جس کو کچھ بھی اُنس ہے کلام اور فن خطابت سے اور کچھ بھی علم بیان سے اس کو

والمولد واذا وقف على كراس واحد يتضمن كلاما لجماعة من الخطباء أو لاثنين منهم فقط فلابد ان يفرق بين الكلامين، او قصيدة واحدة لغيره لعرفنا بالذوق مباينتها لشعر أبي تمام ونفسه وطريقته ومذهبه في القريض الاترى ان العلماء بهذا الشان حذفوا من شعره قصائد كثيرة منحولة اليه لمباينتها لمذهبه في الشعر وكذلك حذفوا من شعر ابي نواس شيئاً كثيراً لما ظهر لهم انه ليس من الفاظه ولا من شعره وكذلك غيرهما من الشعراء ولم يعتمدوا في ذلك الا على الذوق خاصة وانت اذا تأملت نهج البلاغة وجدته كله ماء واحدا ونفسا واحدا واسلوبا واحدا كالجسم البسيط الذي ليس بعض من ابعاضه مخالفا لباقي الابعاض في الماهية وكالقرآن العزيز أوله كاوسطه واوسطه كآخره وكل سورة منه وكل آية مماثلة في المأخذ والمذهب والفن والطريق والنظم لباقي الآيات والسور ولو كان بعض نهج البلاغة منحولاً وبعضه صحيحا لم يكن ذلك فقد ظهر لك بهذا البرهان الواضح ضلال من زعم ان هذا الكتاب او بعضه منحول الى امير المومنين عليه السلام واعلم ان قائل هذا القول لمطرق على نفسه ما لا قبل له به لانا متى فتحنا هذا الباب وسلطنا الشكوك على انفسنا في هذا النحو لم نثق بصحة كلام منقول عن رسول الله صلى الله عليه و آله ابدا ولساغ لطاعن ان يطعن ويقول هذا الخبر منحول و هذا الكلام مصنوع وكذلك ما نقل عن ابي بكر

حصّہ ملا ہے اور اس کا ذوق رکھتا ہے ضرور وہ فرق کرلے گا درمیان کلام رکیک اور فصیح وافصح کے اور درمیان کلام اصل و مولد کے وہ اگر ایک کراس (جزو) بھی ایسا دیکھے جس میں مختلف بلیغوں کا کلام ہو خواہ وہ دو ہوں یا زیادہ تو دونوں کے کلاموں میں فرق کرلے گا اور دونوں کے طریقوں میں تمیز کرلے گا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر ہم کو شعر کی معرفت حاصل ہے اور ہم اس کو پرکھ سکتے ہیں تو اگر کوئی شخص دیوان ابو تمام میں دو ایک قصیدے غیر کے شامل کردے تو ہم اپنے ذوق کلام سے پہچان جاتے ہیں کہ یہ کلام اجنبی ہے جو اس کے انداز و طریقہ سے مماثلت نہیں رکھتا، کیا تم کو نہیں معلوم ہو کہ اس فن کے علمار نے ابونواس کے دیوان سے بہت سے شعروں کو نکال دیا ہے کیونکہ اُن کے الفاظ سے سمجھ گئے تھے کہ نہ یہ کلام ابونواس کا ہے نہ اس کے اشعار، یہی حال ہو اور شعراء کا اور علمائے شعر نے صرف اپنے ذوق سلیم کی بنا پر یہ کارروائی کی اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہ تھا پس اگر تو تامل کرے نہج البلاغہ میں تو پائے گا اُسے ایک طرح کا پانی اور ایک نفس اور ایک اسلوب مشابہ اس جسم بسیط کے جس کے بعض اجزاء مخالف باقی اجزا کے نہیں ہیں بلکہ تو نہج البلاغہ کو قرآن مجید کے مشابہ پائے گا کہ اول و اوسط و آخر اس کا ایک ہے بلکہ ہر سورہ اور آیہ ماخذ میں، مذہب میں، فن میں، طریق میں، اور نظم میں مماثل ہو باقی آیات و سور کے اگر نہج البلاغہ میں کچھ حصّہ وضعی ہوتا اور کچھ اصلی تو ہرگز یہ انداز نہ ہوتا، پس اس برہان قوی و دلیل محکم سے ظاہر ہوئی ضلالت اُن لوگوں کی جو یہ گمان کرتے ہیں کہ نہج البلاغہ یا بعض اس کا وضعی ہے جو جناب امیرالمومنینؑ کی طرف منسوب کیا گیا، یہ بھی سمجھ رکھو کہ جو لوگ اس قسم کے شکوک و اوہام پیدا کرتے ہیں وہ خود اپنے لیے ایسا اشکال عظیم وارد کرتے ہیں جس کا کسی طرح دفعیہ نہیں کرسکتے کیونکہ اگر ایراد و اعتراض کا باب اگر یوں ہی مفتوح ہو اور اسی طرح کے شکوک کو ہم اپنے

وغیرہ من الکلام و الخطب و المواعظ و الادب و غیر ذلک وکل امرجعله هذا الطاعن مستند اله فیما یرویه عن النبی صلی اللّٰه علیه و اله و الائمة الراشدین و الصحابة و التابعین و الشعراء و المترسلین و الخطباء فلناصری امیر المؤمنین علیه السلام ان یستعد الی مثله فیما یروونه عنه من نهج البلاغة وغیرہ. وهذا واضح
(ابن ابی الحدید جلد دوم ص ۵۴۶ طبع مصر)

دلوں میں جگہ دیں تو پھر ان کلمات و روایات و احادیث پر بھی وثوق نہیں رہ سکتا جو جناب رسالتمآب سے منقول ہیں کیونکہ اس پر بھی یہی اعتراض ہو سکتا ہو اور کہہ سکتے ہیں کہ یہ کلام وضعی ہے یا یہ حدیث جعلی ہو اسی طرح جو کچھ ابوبکر و عمر سے منقول ہے کلام یا خطبہ ہے اس کو بھی اسی طرح جعلی وضعی کہا جائے گا غرض کہ جس قسم کا اعتراض یہ طاعن نہج البلاغہ پر کرتا ہے اور جن باتوں سے استناد کر سکتا ہے انہیں باتوں سے اس کے مخالف جو ناصر امیر المؤمنین علیہ السلام ہیں وہ بھی استناد کر سکتے ہیں نہج البلاغہ وغیرہ کے باب میں و ہذا واضح" (ختم ہوا کلام ابن الحدید کا)

سید رضی کی ذات اس سے بلند ہو کہ اُن کی طرف وضع کی نسبت دی جاوے

ایسا کلام جو مختلف اہل قلم کا نتیجہ ہو اس میں کلام کی یکسانیت کیونکر قائم رہ سکتی ہے علاوہ ازیں جامع نہج البلاغہ سید رضی کی شخصیت اس سے بلند و برتر ہے کہ وہ اپنے یا کسی غیر کے کلام کو امیر المؤمنین کی طرف منسوب کر دیں۔ سید رضی کے تدین و عفت نفس کے یہ بالکل منافی ہے کہ وہ حضرت کی طرف کلام غیر کو منسوب کریں یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف وہ لوگ بھی کرتے ہیں جو نہج البلاغہ میں کلام غیر کو بھی شامل سمجھتے ہیں۔

احمد زکی صفوت لکھتے ہیں :-

اما انه انتحل بعضه فذلک ما لا نری السبیل علی اتهامه به سهلا (ترجمہ علی ابن ابیطالب صفحہ ۱۶ طبع مصر)

لیکن یہ کہ سید رضی نے نہج کے بعض خطب کو وضع کیا تو یہ اتہام سید رضی پر عائد کرنا درست نہیں ہے۔

کتاب "اطوار الثقافة و الفکر فی ظلال العروبة و الاسلام" کے مصری مصنفین علام بھی یہی لکھتے ہیں :-

" بیدا اننا لفهم فی ان المصنوع منه من عمل الرضی وانه نحله الامام فانا نکبر الرضی ان یقدم علی هذا العمل الشنیع فیفتری علی جده الاکاذیب مع ماله فی نفسه من المکانة السنیة فیاتی بالعقوق فی صورة البر"
(اطوار الثقافہ جلد دوم ص ۶۵ طبع مصر)

ہم اس کے مخالف ہیں کہ کلام نہج البلاغہ سید رضی کی جعلی کارستانیاں ہیں وہ حضرت علی کی ذریت و اولاد ہیں ہم سید رضی کو اس عمل شنیع کے ارتکاب سے برتر و منزہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی عظمت و مرتبت شخصیت کے باوجود غلط اور جھوٹے کلام کی نسبت اپنے دادا حضرت علی کی طرف دیں اور ایسے کام کو عمل میں لائیں جو بظاہر نیک و اچھا معلوم ہو لیکن نتیجہ میں گناہ و نافرمانی کا سبب بن جائے۔

سید رضی اگر نہج البلاغہ کو غلط منسوب کرتے تو حکومت کی طرف سے مستوجب عقاب ٹھہرتے

سید مرتضیٰ و سید رضی یا دوسرے ادبائے شیعہ کو متہم کرنے والے تاریخ کے اُن حقائق سے چشم پوشی کر لیتے ہیں کہ ایسے زمانہ میں جب کہ شیعیت کا اظہار جرم ہو وہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی طرف جعلی و وضعی کلام کو کیونکر منسوب کر سکتے تھے اس میں تو ان کی جانوں کا خطرہ تھا، تدوین نہج البلاغہ کے بعد یہ کتاب پوشیدہ نہیں رہی بلکہ عالم اسلام میں مشہور ہو گئی، اگر اس میں کلام منحول (جعلی و وضعی) موجود ہوتا تو دار السلام بغداد کے علماء و حفاظ حدیث و ائمہ ادب جو سب کے سب سنی المذہب تھے سید رضی کو مطعون و مردود قرار دیدیتے اور اُن کو مجرم قرار دے کر بارگاہِ خلافت سے مستوجب عقاب ٹھہراتے، اسی عہد میں شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن حسن الطوسی اپنی کتاب المصباح میں عمل عاشور لکھنے پر دربار خلافت میں باز پرس کے لیے طلب ہو جاتے ہیں اور صفائی پیش کرنے کے بعد بری ہوتے ہیں (روضات الجنات باب المیم ص۵۸۳ طبع ایران لولوۃ البحرین مخطوط)

لیکن سید سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کی جاتی حالانکہ معمولی باتوں پر اگر مشتبہ ہو جاتے ہیں تو حکومت کا عتاب نازل ہو جاتا ہے، چنانچہ سید رضی کی طرف منسوب شدہ اشعار جس میں فاطمیین مصر کی مدح ہے جب خلیفۂ وقت قادر باللہ العباسی تک پہونچتے ہیں تو خلیفہ سید رضی پر انتہائی غضب ناک ہو جاتا ہے اگرچہ سید رضی بحلف انکار کرتے رہے کہ یہ اُن کے اشعار نہیں ہیں لیکن خلیفہ کے غیظ و غضب میں اس وقت تک کمی نہیں ہوئی جب تک کہ سید رضی کے والد ابو احمد سید طاہر الموسوی النقیب اور اُن کے بھائی سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اس محضر پر دستخط نہیں کر لیتے جو فاطمیین مصر کی قدح نسب کے متعلق لکھا گیا تھا اور خود سید رضی کو یہ سزا ملی کہ اُن کو نقابت سے برطرف کر دیا گیا (ابن ابی الحدید جلد اول ص۱۲ طبع مصر، الشریف الرضی بقلم محمد سید الکیلانی ص۱۱۸-۱۱۹ طبع مصر)

چند ایسے مشتبہ اشعار پر جو اُن کی طرف منسوب کر دیے گئے تھے اس پر تو یہ لے دے ہوئی اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کہیں "نہج البلاغہ" میں جعلی و وضعی کلام ہوتا جس کو علمائے اہلسنت نہ قبول کرتے ہوتے تو اس کے نتیجے میں سید رضی کو کون سا روز بد دیکھنا پڑتا، نہج البلاغہ کی اشاعت کے بعد نہ حکومت نے کوئی باز پرس کی اور نہ علماء نے رد و قدح کیا بلکہ مشہور متکلم اہلسنت قاضی القضات عبد الجبار صاحب المغنی اپنی کتاب المغنی میں (جو شیعوں کی تردید میں ہے) مشہور خطبۂ شقشقیہ کو قبول کر کے اس کے معانی میں تاویل کرتے ہیں جس کا جواب سید مرتضیٰ نے اپنی کتاب الشافی میں دیا ہے، صرف یہی نہیں کہ خلفاء و امراء کے خزائن کتب میں نہج البلاغہ کو جگہ ملی بلکہ اجلۂ علمائے اہلسنت نے اس کی شرحیں بھی تحریر کیں اور مشہور خطاطین اہلسنت نے اس کی کتابت کی، چنانچہ خلیفہ مستعصم باللہ کا مشہور و معروف کاتب یاقوت بن عبد اللہ المستعصمی النوری نے بھی نہج البلاغہ کو لکھ کر اپنے کمال فن خطاطی کا ثبوت دیا چنانچہ آج تک یاقوت مستعصمی کا لکھا ہوا نسخہ نہج البلاغہ شہر موصل کے مدرسۃ الحسینیہ کے مخطوطات میں محفوظ ہے ملاحظہ ہو کتاب مخطوطات الموصل تالیف دکتور داؤد الچلبی الموصلی صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹ طبع مطبعۃ الفرات بغداد سنہ ۱۳۴۶ھ مطابق سنہ ۱۹۲۷ء۔

ابو اسحٰق الصابی و نہج البلاغہ خلوصی صاحب کس سادگی سے فرماتے ہیں کہ ابو اسحٰق الصابی بھی واضعین نہج البلاغہ میں سے ہے۔ آخر یہ تو فرمائیے کہ ایک شدید العصبیہ غیر مسلم کو کیا ضرورت تھی کہ وہ اپنا کلام مسلمانوں کے پیشوا حضرت علیؑ کی طرف منسوب کرے وہ بھی ایسا کلام جو تالی قرآن ہو' علامہ احمد حسن الزیات "تاریخ الادب العربی" میں لکھتے ہیں :-

النھج البلاغة ھو فی المحل الثانی من کتاب اللہ بلاغة و بیانًا (ص ۲۲۹ طبع مصر)

نہج البلاغہ بلاغت و بیان کے اعتبار سے کتاب خدا کے بعد دوسرے مرتبہ پر ہے۔

ایسے بلند مرتبہ کلام کو وہ اپنا کر کے ظاہر کرتا یا حضرت علیؑ کی طرف منسوب کر دیتا' ابو اسحٰق ابراہیم بن ہلال بن زہرون الحرانی الصابی اپنے مذہب صابی میں بہت سخت تھا' مورخ ابن خلکان لکھتا ہے "کان متشدداً فی دینہ" وہ اپنے مذہب میں بہت کٹر تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ عز الدولہ نے اس کے سامنے اس شرط پر عہدۂ وزارت کو پیش کیا کہ یہ مسلمان ہو جاوے لیکن اس نے انکار کر دیا۔

(وفیات الاعیان ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۲ طبع مصر معجم الادباء جلد دوم ص۲۱ طبع مصر' الاعلام لخیر الدین الزرکلی جلد اول ص۲۶ طبع مصر)

علامہ صفدی و یاقوت الحموی لکھتے ہیں کہ :-

" ایک مرتبہ بادشاہ نے ہزار اشرفیاں اس کو اس شرط پر دیں کہ وہ باقلا کھائے لیکن اس نے اپنے مذہب کے احترام میں کہ اس نے باقلا کھانے کی اجازت نہیں دی ہے' ہزار اشرفیوں کو رد کر دیا اور نہیں کھایا (معجم الادباء جلد دوم حاشیہ صفحہ ۱۲ طبع مصر)

ایسا کٹر قسم کا مخالف اسلام امیر المومنین کے مرتبے کو بلند کرنے کے لیے جعلی خطبے وضع کرے گا جب کہ اس کے تعلقات سنی المذہب خلفاء بغداد سے بھی بہت گہرے تھے' علاوہ ازیں ابو اسحٰق الصابی کے رسائل مطبوعہ ہمارے سامنے موجود ہیں جس کو امیر شکیب ارسلان نے محشی کیا ہے' کجا نہج البلاغہ کی جلالت شان اور کجا صابی کا کلام پست کیا نسبت ہے چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں :-

و اعلم انی اضرب لك مثلاً تتخذہ دستوراً فی کلام امیر المومنین علیہ السلام و کلام الکتاب و الخطباء بعدہ کابن نباتة و الصابی و غیرھما انظر نسبة شعر ابی تمام و البحتری و ابی نواس و مسلم الی شعر امرء القیس و النابغة و زھیر و الاعشی ھل اذا تاملت

اب میں امیر المومنین کے کلام پر نظر کرنے والوں کے سامنے ایک ایسا اصول و دستور بیان کرتا ہوں جس سے حضرت کے کلام اور دوسرے انشاء پرداز ادباء و خطباء مثل ابن نباتہ و صابی وغیرہما کے انداز و طرز نگارش کا صحیح اندازہ ہو سکے' آپ ابو تمام' بحتری' ابو نواس وغیرہم شعرائے اسلام کے کلام کا جائزہ لیں اور اس کا مقابلہ شعرائے جاہلیت امرء القیس

اشعار هؤلاء واشعار هؤلاء تجد نفسك حاكمة بتساوي القبيلين او بتفضيل ابي نواس واصحابه عليهم ما اظن ان ذلك مما تقوله انت ولا قاله غيرك ولا يقوله الا من لا يعرف علم البيان وماهية الفصاحة وكنه البلاغة وفضيلة المطبوع على المصنوع ومزية المتقدم على المتاخر فاذا اقررت من نفسك بالفرق والفضل وعرفت فضل الفاضل ونقص الناقص فاعلم ان نسبة كلام امير المومنين عليه السلام الى هؤلاء هذه النسبة بل اظهر لانك تجد في شعر امرئ القيس واصحابه من التعجرف والكلام الوحشي واللفظ الغريب المستنكر شيئاً كثيرا ولا تجد من ذلك في كلام امير المومنين عليه السلام شيئاً واكثر فساد الكلام ونزوله انما هو باستعمال ذلك فان شئت ان تزداد استبصارا فانظر القرآن العزيز واعلم ان الناس قد اتفقوا على انه في اعلى طبقات الفصاحة وتأمله تاملاً شافياً وانظر الى ما خص به من مزية الفصاحة والبعد عن التقعر والتعقيد والكلام الوحشي الغريب انظر كلام امير المومنين عليه السلام فانك تجده مشتقاً من الفاظه ومقتضباً من معانيه ومذاهبه ومحذواً به حذوه ومسلوكاً به منهاجه فهو وان لم يكن نظيرا ولا ندا يصلح ان

نابغہ، زہیر، اعشی کے کلام سے کریں جب آپ ان دونوں گروہ کے کلام کا بغور مطالعہ کریں تو کیا آپ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ ان دونوں کے کلام میں یکسانیت ہے یا یہ فیصلہ کریں گے کہ ابونواس اور ان کے ساتھیوں کو امرئ القیس وغیرہم پر فضیلت ہے مجھے تو اس کا گمان ہی نہیں ہوتا کہ آپ یا آپ کے علاوہ کوئی اور ایسا غلط فیصلہ کرے ایسی ناسمجھی تو وہی کرے گا کہ جس کو علم بیان ماہیت فصاحت وحقیقت بلاغت سے کوئی لگاؤ نہ ہو جو آمد کو آورد پر، فطری سلیقہ اور طبیعت کی روانی کو بنوٹ اور تکلف پر اور متاخر کو باشرف متقدم پر ترجیح دینے والا ہو، در اصل صحیح ذوق ادب اور بحث ونظر والا ایسا نہیں کرے گا۔ وہ تو اسی کو فضیلت دے گا جس میں شرف ہے جو بلند ہو اس کو بلند سمجھے گا اور جو پست ہے اس کو پست سمجھے گا، اس لیے طبقہ اول امرئ القیس وغیرہم کو طبقہ دوم ابوتمام وغیرہم پر ضرور فضیلت دے گا۔

اب اسی معیار پر امیر المومنین کے کلام پر نظر ڈالو اور اس کا مقابلہ امرئ القیس وغیرہم کے سے طبقہ اول والوں سے کرو تم دیکھو گے کہ امرئ القیس اور ان کے اصحاب کے کلام میں غریب الفاظ، وحشی کلام شکستہ بندشیں موجود ہیں اور علی کا کلام ان عیوب سے پاک وصاف ہے اگر تم چاہتے ہو کہ میرے مطلب کو اور صاف روشن طریقہ سے سمجھو تو قرآن پر نظر ڈالو۔

تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ منازل پر ہے اور ہر قسم کے عیوب کلام سے وہ پاک وصاف ہے اب قرآن کے بعد علی کے کلام پر نظر ڈالو تم کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ حضرت کے الفاظ قرآن کے الفاظ سے مشتق ہیں اور اس کے معانی ومطالب قرآن ہی سے ماخوذ ہیں اور اس کا طرز واسلوب انداز بیان قرآنی

یقال انه لیس بعده کلام افصح منه ولا اجزل ولا اعلی ولا افخم ولا انبل الا ان یکون کلام ابن عمه علیه السلام وھذا امر لا یعلمه الا من ثبتت له قدم راسخة فی علم ھذہ الصناعة ولیس کل الناس یصلح لانتقاد الجوھر بل ولا لانتقاد الذھب ولکل صناعة اھل ولکل عمل رجال"

(ابن ابی الحدید جلد اول صـ۲۴ طبع مصر)

کے لگ بھگ ہے جس کی کوئی مثال نہیں ملتی، درحقیقت یہ کہنا بالکل درست ہے کہ قرآن کے بعد کوئی کلام اس سے زیادہ فصیح نہیں ہے بلکہ کلام علیؑ ہی سب سے بلند وارفع ہے سوائے ابن عم رسول حضرت علی کے کلام کے اور کوئی کلام اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، دراصل اس نتیجہ تک وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جو ادب وفصاحت و بلاغت میں کمال رکھتے ہیں، بھلا ہر آدمی میں یہ سلیقہ کہاں کہ جواہرات اور کنکر میں تمیز کر سکے یا سونے کو پرکھ سکے، ہر امر کے سمجھنے کے لئے سلیقہ مند کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر کام کیلئے کچھ لوگ ہوتے ہیں

استاد العلامہ محمد محی الدین عبدالحمید ازہری اور استاد فواد افرام بیروتی مشککین کے شبہات کو رد کرتے ہیں

چنانچہ وہ لوگ جو ادب عربی اور فصاحت و بلاغت میں کمال رکھتے ہیں عام اس سے کہ وہ کسی مذہب وملت کے کیوں نہ ہوں اُن کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ نہج البلاغہ کے کلام امیر المومنین ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، آخر کلام میں دو شواہد کو پیش کر کے اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں، جامع ازہر کے مشہور ادیب علامہ محمد محی الدین عبدالحمید جو ازہر یونیورسٹی مصر میں عربی ادبیات کے استاد ہیں اور جنھوں نے نہج البلاغہ کی مختصر شرح کی ہے وہ اپنی شرح کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :۔

نعم لیس من شک عند احد من ذلک ولیس من شک عند احد فی ان ما تضمنه الکتاب جار علی النهج المعروف عن امیر المومنین، موافق للاسلوب الذی یحفظه الادباء والعلماء من کلامه الموثوق بنسبته الیه ولکن بعض المعروفین من ادباء عصرنا یمیلون الی ان بعض ما فی الکتاب من خطب ورسائل لم یصدر عن غیر الشریف الرضی جامع الکتاب ھو منشئه وھو مدعی نسبته الی الامام۔

ہاں نہج البلاغہ کے کلام امیر المومنین ہونے میں کسی ایک کو بھی شک نہیں، اور نہ کوئی اس میں شک ہے کہ جو کچھ اس میں درج ہے وہ اُسی طریقہ پر ہے جو امیر المومنین کا عام طور سے معلوم ہے اور اس انداز بیان و اسلوب نگارش کے موافق ہے جو ادباء و علماء نے محفوظ کیا ہے حضرت کے اس کلام سے جس کی نسبت آپ کی طرف قابل وثوق طریقہ سے ثابت ہے لیکن ہمارے زمانہ کے بعض مشہور ادباء کا میلان اس خیال کی طرف ہے کہ بعض خطبے اور خطوط جو اس کتاب میں درج ہیں وہ جامع نہج البلاغہ سید رضی ہی کی تالیف ہیں اور انھیں کے انشاء کیے ہوئے ہیں اور خود انھیں نے اس کی نسبت کا دعویٰ امام کی طرف کیا ہے؟"

اس جماعت کے خیالات درج کرتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں :۔

وأھم ما یجده باحثو الاداب العربیة فی ھذا

سب سے بڑے اور اہم اسباب جو اس کتاب کے کلام امیر المومنین ہونے

العصر من اسباب يدعمون بها ان الكتاب مرضع جامعه وتاليفه ذلك الذى نوجزه لك فى الاسباب الاربعة الاتية۔

کے خلاف موجودہ زمانہ کے عربی ادبیات کے "اسکالر" پیش کرتے ہیں۔

وہ صرف چار ہیں جنھیں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) یہ کہ اس کتاب میں اصحاب رسول اللہ کی نسبت ایسے تعریضات ہیں جن کا کسی طرح حضرت امیر المومنین سے صادر ہونا نہیں تسلیم کیا جا سکتا، جیسا کہ کتاب کے مطالعہ کے بعد تم کو معلوم ہوگا کہ اس میں معاویہ، طلحہ، زبیر، عمرو بن عاص اور اُن کے متبعین کے بارے میں سب و شتم تک موجود ہے۔

(۲) اس میں سجع اور عبارت میں صنعت آرائی و لفظی آرائش اس حد تک ہے جو حضرت علیؑ کے زمانہ میں ناپید تھی، جو عصر جاہلی اور صدر اسلام کے بہت بعد عباسی عہد کے خصوصیات ادبا میں سے ہے جن کے رنگ ڈھنگ پر سید رضی نے اس کتاب کو تالیف کیا۔

(۳) اس میں تشبیہات و استعارات اور واقعات و اوصاف کی صورت کشی اتنی مکمل ہے جس کا صدر اول اسلام میں بالکل پتہ نہ تھا جیسا کہ خفاش، طاؤس، نمل، جرادہ کے اوصاف کے بیان کرنے میں دقت نظر سے کام لیا گیا ہے نیز حکمت اور فلسفہ کی اصطلاحی لفظیں جیسے "این" و "کیف" وغیر ذلک، اور مسائل کے بیان کرنے میں طریقہ عدد و حساب کا برتنا جیسے حضرت کا ارشاد کہ "استغفار چھ معنوں میں ہے" "ایمان چار ستون پر قائم ہے صبر، یقین، عدل، جہاد اور صبر کی چار فروع ہیں" یہ تمام باتیں اُس زمانہ میں رائج نہ تھیں۔

(۴) اس کتاب کی اکثر عبارتوں سے علم غیب کے ادعا کا پتہ چلتا ہے جو حضرت علیؑ ایسے بزرگ سے جس نے نور نبوت کو دیکھا اور عہد رسالت کو برتا ہو اس کی شان سے بعید ہے۔ یہ ہیں وہ شبہات جن کو علامہ محمد محی الدین عبدالحمید نے نقل کرکے ہر ایک کا جواب دیا ہے، علامہ موصوف مندرجہ بالا شبہات کو رد فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

ولسنا۔علم الله۔ ممن يرى فى هذه الاسباب مجتمعة اومنفردة دليلا أو شبه دليل على ما ذهب اليه انصار هذه الفكرة وقد تعالى اذا نحن اعتبرناها شبها تعرض للبحث و تيكلف الباحث ردها، ولكنا، مع هذا لانغفل ان نقول كلمة موجزة فى شان كل سبب من هذه الاسباب حتى يتيسر لنا الوقت الذى نظهر فيه بحثا متشعب المناحى فى هذه المسألة انشاء الله،

خدا گواہ ہے کہ ہمیں ان اسباب و شبہات میں مجموعی طور پر یا ایک ایک میں انفرادی حیثیت سے کوئی حقیقی دلیل یا شبہ دلیل بھی اس دعوے کے ثبوت میں نظر نہیں آتی جیسے ان لوگوں نے ثابت کرنا چاہا ہے بلکہ یہ بھی زیادتی ہوگی کہ ہم انھیں ایسے شبہات کا درجہ عطا کریں جو بحث و تحقیق میں سد راہ ہوتے ہیں اور جن کے جواب کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ان شبہات کے جواب دینے میں بخل نہ کروں گا اس محل پر ہر شبہہ کا مختصر جواب دوں گا اور انشاء اللہ اگر وقت مل گیا تو مفصل جواب شرح و بسط سے لکھوں گا۔

اما عن السبب الاول فقد يعلم كل من شدا شيئاً من التاريخ والادب ان الامام عليا رضي الله عنه أصيب بموت النبي صلى الله عليه وسلم وهو مربيه وابن عمه وابو زوجته وهو في الثلاثين من عمره او يزيد قليلا فهو شاب له حدة الشباب وتوثبه ونشاطه وطموحه وقد كان له مع ذلك من حصافة الرأي وسعة العلم ونفاذ البصيرة وسائر وسائل الاجتهاد مثل ما كان لشيوخ الصحابة واكابرهم وهو ايضاً مدل بمواقفه الكثيرة في الزياد عن حوض الدين والدفاع عن حوزته مدل بتضحياته العظمى في غير من ولا استكثار لها فهو اذن محزون كسير القلب راغب في الترفيه عن نفسه محب للاعتراف بمواقفه المعروفة ولم يكن يبلغ به طموحه الى الانتقاض على جماعة المسلمين بعد الذي يبذل في تأليفها ولم شعثها ولكنه قد كان يكفيه ان يتخذه مشيخة المسلمين مشيراً ليشاركهم في الرأي ويمنحهم النصح والظاهر ان فتنة الخلافة التي ابتلى بها المسلمون والرسول مسجى على سريره كانت تستوجب هذه السرعة التي خاض غمارها رجلا الاسلام وشيخاه ابوبكر الصديق وعمر الفاروق رضي الله عنهما والامام علي حينئذ لك متشغول بتعزية زوجه فاطمة عما اصابها فحدث من سوء التفاهم ما لابد عنه في مثل هذا الموقف... وصبر علي رضي الله عنه

پہلے شبہہ کا جواب

شبہہ اول کے متعلق عرض ہے کہ تاریخ کا ہر طالب علم اس بات سے واقف ہے کہ حضرت علیؑ کو اپنے مربی و سرپرست چچازاد بھائی اور خسر حضرت رسول کی موت کا صدمہ اٹھانا پڑا تو اس وقت عمر تیس برس یا اُس سے کچھ زائد تھی وہ جوانی کا زمانہ تھا اور جوانی کی اُمنگیں معلوم ہیں اس کے ساتھ آپ میں اصابت رائے تبحر علمی باریک نظری اور حسن عمل کے تمام وہ خصوصیات موجود تھے جو دوسرے سن رسیدہ اور بزرگ صحابہ میں سمجھے جاتے تھے اور پھر نصرت دین میں آپ کی عظیم الشان پر خلوص قربانیاں اور روشن کارنامے جن کو آپ نے رسالتمآبؐ کی زندگی میں انجام دیے تھے ان پر آپ کو بھروسہ تھا کہ ان کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاوے گا لیکن واقعات خلاف امید ظاہر ہوئے آپ غمگین ومحزون اور شکستہ خاطر تھے۔

کم از کم یہی ہوتا کہ مشائخ مسلمین آپ کو شریک مشورہ ہی کر لیتے، بظاہر فتنہ خلافت جس میں مسلمان مبتلا ہوئے اس حالت میں رونما ہوا کہ رسول کا جنازہ پڑا ہوا تھا اور علیؑ دختر رسول کی تعزیت میں مشغول تھے موقع سے فائدہ اٹھا کر جلدی سے ابوبکر صدیق وعمر فاروق... نے اس کو اپنے موافق طے کر لیا ان حالات میں باہمی رنجش کا پیدا ہوجانا قدرتی حیثیت سے ایک ضروری امر ہے، لیکن حضرت علیؑ نے اُن سب حالات پر صبر فرمایا یہاں تک کہ گردش زمانہ نے خلافت کو آپ ہی کے سپرد کر دیا اُس وقت آپ کے سامنے کوئی ایسا موجود نہ تھا کہ آپ اس کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے لیکن معاویہ سے رہا نہ گیا انھوں نے کھلم کھلا آپ سے مقابلہ کیا اور جنگ کی، کبھی تو باہمی کلام سے

حتی وادت الایام دورتها وافضت الخلافة الیه وحینئذ لم یبعد امامه من یصح ان یؤثره علی نفسه ووقف معاویة رضی الله عنه من الامام موقفه المشهور فکانت بینهما مناضلات بالکلام مرة وبالحسام مرة اخری وان السبب الذی یسیغ لادبائنا ان یعترفوا بقتالهم وصراعهم وتجالدهم فی مواقف القتال هو بعینه السبب الذی تستسیغ من اجله ان یکتب فیهم داعیا الی التسلیم له محتجا بسابقته ورسوخ قدمه ولقد تکلم فی هذا الموضوع مرة فقال احد اخواننا، انا لا افهم معنی لانکار بعض الناس ان یقول علی فی معاویة وعمرو وهم یؤمنون بانه حاربهما ودعاهما الی مبارزته!!! ومن اجل ذلک کان تعریضه بالموقف الاول ممزوجا بالرفق واللین والهوادة وکان تعریضه بالموقف الثانی مشتدا فیه اعنف شدة ۔

ایک دوسرے پر حملہ کیا اور کبھی تلوار سے ایک دوسرے کا خون بہایا، ہمارے ادبا جن اسباب کی بنا پر آپس میں لڑائی و خونریزی ہونے کا اعتراف کرتے ہیں بالکل وہی اسباب ہیں جن کی بنا پر احتجاج کے لیے فریق مخالف کو سخت سست کہا گیا۔ اسی موضوع پر کلام کرتے ہوئے ایک مرتبہ ہم نے اپنے ایک دینی بھائی سے یہ کہا تھا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب حضرت علی کی شمشیرکشی کو اُن لوگوں کے مقابلے میں تسلیم کیا جاتا ہے تو ان کے اس سخت کلامی سے جو اُن لوگوں کی نسبت نظر آتی ہے تسلیم کرنے میں کیوں پس و پیش ہوتا ہے۔

اسی بنا پر آپ کے کلام میں جو اشارے موقف اول یعنی خلفاء ثلاثہ کے متعلق ہیں وہ نسبتاً نرم و ملائم ہیں بہ نسبت اس کلام و تعریض کے جو موقف ثانی یعنی معاویہ و عمرو عاص وغیرہم کے متعلق ہیں کیونکہ وہ بہت درشت اور سخت ہیں ۔

دوسرے شبہہ کا جواب | واما عن السبب الثانی فلیس ما فی الکتاب کله سجعا، وما فیه من السجع فهو مما لم تدع الیه الصنعة ولا اقتضاء التکلف بالمحسنات اکثره مما یاتی عفوا بلا کد خاطر ولا تجشم هول ومثله فی عبارات عصره واقع ومن عرف ان ابن ابی طالب کان حامی عرین الفصاحة وابن بجدتها لم یعسر علیه التسلیم ۔

شبہہ دوم کا جواب یہ ہے کہ نہج البلاغہ میں سجع کی پابندی اس حد تک نہیں ہے کہ معنوی محاسن کو نظرانداز کر دیا گیا ہو بلکہ اس کے سجع میں آمد کی صورت نظر آتی ہے، آورد کہیں سے نہیں ہے اور اس طرح کی سجع کا وجود اس عہد میں بھی پایا جاتا ہے اور جو شخص یہ جانتا ہو کہ علی ابن ابی طالب کا فصاحت و بلاغت میں کیا درجہ تھا اُسے اُس کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا

تیسرے شبہہ کا جواب | واما عن السبب الثالث فانا لا افهم السبب من جعله سببا لهذه الدعوی ومتی کانت دقة التخیل

شبہہ سوم کے پیش کرنے پر مجھے حیرت ہے، کیا باریک خیالی، خوش بیانی، وصف و تشبیہ کا حسن اور الفاظ کے ذریعہ سے تصویرکشی کرنا یہ کبھی قوم

وإجادة الوصف وقفا على قوم دون قوم؟ أوليس الشعر العربي مملوءاً بدقة الوصف واستكماله ثم أليس لقرشي شهد تنزيل القرآن وصحب أفصح العرب منذ نعومة أظفاره، وكتب الوحي وسمع ما يفجره الله تعالى على لسانه من ينابيع الحكمة، أليس لهذا القرشي ميزة عن سائر الناس"

کا مخصوص حصہ ہے، کیا خود عربی اشعار میں وقت وصف بدرجۂ کمال موجود نہیں ہے؟ علاوہ ازیں ایک ایسا قریشی جس کے سامنے قرآن سا فصیح و بلیغ کلام نازل ہوا جو شیر خوارگی ہی کے زمانے سے افصح العرب کے ساتھ رہا جس نے رسول کے لیے کتابت وحی کی اور ایسے حقائق کو اُس نے سُنا جس کو سننے کے بعد حکمت کے چشمے زبان سے پھوٹ نکلیں تو کیا ان خصوصیات کا قریشی تمام دوسرے لوگوں سے ممتاز نہ ہو جاوے گا۔

چوتھے شبہہ کا جواب

وأما عن السبب الرابع فإنا لا نعتبر ما في الكتاب من ادعاء علم الغيب وإنما هو من استنتاج القضايا الاجتماعية من مقدماتها وأسبابها ومثل الإمام علي في دقة ذهنه وقوة عارضته خليق بالتمكن من هذا الاستنتاج۔

شبہہ چہارم کا جواب یہ ہے کہ جسے علم غیب سے تعبیر کیا جاتا ہے اُسے ہم فراست اور زمانہ کی نبض شناسی کا نتیجہ سمجھتے ہیں یہ قضایا اجتماعیہ کے مقدمات و اسباب سے نتائج کا اخذ کرنا ہو جو علی ایسے ہوش مند مفکر اور حکیم اسلام سے بعید نہیں ہے (نہج البلاغہ مع شرحین الاستاذ محمد عبدہ و الاستاد محمد محی الدین عبد الحمید، مقدمہ محمد محی الدین عبد الحمید صفحات ج، د، ہ، و مطبعۃ الاستقامۃ مصر)

دوسرا مشہور مسیحی ادیب فواد افرام لبنانی ہے جو سینٹ جوزف کالج بیروت میں عربی ادبیات کے پروفیسر اور سلسلۂ روائع کے مؤلف ہیں جس سلسلہ کی پہلی کتاب علی ابن ابی طالب و نہج البلاغہ ہے جو ۱۹۲۷ء میں کیتھولک پریس بیروت سے شائع ہوئی۔

کتاب مذکور کا مقدمہ اگرچہ ایک عیسائی ادیب کا لکھا ہوا ہے لیکن خاص اہمیت رکھتا ہے، اس مقدمہ کی ابتدائی تمہیدی عبارت یہ ہے:۔

"لعلي ابن ابي طالب شخصية جذابة حامت حولها أقلام الرواة والمؤرخين واجتهدت في فهمها عقول النقاد والمفكرين واهتدت بهديها ميول الزهاد والسالكين وسارت تحت لوائها الجم الغفير من المتأدبين ولم تكن الآراء المختلفة والنظريات المتباينة والمجادلات العديدة بين السنيين

علی ابن ابی طالب کی ایک جذاب خاص کشش والی شخصیت ہے جس کے گرد رواتِ حدیث اور مورخین کے قلم ہمیشہ گردش کرتے رہے ہیں اور ناقدین و مفکرین کے عقول اس شخصیت کے سمجھنے میں کوشاں رہے ہیں اور زہاد و ارباب سلوک کے توجہات ان کی سیرت اور طرز زندگی کی طرف متوجہ رہے ہیں اور ان کے علم کے سائے میں ارباب ادب کی بڑی جمعیت چلتی رہی ہے مختلف اقوال اور بیگانہ نظریات اور کثیر التعداد

والشيعيين على كرور الايام الا لتزيد الرجل سموا وعقليته بروزا من خلال غشاء المنازعات المتكاثفة حينا والشافة احيانا فمن هو هذا الرجل العظيم وما هي قيمة رجل الادب۔

مناظرات جو بامتداد زمانہ سنی اور شیعہ فرقوں میں ہوا کیے ہیں وہ اس انسان کی بلندی میں اضافہ ہی کرتے رہے اور اس کے کمالات عقلیہ کی نمائش اُن منازعات کے پردوں سے جو کبھی گہرے اور اکثر اوقات ہلکے رہا کیے ہیں زیادہ ہی ہوتی رہی ہے، ہم کو دیکھنا ہے کہ یہ عظیم الشان انسان کون ہے اور علم و ادب کا یہ مخصوص انسان کیا قدر و قیمت رکھتا ہے۔

اس کے بعد مختلف عناوین کے تحت امیر المومنینؑ کی سیرت، خصوصیات زندگی اور نہج البلاغہ پر نظر ڈالی گئی ہے اور آخر میں بر عنوان صحۃ نسبتہ یعنی نہج البلاغہ کی صحت سند میں ان شکوک کو رد کیا ہے جو نہج البلاغہ کے متعلق وارد کیے جاتے ہیں چنانچہ استاد فرام لکھتے ہیں۔

ونحن اذا تدبرنا اسباب الشك نراها ترجع الى خمسة امور۔

ہم جب اس شک کے وجوہ و اسباب پر غور کرتے ہیں تو وہ ہیر پھیر کے پانچ امر قرار پاتے ہیں۔

(۱) ان فی نهج البلاغة من الافكار السامية والحكم الدقيقة ما لا يصح نسبته الى عصر علي۔

(۱) یہ کہ نہج البلاغہ میں ایسے بلند مطالب اور دقیق فلسفیانہ رموز ہیں جو حضرت علیؑ کے زمانہ کی طرف نہیں منسوب ہو سکتے۔

(۲) ان فيه من التعريض بالصحابة ما لا يصدر عن رجل فاضل كعلي۔

(۲) اس میں صحابہ کے متعلق ایسے تعریضات ہیں جو حضرت علیؑ ایسے بلند مرتبہ انسان کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے

(۳) ادعاء علم المغيبات وهو لا يكون فعل رجل عاقل۔

(۳) غیب کی باتوں کے علم کا دعوی اور یہ کسی عقلمند کا کام نہیں۔

(۴) الوصف الدقيق۔

(۴) کسی وصف کے بیان کرنے میں موشگافی۔

(۵) صناعة السجع والتنميق التي لم يتعودها اهل ذلك العصر وليس في اكثر هذه الاسباب ما يقف عثرة في سبيل صحة نسبته الكتاب [illegible]، واما سمو الافكار ودقة الحكم واصابة المعنى فا فى كل عصر اذ هي ناتجة عن الاختبار البشري موافقة لهذه الحيوة في تجاربها وقد رأينا في حيوة المؤلف واحزانه الكثيرة وخيبة امالـه موادّ وافرة

(۵) سجع و قافیہ اور عبارت آرائی جس کی اس زمانہ والوں کو عادت نہ تھی، لیکن یہ تمام اسباب ایسے ہیں کہ وہ اس کتاب نہج البلاغہ کی صحت سند میں سدّ راہ نہیں ہو سکتے، پہلی بات یعنی خیالات کی بلندی اور فلسفی نکتہ پردازی اور مطالب کی صحت اور مضبوطی یہ ہر زمانہ میں پیدا ہو سکتی ہے اس لیے کہ یہ انسان کے غور وفکر اور زمانہ کے حالات سے تجربہ کے ساتھ سبق آموزی پر مبنی ہے اور حضرت علیؑ مصنّف نہج البلاغہ کی زندگی اور حضرت کے مختلف مصائب

للتأملات العديدة والنظريات العميقة
فضلاً عن ان علياً احفظ القرآن بما فيه
من الآيات وكان عالماً كأكثر رجال عصره
بكثير من الحكم البليغة الموجودة في
التوراة والانجيل فامكنه الاقتباس
منها وانما التعريض بالصحابة وانه
لشئ طبيعي في ابن آدم ان يتأفف ويتألم
اذ يرى نفسه ممنوعاً من نيل مراده
مصروفاً عن حقه والانسان مهما تقدم
في الصلاح يظل انساناً ضعيفاً عرضة
لعوامل الطبيعة البشرية واما علم الغيبيات
فلا نتعرض له وهو ليس بأحسن ما في
نهج البلاغة واذا دققنا في الوصف ومثاله
واجل مظهر له في نهج البلاغة خطبة
الخفاش والطاؤس نعلم انه سبب
فاسد لان من اخص صفات الشعر
الجاهلي والمخضرم اتمام الوصف
وتتبع هيئات الموصوف الى آخرها
نرى ذلك في شعر الشنفرى وامرئ
القيس وعنترة وبشير بن عوانة من
الجاهليين وعمر بن ابي ربيعة وامثاله
من صدر الاسلام وكلهم يجارون
علياً زماناً ومكاناً ونكاد نقول القول
نفسه عن السجع لولا الخطبة المعروفة
بالشقشقية وهي من اسباب الشك
عند الكثيرين على انه يروي ابن ابي
الحديد الشهير شارح نهج البلاغة

اور رنج وغم کے واقعات میں ایسے کافی اسباب اور
مواد فراہم ہیں کہ جن کی وجہ سے آپ کے غور و فکر
کی قوت زیادہ ہوجائے اور آپ حالات زمانہ میں
تامل اور گہری فکر سے کام لیں اس کے علاوہ آپ
قرآن مجید اور اس کی تمام آیتوں کے حافظ و عالم
تھے اور پھر اپنے زمانہ کے بہت سے لوگوں کی
طرح آپ اُن فلسفی اور حکمی باتوں سے بھی مطلع تھے
جو توریت و انجیل میں مذکور ہیں اور اس لیے آپ کو
اُن سے اقتباس کا موقع بھی حاصل تھا (اس مقام
پر مسیحی ادیب کا مذہبی جذبہ کارفرما ہے)۔ دوسری
بات یعنی صحابہ کے متعلق تعریض یہ تو انسان کا فطری
خاصہ ہے کہ وہ اُف کرے اور رنجیدہ ہو جب اپنے
تئیں اپنے مقصد سے علیحدہ اور اپنے حق سے محروم
ہوتے دیکھے اور انسان جتنا بھی بلند مرتبہ ہو لیکن
پھر بھی انسان ہے اور انسانی خصوصیات سے علیحدہ
نہیں ہوسکتا۔ رہ گیا علم غیب اُس کے متعلق ہم کچھ
کہنا نہیں چاہتے (بے شک ایک عیسائی کا اس
محل پر سکوت ہی اختیار کرنا اُس کے عقائد کے لیے
مفید ہے کیونکہ اس سے تو حقانیت اسلام پر روشنی
پڑتی ہے) اور یہ حصہ یعنی غیب کی چیزوں کا باب
نہج البلاغہ میں کوئی اہم درجہ نہیں رکھتا ہے کہ اُس کی
نسبت خاص طور سے بحث کی جاوے (اہمیت تو
اتنی ہے کہ اس سے عیسائی عقائد کا شیرازہ بکھر جائے)
اس کے بعد آخری درجہ یعنی وصف میں موشگافی
اور اس کا نمایاں نمونہ خطبہ خفاشیہ اور طاؤسیہ ہے اس
کے لیے بھی ہمارا فیصلہ ہے کہ یہ سبب شک کا بالکل غلط
ہے اس لئے کہ زمانۂ جاہلیت اور پھر درمیانی دور کے

عن بعض مشائخه ان الشقشقية كانت معروفة قبل مولد الرضي.

اشعار کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر چیز کا وصف حد کمال پر ہوتا ہے اور موصوف کی ہیئت اور اس کی شکل کے تمام خصوصیات کو پورے طور پر پیش کیا جاتا ہے، یہ بات ہم کو شنفری اور امرئ القیس اور عنترہ اور بشیر بن عوانہ کے اشعار میں نظر آتی ہے جو زمانۂ جاہلیت کے شعرا ہیں اور عمر بن ربیعہ کے اشعار میں بھی کہ جو صدر اسلام کا شاعر ہے اور یہ سب زمان و مکان کے اعتبار سے حضرت علیؑ سے قربت رکھتے ہیں اور یہی ہمارا فیصلہ ہے آخری وجہ یعنی سجع و قافیہ عبارت آرائی کے متعلق، بیشک سب سے بڑا سبب بہت سے لوگوں کے شک کا خطبۂ شقشقیہ ہے حالانکہ ابن ابی الحدید جو نہج البلاغہ کا سب سے مشہور شارح ہے اس کا بیان ہے اپنے بعض اساتذہ کے زبانی کہ خطبۂ شقشقیہ سید رضی کی ولادت کے قبل سے مشہور و معروف تھا۔

باسمہ سبحانہ

فہرست مضامین

منہاج نہج البلاغہ

مضمون	صفحہ

فہرست کتب جن کا حوالہ اس کتاب میں دیا گیا ہے

نام کتاب	نام مؤلف	مقام طبع
ابجد الشیعہ (اصل)	سلیم بن قیس الہلالی	نجف
ابجد العلوم	نواب صدیق حسن خاں	ہند
ابن الرومی	دکتور عمر فروخ	بیروت
اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر	قاضی محمد علی شوکانی	ہند
اتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی	مصر
آثار الشیعہ	عبدالعزیز جواہری	ایران
اثبات الوصیۃ	علی بن حسین مسعودی	عراق
اخبار الحکماء	علی بن یوسف قفطی	مصر
اخبار الطوال	احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری	مصر
ادب الجاحظ	حسن سندوبی	مصر
ادب الصغیر	ابن مقفع	مصر
ادب الکاتب	ابن قتیبہ دینوری	مصر
ارشاد القاصد	محمد بن ابراہیم بن ساعد سنجاری	بیروت
اریج الزہر	شیخ مصطفیٰ غلائینی	مصر
ازالۃ الخفا	شاہ ولی اللہ دہلوی	ہند
اساس البلاغہ	جار اللہ زمخشری	ہند
اسپرٹ آف اسلام	سر امیر علی ہندی	لندن
استیعاب فی معرفۃ الاصحاب	یوسف ابن عبدالبر قرطبی	مصر
استغاثہ	علی بن احمد علوی کوفی	عراق
اسد الغابہ	محمد بن محمد ابن اثیر جزری	مصر
اسلامک ریویو نمبر ۱۰ جلد ۳۸		لندن
اسنی المطالب فی نجات ابی طالب	احمد زینی دحلان	مصر
اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	ہند
اصابہ فی معرفۃ الصحابہ	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	مصر
اطوار الثقافۃ و الذکر	علی جندی وغیرہ	مصر
الاعجاز و الایجاز	عبدالملک ثعالبی	مخطوط
الاعلام	خیر الدین زرکلی	مصر
اعیان البیان	حسن سندوبی	مصر
اعیان الشیعہ	محسن الامین عاملی	دمشق
اقرب الموارد		مصر

نام کتاب	نام مؤلف	مقام طبع
الف کلمہ مجموعہ کلمات امیر المومنین اللہ	عبدالحمید ابن ابی الحدید	مصر
	عباس محمود العقاد	ایران
امہات المومنین و اخوات الشہداء	داؤد سکاکینی	مصر
انوار النعمانیہ	نعمت اللہ جزائری	ایران
اوضح المسالک الی الفیہ ابن مالک	جلال الدین سیوطی	ہند
بحار الانوار	محمد باقر مجلسی	ایران
بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب	محمود شکری آلوسی حنفی بغدادی	مصر
بہجۃ المرضیہ شرح الفیہ	جلال الدین سیوطی	مصر
بیان والتبیین	ابو عثمان عمرو جاحظ	مصر
تاج الاصول فی احادیث الرسول	منصور علی ناصف	مصر
تاریخ ابن خلدون	عبدالرحمن بن محمد حضرمی مغربی	مصر
تاریخ ابن الساعی	علی بن انجب ابن ساعی بغدادی	مصر
تاریخ التمدن الاسلامی	جرجی زیدان مصری	مصر
تاریخ جوہر الصقلی	علی ابراہیم حسن	مصر
تاریخ الحسین نقد و تحلیل	شیخ عبداللہ علائلی	بیروت
تاریخ الخلفا	جلال الدین سیوطی	مصر
تاریخ الادب العربی	احمد حسن زیات	مصر
تاریخ الآداب اللغۃ العربیہ	جرجی زیدان	مصر
تاریخ ادبیات ایران (لٹریری ہسٹری آف پرشیا)	پروفیسر براؤن انگلیسی	لندن
تاریخ دمشق	علی بن حسن ابن عساکر دمشقی	مصر
تاریخ الرسل و الملوک	محمد بن جریر الطبری	مصر
تاریخ الفخری	محمد بن علی طباطبا ابن طقطقی	مصر
تاریخ الکامل	علی بن محمد ابن اثیر جزری	مصر
تاریخ یعقوبی	ابن واضح یعقوبی	مصر
تجارت الامم	احمد بن محمد ابن مسکویہ	انگلستان
تجلیات روح ایرانی	کاظم زادہ ایرانی	برلن
تحف العقول عن آل الرسول	حسن بن علی ابن شعبہ حلبی	ایران
تدریب الراوی	جلال الدین سیوطی	مصر

نام کتاب	نام مؤلف	مطبع
تذکرۃ الحفاظ	محمد بن احمد ذہبی	ہند
تذکرۃ خواص الامہ	یوسف بن قزغلی سبط ابن جوزی	ایران
ترجمہ علی ابن ابی طالب	احمد زکی صفوت	مصر
ترجمہ و شرح نہج البلاغہ	علی نقی فیض الاسلام اصفہانی	ایران
التصوف فی الاسلام	دکتور عمر فروخ	بیروت
تفسیر ابی سعود	ابی سعود بن محمد عمادی	مصر
تفسیر ابن کثیر	عماد الدین اسمٰعیل محمد بن عمر ابن کثیر دمشقی	مصر
تفسیر خازن	علاء الدین علی بن محمد خازن	مصر
تفسیر کبیر	فخر الدین رازی	مصر
تفسیر کشاف	محمود ابن عمر جار اللہ زمخشری	مصر
تقریب التہذیب	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	ہند
تنبیہ ذوالاشراف	علی بن حسین مسعودی	مصر
توضیح الدلائل علی ترجیح الفضائل	شہاب الدین احمد	مخطوط
تیسیر الوصول شرح جامع الصغیر	عبد الرؤف مناوی	مصر
جامع بیان العلم	یوسف بن عبد البر قرطبی	مصر
جامع الصحیح	محمد بن اسمٰعیل بخاری	مصر
جامع الصحیح	محمد بن عیسیٰ حکیم ترمذی	ہند
جامع الصحیح	ابو داؤد سجستانی	ہند
جامع الصحیح	مسلم بن حجاج قشیری	ہند
جمع الجوامع	جلال الدین سیوطی	مصر
جواہر الادب	احمد ہاشمی بک	مصر
جواہر العقدین	علی بن احمد سمہودی	مخطوط
حاشیہ شرح العزیزی	شیخ محمد حفنی	”
حاشیہ قاموس	علامہ قرمانی	مصر
حدائق الحقائق	قطب الدین کیدری	مخطوط
حدائق الندیہ شرح فوائد صمدیہ	صدر الدین مدنی	ہند
حدیث السقیفہ	ابو حیان توحیدی	مصر
حلیۃ الاولیا	حافظ ابو نعیم اصفہانی	مصر
حیاۃ الاسلام	مصطفیٰ بک	مصر

نام کتاب	نام مؤلف	مطبع
حیات امیر المؤمنین	محمد صادق صدر	عراق
حیات علیؑ ابن ابی طالبؑ	عمر ابو النصر	بیروت
حیوٰۃ الحیوان	کمال الدین محمد دمیری	مصر
خدا (ترجمہ اللہ)	عباس محمود العقاد	ایران
خزانۃ الادب	تقی الدین ابن حجۃ حموی	مصر
خطب النبیؐ	علی بن محمد مدائنی	
خطب النبیؐ	عبد العزیز جلودی	
خطب النبیؐ	جعفر بن محمد مستغفری	
خطب النبیؐ	ابو العباس خضر ابلی شافعی	
دائرۃ المعارف الاسلامیہ	(ترجمہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)	”
دائرۃ المعارف القرن الرابع عشر	فرید وجدی	مصر
دُرّ منثور (تفسیر)	جلال الدین سیوطی	مصر
در المنظم	محمد بن طلحہ قرشی شافعی	مصر
درۃ الیتیمیہ	عبد اللہ بن المقفع	مصر
دستور معالم الحکم (مجموعہ کلام علیؑ)	محمد بن سلامہ قطاعی شافعی	مصر
دول الاسلام	علامہ ذہبی	مخطوط
ذخائر العقبیٰ	احمد بن عبد اللہ محب طبری	مصر
ذخیرۃ المآل فی شرح عقد جواہر اللآل	شہاب الدین احمد حفظی عجیلی	مخطوط
ذیل المذیل من تاریخ الصحابۃ والتابعین	محمد بن جریر طبری	مصر
الراعی والرعیہ	توفیق الفکیکی	عراق
رسالۃ العقلیہ	محمد غزالی	مخطوط
رسالۃ الغفران	ابو العلاء المعری	مصر
رسائل شبلی	شبلی نعمانی	ہند
رضی شرح کافیہ	محمد بن حسن استرآبادی	ایران
روضات الجنات	محمد باقر خوانساری	ایران
ریاض النضرہ فی فضائل العشرہ	احمد بن عبد اللہ محب طبری	مصر
زبدۃ الحقائق	مولی میر قاری جیلانی	مخطوط
زندگانی علی ابن ابی طالبؑ (ترجمہ)	ابو نصر	ایران

نام کتاب	نام مؤلف	مطبع
زین الفتی شرح سورہ ہل اتیٰ	احمد بن محمد عاصمی	مخطوط
سفینۃ البحار	شیخ عباس قمی	ایران
سلک الدرر	محمد خلیل مرادی	مصر
سنن الکبیر	ابوبکر احمد بیہقی	مصر
سیرت ابن ہشام	عبدالملک ابن ہشام	مصر
سیرت عمر بن الخطاب	ابوالفرج عبدالرحمان ابن جوزی	مصر
شرح ابن عقیل علی الالفیہ ابن مالک	ابن عقیل	بیروت
شرح ابیات الشواہد	محمد عینی	مخطوط
شرح تجرید	علاء الدین علی قوشجی	ایران
شرح تہذیب الکلام	علامہ یعقوب لاہوری	مخطوط
شرح جامع الصغیر	شیخ محمد حفنی	مصر
شرح درۃ الغواص فی اوہام الخواص	شہاب الدین احمد خفاجی	مصر
شرح دیوان امیرالمومنین ع	ملا حسین میبذی	ہند
شرح دیوان حسان بن ثابت انصاری	محمد عنانی	مصر
شرح صحیح مسلم	محی الدین یحیٰی نووی	ہند
شرح قصائد عشر	ابوزکریا یحیٰی خطیب تبریزی	مصر
شرح مأۃ عامل	عبدالقاہر جرجانی	ہند
شرح مقاصد	مسعود بن عمر تفتازانی	اسلامبول
شرح نہج البلاغہ	عبدالحمید ابن ابی الحدید معتزلی	مصر
شرح نہج البلاغہ	محمد حسین کیدری بیہقی	مخطوط
شرح نہج البلاغہ	کمال الدین ابن میثم بحرانی	ایران
شرح نہج البلاغہ	محمد صالح قزوینی	ایران
شرح نہج البلاغہ	علی بن حسین زواری	مخطوط
شرح وحواشی نہج البلاغہ	محمد بن حسین برہان نظامی	مخطوط
شرح وحواشی نہج البلاغہ	محمد عبدہ مصری	مصر
شرح وحواشی نہج البلاغہ	محمد حسن نائل مرصفی	مصر
شرح وحواشی نہج البلاغہ	محمد محی الدین عبدالحمید ازہری	مصر

نام کتاب	نام مؤلف	مطبع
شریف الرضی	محمد سید گیلانی	مصر
شفاء الغلیل	شہاب الدین خفاجی	مصر
شقائق النعمانیہ	احمد مصطفیٰ طاش کبری زادہ	مصر
شہوار اسلام ترجمہ ہسٹری آف اسلام	گابریل انکیری فرانسوی	ایران
شہیر النساء فی العالم الاسلامی	قدریہ حسین عبدالعزیز ابن خانجی	مصر
صبح الاعشیٰ	ابوالعباس احمد قلقشندی	مصر
صرف العزی	محمد نجفی	مخطوط
صحیفہ علویہ	عبداللہ بن صالح سماہیجی	ایران
صناعۃ الطب	نوفل مسیحی	بیروت
صواعق محرقہ	احمد بن محمد ابن حجر مکی	مصر
ضحی الاسلام	احمد امین مصری	مصر
ضوء المصباح	محمد بن احمد اصفرائنی	ہند
طبقات الشعراء	محمد بن سلام جمحی بصری	مصر
طبقات الکبیر	ابن سعد	مصر
عبقریۃ الامام	عباس محمود عقاد	مصر
عبقریۃ عمر	عباس محمود عقاد	مصر
عبقریۃ العرب فی العلم والفلسفہ	دکتور عمر فروخ	دمشق
عبقریۃ محمد	عباس محمود عقاد	مصر
عروۃ الوثقیٰ	علاء الدولہ احمد بن محمد سمنانی	مخطوط
عقد الفرید	احمد بن عبد ربہ اندلسی	مصر
علل الشرائع	ابن بابویہ قمی	ایران
علی بن ابی طالب و نہج البلاغہ	فواد افرام بستانی	بیروت
عمدۃ القاری	بدرالدین عینی	ہند
عید الغدیر	بولس سلامہ مسیحی	بیروت
عیون الحکم والمواعظ	علی بن محمد لیثی واسطی	مخطوط
عیون الاخبار	عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ دینوری	مخطوط
عیون الانباء فی طبقات الاطباء	ابن ابی اصیبعہ	مصر
غرر الحکم و درر الکلم مجموعہ کلمات علی	جامع عبدالواحد بن محمد آمدی	ہند
غریب الحدیث	عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ دینوری	مخطوط

نام کتاب	نام مؤلف	مطبع	نام کتاب	نام مؤلف	مطبع
فتح الباری شرح صحیح بخاری	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	مصر	کتاب من حکم من الخلفاء	ابوہلال عسکری	مخطوط
فرائد السمطین	ابراہیم بن محمد حموینی	مخطوط	الی القضاء		
فرائد القلائد	یعقوب بن سلیمان اسفرائنی	مخطوط	کتاب السنن	الدارمی	مصر
فرائد القلائد شرح ابیات الشواہد	محمد عینی	مخطوط	کتاب السنن	ابن ماجہ قزوینی	مصر
فردوس الاخبار	شیرویہ بن شہریار دیلمی	ایران	کتاب المعتصر	جمال الدین حنفی	مصر
الفرق بین الفرق	ابومنصور بغدادی	مخطوط	کتاب البستان	ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی	مخطوط
فوائد ضیائیہ (شرح جامی)	عبدالرحمن جامی	ہند	کتاب الصناعتین	ابوہلال العسکری	مصر
فہرست مخطوطات عربی وفارسی	معین الدین ندوی	ہند	کتاب الموفقیات	زبیر بن بکار زبیری	مخطوط
پبلک لائبریری بانکی پور			کتاب الغارات	ابراہیم بن محمد ثقفی	مخطوط
فہرست کتاب خانہ مدرسہ		ایران	کتاب الطرائف	سید ابن طاؤس	ایران
عالی سپہسالار			کتاب مواعظ وزواجر	ابوہلال عسکری	مخطوط
فیض القدیر	عبدالرؤف مناوی	ہند	کتاب المغنی	قاضی عبدالجبار	
قاموس اللغۃ	محمد بن یعقوب فیروزآبادی	مصر	کتاب الشافی	سید مرتضیٰ	ایران
قرآن مجید	کلام اللہ	"	کتاب الکافی فی الاصول	محمد بن یعقوب کلینی	ایران
قصۃ الکتابۃ العربیہ	دکتور ابراہیم جمعہ	مصر	کتاب الکافی فی الفروع	" " "	"
قصص العلماء	محمد سلیمان تنکابنی	ایران	کتاب الروضہ من الکافی	" " "	"
قصیدۃ العلویہ او تاریخ الشعراء	عبدالمسیح انطاکی	مصر	کتاب الالفاظ الکتابیہ	عبدالرحمن بن عیسیٰ ہمدانی	بیروت
لصدر الاسلام			کتاب المجمل	ابن فارس لغوی	مخطوط
قول الجلی فی فضائل علی	جلال الدین سیوطی	مخطوط	کتاب الصحاح اللغۃ	ابونصر اسمعیل جوہری	مصر
کافیہ	عثمان بن حاجب	ہند	کتاب الامامۃ والسیاسۃ	ابن قتیبہ دینوری	مصر
کتاب الاحداث والفتن	علی بن محمد مدائنی	"	کتاب الشفا	حکیم بوعلی سینا	مخطوط
کتاب الاحتجاج	ابومنصور طبرسی	ایران	کتاب العرائس	احمد بن محمد ثعلبی نیشاپوری	مصر
کتاب الاعجاز والایجاز	ابومنصور عبدالملک ثعالبی	مصر	کتاب الرجال	ابوعمرو الکشی	ہند
کتاب الاوائل	ابوہلال العسکری	مصر	کتاب الخصال	ابن بابویہ قمی	ایران
کتاب الارشاد	شیخ مفید	ایران	کتاب التعریف لمذہب اہل التصوف	ابوبکر محمد بن اسحٰق بخاری	مصر
کتاب المسند الکبیر	احمد بن حنبل	مصر	کتاب اللمع فی التصوف	ابونصر سراج طوسی	لندن
کتاب المواعظ والاعتبار	تقی الدین احمد بن علی	مصر	کتاب العمدہ	ابن رشیق قیروانی	مصر
فی الخطط والآثار	مقریزی		کتاب التدوین	عبدالکریم بن محمد رافعی	مخطوط
کتاب الصفین	نصر بن مزاحم منقری	ایران	کتاب الدیارات	علی بن محمد شابشتی	مخطوط
کتاب المحبر فی تاریخ الخلفاء	محمد بن حبیب بغدادی	مخطوط	کتاب الدیارات النصرانیہ فی الاسلام	حبیب زیات	بیروت

نام کتاب	نام مؤلف	مطبع	نام کتاب	نام مؤلف	مطبع
کتاب التوحید	ابن بابویہ قمی	ایران	ببنہ فرام تہری انشنیٹ فرانس	ربورنڈ الفانسو میگنن	یورپ
کتاب المدخل فی الفلسفہ	افلاطون مترجمہ ابوالعلاء عفیفی پاشا	مصر	ما للہند من مقولہ	ابوریحان بیرونی	مصر
کتاب معرفۃ اخبار الرجال	محمد بن عمر کشی	ہند	مثل السائر فی ادب الکاتب و الشاعر	ابن اثیر جزری	مصر
کتاب الفہرس	شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی	ہند	مجازات النبویہ	سید رضی	عراق
کتاب الفہرس	ابن ندیم	مصر	مجالس المومنین	نوراللہ شوستری	ایران
کتاب الرجال	ابوالعباس نجاشی	ایران	مجمع الامثال	میدانی	مصر
کتاب الصفین	نصر بن مزاحم منقری	ایران	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر فتنی	ہند
کتاب الخلفاء	علی بن محمد مدائنی		مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی	مصر
کتاب المبرد	ابوالعباس المبرد	مصر	مجمع الاداب فی معجم الالقاب	عبدالرزاق بن احمد شیبانی فوطی	
کتاب المجتنی	محمد بن درید ازدی	ہند	مجموعۃ الرسائل	ابوعثمان عمرو الجاحظ	مصر
کتاب التہذیب	محمد بن حسن طوسی	ایران	مجموعہ کلمات امیر المومنین	نشر کردہ، الاب لویس شیخو	مصر
کتاب الامالی	" " "	"	مجموعہ کلمات علیؑ	نشر کردہ، احمد رضا عاملی	صیدا
کتاب المقتضب	ابوالعباس مبرد		مجموعۃ الوثائق السیاسۃ فی العہد النبوی	دکتور حمید اللہ	مصر
کتاب المغازی	سعید بن یحیی اموی		مجمل فی تاریخ الادب العربی	طٰہٰ حسین، احمد امین وغیرہم	مصر
کتاب الجمل	محمد بن عمر واقدی		مجلۃ العرب (مضمون فلسفۃ التاریخ	دکتور مصطفےٰ جواد	ہند
کتاب المقامات فی مناقب	ابوجعفر الاسکافی	مخطوط	الاسلامی)		
امیر المومنین			مجلۃ العرفان		صیدا
کتاب المناقب	علی بن محمد ابن المغازلی	مخطوط	مجلۃ الہلال جلد ۳۵ جز ۵		مصر
کتاب المناقب	موفق بن اخطب خوارزم	ایران	مضمون استاد کرد علی دمشقی		
کتاب الوزراء والکتاب	محمد بن عبدوس الجہشیاری	دانیا	مجلۃ معہد المخطوطات العربیہ		مصر
کشف الخفا	العجلونی	یورپ	محاضرات الادباء	راغب اصفہانی	مصر
کشف الظنون	حاجی خلیفہ چلپی	مصر	محمد المثل الکامل	محمد احمد جاد مولی بک	مصر
کفایۃ الطالب	محمد بن یوسف کنجی شافعی	مخطوط	مختار الصحاح	محمد بن ابوبکر رازی	مصر
کلیات	ابو البقا کفوی	مصر	مخطوطات الموصل	داؤد چلپی	بغداد
کنز العمال	علی متقی	ہند	مدارک نہج البلاغہ	شیخ ہادی کاشف الغطا	عراق
کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	عبدالرؤف مناوی	ہند	مراتب النحوئیین	ابوالطیب لغوی	مخطوط
لسان العرب	محمد بن مکرم افریقی	مصر	مرآۃ الجنان	عبداللہ یافعی	مصر
لمعات صداقت	ابوالکلام آزاد	ہند	مرآۃ الحرمین	ابراہیم رفعت	مصر
لؤلؤ البحرین	یوسف بحرانی	مخطوط	مرآۃ النساء	محمد کمال الدین ادہمی	مصر
لواقح الانوار فی طبقات الاخیار	عبدالوہاب شعرانی	مصر	مرقات	ملا علی قاری	مصر

نام کتاب	نام مؤلف	مطبع
مروج الذہب	علی بن حسین مسعودی	مصر
مزہر فی علوم اللغۃ	جلال الدین سیوطی	مصر
مسالک الابصار	ابن فضل اللہ عمری	مخطوط
مسالک البہیۃ فی قواعد النحویہ	عبد الرحیم صفی پوری	ہند
مستدرک	ابو عبد اللہ محمد بن بیع الحاکم	مصر
مستدرک نہج البلاغہ	شیخ ہادی نجفی	عراق
مستطرف	شہاب الدین احمد الابشیہی	مصر
مشارق الانوار	شیخ رجب برسی	ہند
مشکوٰۃ المصابیح	محمد بن عبد اللہ عمری	ہند
مصابیح السنۃ	حسین بن مسعود بغوی	مصر
مصباح المنیر	احمد بن محمد مقری	مصر
مطالب السئول	محمد بن طلحہ قرشی	ہند
مطالعہ مذہب اسلام	جے جے پال	ہند
معالم التنزیل	حسین بن مسعود بغوی	ایران
معانی الاخبار	ابن بابویہ قمی	مخطوط
معجم الادباء	یاقوت حموی	مصر
معجم البلدان	یاقوت حموی	مصر
مغنی اللبیب	جمال الدین بن ہاشم انصاری	مصر
مفتاح العلوم	محمد بن احمد الخوارزمی	مصر
مفتاح الفتوح	احمد بن منصور کازرونی	مخطوط
مفردات	ابو القاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی	مصر
مقاتل الطالبین	ابو الفرج اموی	عراق
مقتبس السیاسۃ	محمد عبدہ	مصر
مقتطف ۱ مارچ سنہ ۱۹۱۳ء جلد ۴۲		مصر
المقدمہ	دکتور احمد فرید رفاعی	مصر
مقدمۂ ابن خلدون	عبد الرحمن بن محمد حضرمی	مصر
مقدمۃ الادبیہ شرح نہج البلاغہ	مرصفی	مصر
مقدمۃ المقالات التوحیدی	حسن سندوبی	مصر
ملل ونحل	محمد بن عبد الکریم شہرستانی	مصر
منتخب کنز العمال	علاء الدین علی بن حسام متقی	مصر

نام کتاب	نام مؤلف	مطبع
منجد	لوئیس معلوف یسوعی	مصر
منہاج فی ادب العربی وتاریخہ	دکتور عمر فروخ	بیروت
منہاج البلاغہ شرح نہج	قطب الدین راوندی	ایران
منہج المقال	محمد بن علی استرآبادی	ایران
من لا یحضرہ الفقیہ	ابن بابویہ قمی	ایران
موافقات	الشاطبی	مصر
مؤطا	امام مالک بن انس	مصر
میزان الاعتدال	محمد بن احمد ذہبی	مصر
نثر الدر	ابو سعید منصور بن حسین آبی	مخطوط
نثر الفنی فی القرآن الرابع	دکتور زکی مبارک	مصر
نثر اللآلی مجموعہ کلمات امیر المومنین	فضل اللہ راوندی	ایران
نحو میر	سید شریف	ہند
نزہۃ الادب	ابو سعید منصور بن حسین آبی	مخطوط
نزہۃ الالبا	عبد الرحمن بن محمد انباری	مخطوط
نقد الشعر	ابن قدامہ	مصر
نوادر	ابو علی قالی	مصر
نہایہ فی غریب الحدیث	ابن اثیر	مصر
نہج البلاغہ مجموعۂ کلام علی ابن ابی طالبؑ	جامع سید رضی	مصر
نہج القویم فی کلام امیر المومنین	مولی خلف بن مطلب مشعشعی	مخطوط
نیو انٹرڈ ڈکٹری لیکچرز	سگمنڈ فرائڈ	آکسفورڈ
وسائل الشیعہ	شیخ حر عاملی	ایران
وسیط النحو		ہند
وفیات الاعیان	ابن خلکان	مصر
ہسٹری آف رومن امپائر	گبن	لندن
یتیمۃ الدہر	ابو منصور عبد الملک ثعالبی	مصر
ینابیع المودۃ	شیخ سلیمان قندوزی	قسطنطنیہ
الغدیر	عبد الحسین امینی	
عبقات الانوار	آیۃ اللہ مولانا سید حامد حسین اعلی اللہ مقامہ	نظامی پریس لکھنؤ

سوہم سو کتابوں کا حوالہ اس کتاب میں دیا گیا ہے۔

دفتر اصلاح ـــــ کا ـــــ تازہ ترین شاہکار

ائمہ اربعہ

برادران اہلسنت نے تقلید و اتباع بس اپنے چار اماموں میں منحصر کردی ہے اور انتہائی خوش عقیدگی سے انھیں وہ درجہ دے دیا ہے جو انبیاء کرام کو بھی نصیب ہو سکا۔ ان چاروں ائمہ کی سوانحعمریاں بہت سی شائع ہوئیں مگر وہ سوانحعمریاں نہیں بلکہ مناقب کی کتابیں ہیں حقائق اور واقعات سے خالی اور عقل و فہم کیلئے حد درجہ ناقابل قبول شدید ضرورت تھی کہ ان حضرات کے بے کم و کاست حالات منظر عام پر لائے جائیں اور خوش عقیدہ مریدوں کی ڈالی ہوئی دبیز نقابیں سرکا کر صحیح خد وخال پیش کر دیے جائیں تاکہ انصاف پسند افراد یہ فیصلہ کر سکیں کہ ہزاروں ہزار بڑے بڑے جلیل القدر علمائے اسلام کو نظر انداز کر کے تقلید کو ان چار اماموں میں منحصر اور ان کے بعد قیامت تک کے لیے اجتہاد کا دروازہ بند سمجھ لینا کس حد تک صحیح ہے۔

ملت جعفریہ کے تبلیغی ترجمان **اصلاح** نے ضروری سمجھا کہ سوانح عمری حضرت ابوبکر و عمر کی طرح ان چاروں ائمہ اہلسنت کے تحقیقی حالات بھی شائع کر کے طالبان حق و ہدایت کے لیے صراط مستقیم واضح کر دے۔ کتاب **ائمہ اربعہ** سے جہاں چاروں اماموں کے صحیح صحیح حالات معلوم ہوں گے وہاں یہ بھی معلوم ہوگا کہ ان چاروں کا بالواسطہ یا بلا واسطہ اہلبیت سے نسبت تلمذ رکھنا اور ان کے خرمن کا خوشہ چیں ہونا ان کے لئے عظیم ترین فضیلت اور بہت بڑا شرف قرار دیا جاتا ہے۔

ائمہ اربعہ حقائق و معارف کا بیش بہا ذخیرہ ہونے کے ساتھ ساتھ ملت جعفریہ کی حقانیت و صداقت کا عظیم ترین شاہکار بھی ہے۔

قیمت سات روپیہ آٹھ آنہ 7/50 مع محصول ڈاک

ملنے کا پتہ **منیجر اصلاح کھجوا ضلع سارن** (بہار)

پرنٹر و پبلیشر مولانا سید محمد باقر نقوی